دستور تصوف
المعروف بہ
انقلاب الحقیقت
حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
ادارۂ تصوف، احمد پارک مومنی روڈ لاہور

یارب چہ عہد بود کہ عہدِ وصال بود　　در گلشنِ امید نسیم وصال بود
آسودہ بود دِل زفراق حبیب و جاں　　ہردم ز دوست تازہ نوید جمال بود
گیتی چناں ربود زما عہدِ آں وصال
گفتی مگر در آئینۂ جاں خیال بود

دستورِ تصوّف

المعروف بہ

انقلاب الحقیقت

فی التصوّف و الطّریقت

المعروف

مِصباح السّالکین

فی ذکرِ محبوب الواصلین

مؤلفہ

صاحبزادہ محمد عمر صاحب کان اللہ لہ
سجادہ نشین بیربل شریف

نشاط آرٹ پریس، چیمبرلین روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

حامداً و مصلیاً

زمانہ حاضرہ کی تالیفات کے لیے مقدمہ جزو لاینفک خیال کیا جاتا ہے اکثر صاحبِ فن سے مقدمہ کو زیب دلایا جاتا ہے لیکن میری کتاب **انقلاب الحقیقت** نہ تو سوانحات کے زمرہ میں داخل ہونے کے لائق ہے نہ تذکروں میں! اور نہ ہی تصوّف کی کوئی مستقل کتاب ہے بلکہ ایک معجونِ مرکّب ہے۔

میں نے کئی بار اپنے دوستوں اور ہم خیالوں میں مقدمہ کے لکھوانے کے لئے نظر دوڑائی لیکن جو لوگ درحقیقت تصوّف کی مسند پر جلوہ فرما ہیں اُن میں تجلّی و تدلّی ایک آن بھر بھی فرصت نہیں دیتی۔ اور جو شاہسوار قلم ہیں وہ اس میدان کے شاہسوار نہیں مجبوراً آج تک التوا رہا۔

آج کتاب مطبع میں جا رہی ہے مجبوراً ایک دوست کے اصرار سے کچھ لکھنا پڑا۔ ورنہ میں نہ صاحبِ فن ہوں نہ صاحبِ قلم اِس لئے میرے دیباچہ کو وہ اہمیت نہیں جو فی زمانہ ہُوا کرتی ہے۔

حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیاتِ طیبہ لکھنے کا نہ میں اہل ہوں اور نہ مَیں حالات سے باخبر۔ کیونکہ مجھے صرف پانچ سال حضور کی غلامی کا فخر حاصل رہا اور وہ بھی ایسا کہ سال میں دو چار بار آیا اور گیا۔ میں اس حالت میں کس ہمت پر قلم پکڑ سکتا تھا۔

سببِ تالیف

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مکرمی صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری نوری سلمہ ربہ نے زبانی اور تحریری حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وارشادات اپنے تذکرہ کے لئے طلب فرمائیے۔ بندہ کچھ دن تو متردد رہا۔ آخر چار و ناچار ایک دن قلم لے کر مختصر یادداشت (نوٹ) لکھنے کا ارادہ کیا لیکن جوں جوں قلم کی نوک مڑتی میرے دل و دماغ کے پردے کھلتے جاتے تھے صفحوں کے صفحے لکھے گئے لیکن تمہید ختم نہ ہوئی۔

اب میں حیران تھا کہ کیا کروں نہ اختصار سے کام چلتا ہے نہ تفصیل سے۔ اختصار کرتا ہوں تو سمندر کوزہ میں نہیں سما سکتا۔ تفصیل سے لکھتا ہوں تو ایک الگ ضخیم کتاب تیار ہو جاتی ہے لیکن میں اسی ششں و پنج میں لکھتا گیا۔ تا اینکہ حصّہ اوّل (تربیت) سے پار نکل گیا۔

اس کے بعد میرا ارادہ ہو گیا کہ یہ اوراق الگ صورت میں ہی شائع کر دیئے جائیں اور کسی دوسری کتاب کا ضمیمہ نہ بنائے جائیں حضرت صوفی صاحب مدظلہ ربہ نے بھی یہی مشورہ دیا۔ عجب یہ ہے کہ اڑھائی تین سو صفحوں سے زائد قلم سے نکل گئے لیکن ابھی تیسرے حصّے (فضائل و کمالات، اخلاق و عادات) کی نوبت نہ آئی۔ سعدی رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ؎

نہ حسنش غائتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

واقعی نہ مجھے سیری ہوئی اور نہ ہی حضرت کے حالات، اوصاف و کمالات ختم ہوئے گو کتاب مکمل ہو کر نکل جائیگی اور احباب یہ خیال کرینگے کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن میری تشنہ کامی کی موجودگی اور حضرت مرحوم و مغفور کے اوصاف و کمالات کا دریا پہلے سے بھی زیادہ متلاطم نظر آئے گا۔

حیاتِ طیّبہ سے انقلاب الحقیقت کو کوئی واسطہ نہیں بلکہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف آپ بیتی ہے لیکن تاہم اس کے اندر حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین واصل باللہ فانی فی اللہ عالم حقانی عارف ربّانی قبلہ مُرشدم ؎ ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

رحمۃ اللہ علیہ کے وہ تمام ارشادات آجائیں گے جو اپنی آنکھوں دیکھے یا کانوں سے سنے مگر بالذات وہ مقصود نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ سالک کو کونسے مراحل سلوک کے اندر پیش آتے ہیں اور کیونکر وہ اپنے پیر و مُرشد کی برکت سے انہیں طے کرتا ہے اور کہ مُرید و پیر کے تعلّقات کیسے اور کتنے گہرے اور محبّت و اخلاص سے پُر ہوتے ہیں۔

بعض مقامات پر قلم نے بلند پروازی بھی کی ہے لیکن بے اختیار جب ہوش آیا۔ پھر پستی پر آ لے آیا لیکن حق تو یہ

ہے کہ یہی بلند پروازی اور شوخی میری کتاب کی جان ہے گو مجھے خوف ہے کہ مقلد دوست میری اس روش پر
پھبتیاں اڑائیں گے لیکن معارفِ حقہ کو دیکھتے ہوئے کورانہ تقلید اختیار کرنا بھی تو پوری کج رفتاری ہے۔
کتاب سرسری نگاہ ڈالنے کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ ایک باریک بے عیب اور پاک حقیقت کے عیاں
کرنے کے لئے لکھی گئی ہے جسے ملاحظہ کے لئے چشمِ دل سے کام لینا چاہیئے صرف ظاہری آنکھ کام نہ دیگی۔

ع این سخن از گوشِ دل باید شنید

حضرت مرحوم و مغفور قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرات اور سوانحات کے پڑھنے کے لئے میری
کتاب عینک اور خوردبین کا کام دے گی جس سے حضرت کے باریک سے باریک ذاتی اوصاف اور
وہبی کمالات روشن اور درخشاں نظر آئیں گے اور ایک فلسفی اپنی پوری نظر اور اپنی پوری فکر لڑا کر حضرت قبلہ
رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور آپ کے اوصاف و کمالات کی حقیقت کا فلسفہ دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ
کرنے میں متردد نہ رہے گا اور نہ ہی حقیقت ولایت کے بے نقاب دیکھنے کے لئے بیتاب ہوگا گو عوام اس سے
کم فائدہ اٹھائیں گے لیکن دل سوز تحریر انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑے گی۔ میری تحریر مبالغہ اور تصنع
سے پاک ہے گو عبارت میں سلاست نہ ہو۔ لیکن واقعات و کیفیات میں سرِمو فرق نہیں آنے دیا۔

تصنیف و تالیف میں سب سے مشکل کام ترتیب ہے جس تصنیف و تالیف کی ترتیب عمدہ ہوگی
وہی مقبول و مرغوبِ طبائع ہوگی خصوصاً ایسی تصنیف و تالیف جس میں واقعات۔ حالات اور اوصاف
قلمبند کئے جائیں۔ اور استنباطی طریقہ سے مسائل حاصل کرنے مطلوب ہوں تو ایسی تالیفات کا مدار صرف
ظاہری ترتیب پر ہوتا ہے ورنہ بس۔ لیکن یہ کام بظاہر جتنا آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے اتنا ہی مشکل۔ کیونکہ اس
ملکۂ لطیف کا تعلق ذوقِ سلیم اور فطرتِ لطیفہ سے ہے نہ کہ تصنع اور بناوٹ سے۔

"میں نہ تو کوئی مشاق مصنف ہوں اور نہ ہی آج تک مجھے اس قسم کی تصنیف کا موقعہ ملا ہے اس
وقت صرف اپنے مربی اور محسن کی یاد نے مجھے بے اختیار کر دیا اور میں اس بحرِ ناپیدا کنار میں کاغذی ناؤ
کے سہارے بسم اللہ مجریھا و مرسھا ان ربی لغفور الرحیم پڑھتا ہوا کود پڑا اور قلم کے چپو سے
واقعات کے تلاطم اور افکار کے امواج سے بصد مشکل چٹان پر پہنچا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک لیکن میں اتنا کہنا

ہوں کہ اِس چودھویں صدی میں کہ تصنیف و تالیف کے سیلاب نے دُنیائے عالم کو محوِ حیرت کر دیا اور صرف سرزمین پنجاب سے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں روزانہ تصانیف کے انبار اُٹھنے اور چلنے لگے۔ کسی کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی جو آج مجھے عنایت فرمائی گئی وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہ۔

جب سے مادیات نے ترقی اور عروج حاصل کیا۔ تو روحانیات سے بے التفاتی ہوگئی جہاں کہیں وہ چار اہلِ باطن عالمِ تفکر میں نظر آتے بھی ہیں تو وہ بھی گوشۂ تنہائی میں۔ اور اتنی دلیری نہیں کہ کسی کو اپنے حال یا قال سے کچھ کہہ یا سُن سکیں گو خاموشی اور سکتہ عالمِ رُوحانیات کے لئے نوش کا حکم رکھتا ہے لیکن وہ خاموشی اور وہ سکتہ جو مغلوبانہ ہو کیونکر محمُود کہلا سکتا ہے اگر کسی صاحب ہمت نے جُرأت بھی کی تو بس اتنی کہ سلف صالحین رح کی تصانیفی یا تالیفی دستار بندی سے ڈورے نکال کر اپنی تصانیف و تالیف کے ساتھ ولیسنہ کر کے تازہ بھرپ دکھا دیا

کئی ایک رسالے **تصوّف** کے شائع ہو رہے ہیں لیکن غور سے دیکھو تو سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف کے تراجم کے سوا ایک حرف بھی نیا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اگر موجودہ وقت میں کوئی اِس فن شریف کے متعلق تصنیف نظر آتی ہے تو بزرگوں کے حالات سوانحات اور تذکرے ہیں لیکن وہ بھی ایسے رُوکھے پھیکے کہ نہ قال کی چاشنی نہ حال کا ذوق۔

ایسے وقت اور ایسے حال میں ایک ایسی تصنیف پیش کرنا جو قال اور حال کو یکساں متوازی صورت میں دکھلائے۔ اور اپنی مجتہدانہ تحریر سے تقلیدی راستہ چھوڑ کر ایک نرالا اور نیا ڈھنگ پیش کر کے دعوتِ حق کا پرچم ہلائے تو کیا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ کا نمونہ نہ ہوگا؟

بیشک میری ناچیز تصنیف کے اندر سینکڑوں لغزشیں ہوں گی بلکہ حرف حرف اپنے سقم کا خود شاہد عادل ہوگا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ میں نے کس ہمّت سے اپنا قدم بڑھایا اور کس دلیری سے دنیائے مادیات کو اپنا حال کہہ سُنایا اور ابنائے حال کو دعوتِ شرکت فی العمل کا مخاطب ٹھہرایا۔ اور تصوّف کی صحیح شاہراہ کا خاکہ دکھایا۔

میں خود حیران ہوں کہ اس ناتواں اور کمزور دل سے اتنا بڑا کام کیونکر سرانجام ہوا لیکن حق تو یہ ہے کہ ؎

فیضِ رُوح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

جب میں تمہیدی اوراق کے بعد شرف بابی حضور اقدس رح تک کے واقعات لکھنے پایا تو کوئی ترتیب سُوجھنے

نہ ہی کیونکہ ایک اپنا قصّہ کہنا تھا ایک حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات و اوصاف دکھانے تھے یہ بھی مقصود تھا کہ تصوّف کی کیفیات بھی ہاتھ سے گم نہ ہوں تا اینکہ حقیقت جامعہ لیس کمثلہ شیٔ کی حقیقت کبریٰ عیانی طور پر منکشف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کیونکر اس کا ظہور وفی انفسکم افلا تبصرون کے اندر مضمر ہے، اور کس طرح ھو بکل شیٔ شہید کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور کیونکر ھو بکل شیٔ محیط کا مصداق صحیح نظر آتا ہے تو ایسی صورت میں ترتیب کتاب کوئی آسان امر نہ تھا لیکن حضرت قبلہ مرشدم کی روحانی یاوری اور الہام غیبی کی امداد کامل نے رہبری بخشی اور ایک ایسی دلکش ترتیب دماغ میں بیٹھ گئی کہ میرے تمام مقاصد کو یکساں لپیٹتی ہوئی اپنی آخری سرحد پر جا پہنچی۔

خالق و مخلوق کا اوّلین تعلّق عالم وجود میں آنے کے بعد وہ شانِ ربوبیت کا تعلق ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ کی ذات بابرکات نے سب سے پہلے اپنے وصف کے اندر بیان فرمایا اور انسان کو جتلایا:- کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کہہ کر اپنے اولیں تعلق کی شکر گذاری سب سے پہلے واجب ہے۔

بعینہٖ اسی طرح پیر و مرشد کا اوّلین تعلّق بھی ربوبیّت ہے مرشدِ حق درحقیقت نائب حق ہوتا ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ والدین مادی تربیت کا آلہ کار ہیں پہلی مہربانی اور عنایت جو مرشد سے مرید کو پہنچتی ہے تربیت ہے اور آخری شفقت و رحمت جو مرید کو پیر سے حاصل ہوتی ہے وہ تربیت ہے غرضیکہ مرید کا پہلا سبق بھی تربیت اور آخری سبق بھی تربیت ہے فرق اتنا ہے کہ ایک مُؤثّر ہے دوسرا مُتأثّر۔ اسی پہلے شاندار تعلق سے حصّہ اوّل کو تربیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور تربیت کے تمام اقسام علمی عملی، جلالی جمالی، اور روحانی کے تمام حالات اور واقعات کو اس میں دکھایا گیا اور دُوسرے حصّہ کتاب میں اسی تربیت کے نتائج دکھائے گئے۔ کیونکہ تربیت کا معیار نتائج پر ہوتا ہے۔

مُرشد کامل وُہ ہے جس کی تربیت کے ثمرات و نتائج عمدہ ہوں اور مُرید وہ اچھا جو تربیت کے قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو اگر حُسنِ قسمت سے ایسا جوڑا میسّر ہو جائے تو ثمرات و نتائج دنیا اپنی آنکھوں دیکھ لیتی ہے۔ اور کامل کی تربیت کا اقرار کر لیتی ہے خود مُرید اپنی حالت نفسی کے اندر ایک ایسا انقلاب پاتا ہے کہ اپنی پہلی ہستی گُم کر کے ایک دوسری ہستی کا تحقق اپنے وجود میں پاتا ہے۔ اسی انقلاب عظیم کی رعایت سے میں نے اپنی کتاب کا نام انقلاب الحقیقت رکھا ہے کیونکہ تربیت کامل ہی جذبات کامل پیدا کر کے انسانی ہستی

تعلقِ اولین

مرشد کامل اور اچھا مرید وجہ تسمیہ

کو اسفل السافلین سے نکال کر ملاءِ اعلیٰ تک پہنچا دیتی ہے اور انسان اپنے اندر وہ کچھ دیکھ پاتا ہے جو اس کے وہم و گمان سے بھی باہر تھا اور وہ تمام کچھ بھول بیٹھتا ہے جس کے نشہ میں خالق و رازق، مالک حقیقی اور ربّ الارباب سے بے پرواہ ہو کر آوارہ گمراہی تھا۔

جذبات کے تابع تمام جسم اور اس کے حس و حرکات ہیں جب جذبات بالکلیہ بدل جاتے ہیں تو افعال، اوصاف اور احوال بھی ایک دوسرا رنگ (اتقا) اختیار کر لیتے ہیں۔ اور عوارضاتِ روحانی رفع ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس انقلابِ عظیم کو انقلاب الحقیقۃ کے نام سے تعبیر کرنا بیجا نہ ہوگا اور یہی میری تمام کتاب کا خلاصہ ہے،

لیکن ترتیب اور نتائج دیکھنے کے بعد فوراً مُربّی پر نظر جا پڑتی ہے کہ ایسی تربیت اور ایسے نتائج کا مُربّی اور پھلتے پھولتے باغ کا مالی کون ہے اس لئے تیسرے حصّہ میں مُربّی یعنی حضرت قبلۂ عالم مُرشدم علیہ الرحمۃ کے عادات، اخلاق، اوصاف و کمالات کا تفصیلاً ذکر ہوگا اور آپ کے معمولات اور تعلیماتِ سلوک کا خلاصہ درج کیا جائیگا۔

گو ترتیب مروّجہ طریقہ سے اُلٹی ہے لیکن لازم سے ملزوم کی طرف جانا ایک لطیف اور منطقیانہ ترتیب ہے نہ کہ ملزوم سے لازم کی طرف بڑھنا۔ کیونکہ اس صورت میں لازم و ملزوم میں کوئی اہمیت خاص نہیں رہتی، بلکہ ایک عام وصفانہ حیثیت صرف باقی رہ جاتی ہے۔

اگرچہ کتاب کا نام من حیث الظاہر انقلاب الحقیقۃ رکھا گیا ہے لیکن اپنی باطنی اغراض کے لحاظ سے مصباح السالکین فی ذکر محبوب الواصلین مناسب اور موزوں تر تھا۔ گو یہ اپنی رام کہانی ہے لیکن اس کے اندر کچھ اور ہی مطلوب و مقصود ہے مخلوق کی توصیف در اصل خالق کی توصیف ہے اور صنعت کی تعریف درحقیقت صانع کی تعریف کہلاتی ہے۔ غلام و شاگرد کا ذکرِ خیر حقیقتاً آقا و استاد کا نیک تذکرہ خیال کیا جاتا ہے اور مُرید کا انقلاب فی الواقعہ پیر کی آبیاری تصوّر کی جاتی ہے۔ میری کیا حیثیت کہ اس کتاب کا شہ نشین (پیر و محکی عنہ) کہلاؤں ؎ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را مے شناسم کے مطابق احباب اور ناظرین سے کچھ بھولا نہ رہے گا تاہم گستاخی سے بچنے کے لئے اتنا لکھ دیا گیا۔ ورنہ کون ہوگا جو میرے اِس خاکی لباس کے اندر اُس محبوب الٰہی کے چمکتے دمکتے انوار نہ دیکھے گا اور میرے سیاہ اور میلے کچیلے چیلے کے تار و پود سے اس کی محبوبانہ البیلی صورت کے ناز و ادا نہ دیکھ پائے گا میرا وجود اگرچہ لیے نقابانہ جلوہ نمائی

کا مانع ہے لیکن پرستارانِ محبت بھی تو بے نقابانہ جلوے کی تاب نہیں لاسکتے اور نہ ہی بے نقابی معشوقِ دلنواز کی دلفریبی کا باعث ہوا کرتی ہے علاوہ بریں پرستارانِ حرم کبریائی کو بے نقاب کرنا اور بے نقاب دیکھنا بھی تو ایک جرم عظیم ہے۔ سب سے بڑھکر اس وقت مجھے اس امر کا رنج ہے کہ دنیاداروں کے علاوہ وہ لوگ بھی جو کہ دنیائے دوں سے تعلق توڑ کر وحدت کی گوشہ نشینی میں سر بجیبِ تفکر ہیں وہ اتنی سردردی گوارا نہیں کرتے کہ کسی اپنے عزیز کے کئے کرتے پر ایک نظر ڈالکر اسکے حسن و قبح سے آگاہی بخشیں تاکہ اصلاح و درستی کا اندازہ ہوسکے۔ یہ مسودہ اپنے دوستوں کے پیش کیا گیا لیکن کسی نے اتنی ہمت بھی نہ کی کہ ایک صفحہ پڑھکر میرا اطمینان کرادے کہ میں براہِ راست جارہا ہوں ؟

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سینکڑوں ایسی پاک ہستیاں ہیں جو فنائے تام سے گذرکر بقائے ابدی کے سرمدی چشمہ حیات سے سیراب ہوکر مستِ مئے توحید ہیں اور عرفان کی پُرانوار فضا میں حیران نظر آتے ہیں اگر انہیں اپنی بے نیازی اور اپنا استغراق اس ناچیز تالیف کیطرف ایک نظر ڈالنے کی فرصت نہ دے تو وہ مجبور ہیں اور میں اور میری یہ ناچیز تصنیف ان کی اس بے نیازی اور بے التفاتی پر سینکڑوں بار قربان لیکن افسوس تو ان کی بے توجہی اور عدم التفاتی پر ہے کہ جو اپنی نیازمندی کے باوجود ایسی تصانیف سے اپنی بے نیازی برتتے ہوئے اپنی سردمہری کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنی سُست رفتاری سے نہیں گھبراتے۔ فاللہ خیرٌ حافظاً وھو ارحم الراحمین +

گو دیباچہ طویل ہوگیا لیکن اسکے بغیر چارہ نہ تھا اور نہ ہی اسکے بغیر کتاب لطف دے سکتی تھی۔ کیونکہ دیباچہ کتاب کھولنے کے لئے ایک قسم کی چابی ہوتی ہے اسلئے مجبوراً اتنا لکھنا پڑا۔ آخر میں ہم بارگاہِ لم یزلیہ کی سرکار حضرت صمدیت سے التجا ہے کہ اپنے حبیب پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے برگزیدہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طفیل جس حضور اور جس شوق سے یہ اوراق لکھوائے ہیں اسی شوق و ذوق سے احباب کو پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سیاہ اوراق کو میری سیاہ اعمالیوں کو کفارہ گردانے اور اپنے ہادی اپنے پیشوا اپنے مرشد حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم چلنے کی توفیق بخشے اور تمام مراحل آخرت باطمینان طے کراکر قیامت کے دن آپکے سایہ ہما پایہ کے نیچے کھڑا ہونا نصیب فرمائے آمین ثم آمین ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

غرض نقشے است کز ما یاد ماند ۔۔۔ کہ ہستی را نمے بینم بقائے

مگر صاحبدلے روزے برحمت ۔۔۔ کند در حق ایں مسکیں دعائے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

بندہ بے نیاز و با نیاز محمد عمر عفی اللہ عنہ بیربل ضلع شاہ پور، ۲۰ صفر ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر حالات مصنّف رحمۃ اللہ علیہ

قطب العالم محبوب الٰہی مرشدنا و مولٰینا حضرت محمد عمر صاحب بیربلوی

ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو بیربل شریف میں پیدا ہوئے۔ حضورؒ کے دادا جان حضرت غلام مرتضٰے رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ تھے اور بہت بڑے عالم، اس لئے بیک وقت اُن کے زیرِ سایہ دینی مدرسہ اور خانقاہ دونوں چل رہے تھے۔ فقر کا ماحول بھی تھا اور علم کا ماحول بھی۔ گھر کے دستور کے مطابق پہلے آپؒ نے حفظِ کلام اللہ کیا۔ جب آپؒ پندرہ برس کے ہوئے تو حضرتِ اعلیٰ بیربلویؒ نے وصال فرمایا۔ اس وقت تک آپؒ اپنے گھر میں شرح جامیؒ تک نظامی درس کی کتابیں پڑھ چکے تھے۔ پھر علم کی تکمیل کے لئے لاہور تشریف لے گئے اور دہلی بھی قیام فرمایا۔ اور نیٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل بھی کیا اور انگریزی کے امتحانات بھی دیئے۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں آپؒ پروفیسر مقرر ہوئے سات سال تک وہاں پڑھایا۔ جب حضورؒ کے والد ماجد احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ بیربل شریف کا وصال ہُوا تو حضورؒ علمی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے اور مسندِ فقر کو زینت دی اور سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ لیکن سجادہ نشین بن جانے پر بلندیٔ استعداد اور رحمتِ الٰہی نے اکتفانہ کرنے دی اور مرشدؒ کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ گوشہ گوشہ ڈھونڈا، اُمید کی ہر جگہ تلاش کی اور اس سلسلے میں ہر تدبیر کو عملی جامہ پہنایا۔ آخر "جوینده یابنده" غوثِ زماں مجددِ طریقت میاں شیر محمدؒ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اگرچہ حضرتِ اعلیٰ شرقپوریؒ کی پہلی ہی صحبتوں سے فقر کی نسبت حاصل ہو گئی تھی لیکن اس نسبت کی پختگی کیلئے کامل فرد کی کامل جدوجہد جاری رہی۔ آخر ۱۹۲۸ء میں حضرتِ اعلیٰ شرقپوریؒ کا وصال ہُوا۔ اس وصال کے بعد حضرتؒ پر رُوحانی نسبت کی دوگونہ ذمہ داری عائد ہوگئی۔ خانقاہ بیربل شریف کی سجادہ نشینی اور غوثِ زماں میاں شیر محمدؒ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت، حضورؒ نے ان دونوں کو خوب نبھایا۔ خانقاہ بیربل شریف پنجاب بھر میں ایک بہترین علمی مرکز کی حیثیت سے بھی مشہور تھی۔ اور ہر قسم کے فتوے اور مقدمات آپؒ کے پاس آتے اور حضورؒ کے فتوے اور حضورؒ کے فیصلے ایسے ہوتے کہ بڑے بڑے مفتی اور بڑے بڑے قاضی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ حضرت اعلیٰ شرقپوریؒ کے وصال کے بعد "انقلاب الحقیقت" حضورؒ نے تصنیف فرمائی اور اپنے خرچ سے دونوں جلدیں

طبع کروا کر مفت تقسیم کیں۔ ۱۹۲۶ء کے بعد کا عرصہ فراق و وصال کا زمانہ تھا۔ اپنے پیر و مرشدؒ سے ظاہری فراق تھا اور اپنے محبوب جل جلالہ سے وصال۔ وصل و فراق کی ملی جلی کیفیات نے نیاز و بے نیازی کا ایک ایسا خوبصورت مجسمہ حضورؒ کی ذات کو بنا دیا تھا کہ سابقین اولین میں ہی یہ مثالیں مل سکتی ہیں۔ فقر کے طالبین کو تربیت دینے کا طریقہ حضورؒ نے بالکل نرالا پیدا کیا۔ بس نظر کا فیض تھا اور باتوں باتوں میں زائر اور سالک کی کایا پلٹ جاتی، طبیعت بدل جاتی، چہرہ پر انوارِ الٰہی کا جلوہ چمک اُٹھتا اور اکثر اوقات آنکھیں برس پڑتیں۔ وصل و فراق اگرچہ دونوں کیفیات بعض بزرگوں کی الگ الگ کیفیات رہی ہیں لیکن یہاں ان دونوں کیفیات کو باہم وصال کا درجہ نصیب تھا۔ غم اور خوشی حضورؒ کی نسبتِ پاک میں اکٹھے رہ سکتے تھے۔

یہ ناچیز ۴۲ء میں حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ محبت کی آنکھوں نے محبوبؒ کو عجیب رنگ میں دیکھا۔ علم مکمل۔ فقر مکمل۔ تدبیر مکمل۔ تربیت مکمل۔ غرضیکہ ہر قسم کا حُسن و جمال آپؒ کی ذات میں مکمل تھا۔ اور مردِ کامل کا لفظ آپؒ کی ذات پر خوب صادق آتا ہے۔ ۴۲ء کے بعد یہ بندہ اپنے آقاؒ سے بہت قریب رہا اور دُوری میں بھی بحمداللہ قُرب کی کیفیات سے سرشار۔ میں نے حضورؒ کو کیسا پایا، اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے اور انشاءاللہ العزیز عنقریب حضورؒ کی سیرتِ پاک لکھی جائے گی۔ اور جزئیات کو بھی اُجاگر کیا جائے گا اور یہ مسلّم ہے کہ حُسن جزئیات سے بنتا ہے ورنہ کلیات تو ایک منصب کے بہت سے آدمیوں میں تقریباً یکساں حیثیت میں رہتے ہیں۔ حضورؒ کو جس گوشے سے دیکھا جائے، عقل کو حیرانی کے سوا کچھ ملتا نہیں۔ کہ الٰہی یہ انفرادیت اور یگانگت تیری مہربانیوں کا وُہ نمونہ ہے جو سالوں میں نہیں صدیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

؎ قرنہا باید کہ تا صاحبدلے پیدا شود   بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

حضورؒ نے جذب و سلوک کی دونوں کیفیات کی خوب لاج رکھی۔ قلندری کو بھی نبھا گئے اور سلوک کی منزلیں بھی آپؒ کو یاد کرتی رہیں گی کہ کوئی گزرا تھا۔ حضورؒ کی طبع مبارک ہمیشہ نحیف اور کمزور رہی۔ بیماری کو گویا حضورؒ سے محبت تھی۔ عمر بھر کسی نہ کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا رہے۔ گرمی کے روزے کی شدت برداشت نہ تھی اس لئے ہمیشہ گرمی کے روزے ٹھنڈے مقامات پر رکھتے۔ دو مرتبہ کشمیر گئے۔ کوہ سکیسر پر قیام فرمایا۔ اور کھوڑہ تو گویا حضورؒ کا گرمیوں کا وطن بن گیا تھا۔

حج بیت اللہ کیا۔ کیا حج تھا اور کیا زیارت تھی۔ میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ آپؒ کا حج اور زیارت کیسے تھے۔ سخاوت اور مروّت میں آپؒ کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔

دُعا کا خاص انداز تھا ہاتھ اکثر لمبے ہو جاتے گویا ابھی ابھی اجابت کو ساتھ لاتے ہیں۔ اور جو ہاتھ اُٹھا وہ کامیاب لوٹا۔ محبتِ الٰہی، قُربِ خداوندی اور معرفتِ الٰہی کا دریا سینے میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن انہی کمالات کی تمنّا بھی ہر وقت تھی۔ رُوحانی کمالات میں طبیعت مستقی بن جاتی ہے۔ کرامات کی کوئی حد نہیں۔ ہر آنے جانے والے نے دیکھا اور آزمایا۔ آپؒ کی ذات صبر و تحمل اور بُردباری کا ایک عظیم پہاڑ تھی علم و عمل کا ایک خوبصورت مرکب افراط و تفریط سے پاک

اور مخلوقِ خدا کی بہترین خیر خواہ، آپؒ کی بصیرت قدرت کا ایک خوبصورت آئینہ تھی جس پر سامنے کی ہر تصویر نمایاں ہو کے آتی۔ اخفا کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی زبان سے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ دعویٰ تو کجا ہمیشہ کسرِ نفسی کے الفاظ سے رطب اللسان رہتے۔ حضورؒ کی مجلس کا انداز بالکل نرالا تھا۔ حاضرین کی طبع گویا آپؒ کی طبع ہوتی۔ نہایت لطیف ظرافت تھی خود متبسم زیرِ لب ہو کر بات میں ایسی لطافت پیدا فرما دیتے کہ سننے والے ان کلمات سے جہاں خوش ہوتے وہاں حکمت کے موتی بھی رولتے۔ مریدین اور متوسلین و متعلقین کا غم خود حضورؒ کا غم ہوتا تھا۔ اور کسی کی تکلیف سن کر چہرے کے آثار اور ہو جاتے۔ حضورؒ کے دو صاحبزادے حضرت بشیر احمدؒ اور رشید احمدؒ فوت ہو گئے۔ حضرت بشیر احمدؒ کی وفات کے بعد ان کی یادگار ایک صاحبزادہ حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ حضورؒ نے اپنے دامنِ تربیت میں لیا اور ہمیشہ پدرانہ شفقت و محبت سے رکھا۔ حضرت خالد سیف اللہ صاحب حضورؒ کے صاحبزادے ہیں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائے آج ماشاء اللہ جوان ہیں۔ حضورؒ نے ان کی دینی تعلیم کے لئے دنیوی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا تھا اس لئے بی۔ اے تک تعلیم دلائی انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان دیا۔ حضورؒ کی طبع مبارک بیماریوں کی عادی تھی۔ بیماری آتی اور جاتی۔ اس مرتبہ بھی ہم اسی غلط فہمی میں رہے کہ چند روز کی تکلیف ہے چلی جائے گی۔ لیکن یہ بیماری بیماری نہ تھی وصالِ محبوب کا پیغام تھا آئی اور اپنے ساتھ لے گئی۔ اور ہم غم نصیب ایک سال سے حضورؒ کے فراق کی آگ میں جل رہے ہیں اور لطف یہ کہ آنکھوں کا پانی اس آگ کو اور بھڑکاتا ہے۔ حضورؒ کا وصال ۱۹ رجمادی الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۶ راگست ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ اللہ کروڑوں رحمتیں اس مقدس زمین پر نازل فرمائے جہاں حضورؒ کا جسدِ اطہر زائرین کو گلاب کی خوشبو دے رہا ہے۔

انقلاب الحقیقت حضورؒ کے قلم کا شاہکار ہے اور تصوف کی بہترین تعبیرات کا ایک خوبصورت مجموعہ اہلِ دل اور اہلِ ذوق کے لئے ایک بے بہا نعمت ہے، پڑھیں اور اپنے دل کی اصلاح کے لئے اس تحریر کو مربیؒ مشفقؒ بنائیں۔ حضورؒ کی بعض دوسری تصانیف بھی ہیں۔ مثلاً التوحید، طریقت کی حقیقت۔ قرآنی نظریۂ حیات۔ سلوک و مقصد سلوک الہویٰ۔ صراطِ مستقیم۔ حقائق و معارف اور زنبیل عمرؒ۔

یہ سب تحریرات حقائق کے بیان میں اپنی مثال آپ ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ پڑھنے کے بعد محسوس کریں گے کہ پہلے آپ کے اندر ایک کمی تھی۔ اور جب تک کوئی احساس بیدار نہیں ہوتا یہی حالت اس بیداریٔ احساس کے قائم مقام رہتی ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں ہر غفلت سے بچائے اور ہر طرح کی بیداری عطا فرماوے۔ آمین۔

ناچیز

(فضل احمد)

گذارشِ احوال

حضورؒ قبلۂ عالم پیر و مُرشد حضرت خواجہ محمد عمر بیربلوی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوّف کی بڑی خدمت کی۔ زندگی تصوّف کی خدمت میں گزار دی۔ حقائقِ تصوّف کی تعبیرِ جدید میں حضورؒ سے بڑھ کر ہم نے نہ کوئی تحریر پڑھی، نہ کوئی تقریر سُنی۔ اور حضورؒ کو خود اس امر کا احساس تھا اور ہمیشہ خواہش رہی کہ لوگ حضورؒ کی تحریریں پڑھیں اور سمجھیں۔ آپؒ فرماتے کہ لوگ تیرتی نگاہ سے اخبارات کی طرح فن کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ صاحبِ فن بھی اس طرح پُورے معانی اخذ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ طالبِ فن۔ حضورؒ فرماتے "میری تحریریں بار بار پڑھیں تحریریں خود آپ سے ہم کلام ہوں گی اور اپنا مفہوم خود پیش کریں گی۔"

انقلابُ الحقیقت مَیں نے اُس وقت پڑھی جب حضورؒ کی محبت کی چوٹ دِل پر تازہ لگی تھی۔ لفظ لفظ پر آنسو تھے اور فقرہ فقرہ پر گھگھی بندھ جاتی۔ بعد میں حضورؒ کا دیدار ہی اور آپؒ کی گفتار ہی آپؒ کی تحریرات کی قائم مقام رہی۔ آپؒ جو کچھ لکھتے وہ بار بار بیان بھی ہوتا۔ صرف پڑھنے میں تو دیدارِ یارؒ کی کمی بھی رہتی لیکن سُننے میں تو یہ نسبت دو آتشہ ہو جاتی۔ سبحان اللہ!! اب جبکہ حضورؒ کی آوازِ لطیف پردوں میں چلی گئی اور ہمارے کان مادی بندھنوں سے پُوری طرح فارغ نہیں ہوئے۔ اب حضورؒ کی تحریریں آپؒ کی مجلسوں کی قائم مقام ہیں اور حیرانی ہے کہ تحریر میں مجلس کی چاشنی موجود ہے۔ اور دیدار کا لُطف توجن کا مراقبہ اور تصوّر پختہ ہے وہ لے ہی لیتے ہیں۔

> ؎ دِل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار   جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

انقلابُ الحقیقت ختم ہوئی تو حضورؒ کو یہ دِلی شوق تھا کہ اب کے اس کی کتابت و طباعت کی نوعیت پُوری طرح نئے ذوق کے تقاضے اپنے اندر رکھتی ہو۔ لیکن حالات سازگار نہ تھے ادارۂ تصوّف سلسبیل کی ذمہ داریوں سے بھی بصد مشکل عہدہ برآ ہو رہا تھا۔ تاآنکہ ملک محمد امین شرقپوری مرحوم نے کسی بھلے وقت میں اس کا مطالعہ کیا اور بہت محظوظ ہوئے اور کسی مجلس میں مجھے کہا کہ مَیں انقلابُ الحقیقت کے تمام اخراجات برداشت کروں گا۔ اب انقلابُ الحقیقت اپنے جدید حاشیوں سے بھی مزیّن تھی۔ کسی کتاب کے حُسن کو کاتب کا فنِ کمال دوبالا کر دیتا ہے میری نگاہِ انتخاب وقت کے بہترین کاتب قریشی محمد صدیق صاحب المعروف الماس رقم پر پڑی وہ کافی مدت سے مجھے محبت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ الماس رقم صاحب نے کتاب لکھی۔ جب امین شرقپوری کے سامنے کاپیاں مکمل پیش کی گئیں تو اُنہوں نے کتابت کی اُجرت تو ادا کر دی لیکن کاغذ کی مہنگائی سے وہ خائف تھے۔ تاخیر مناسب سمجھی۔ حاشیہ لکھنے اور کتابت میں اتنی دیر لگی تھی کہ حضور پیر و مُرشد رحمتہ اللہ علیہ اس تاخیر پر کچھ

پریشان سے تھے جب میں نے ملک محمد امین صاحب کی ارادی تاخیر کا ذکر کیا تو حضورؒ فرمانے لگے کہ

"اچھا چھپاتے رہنا"

میرا ماتھا وہیں ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے یہ الفاظ کسی بھاری حادثے کی اطلاع دیتے ہیں۔ حکمتِ الٰہی محمد امین صاحب تو کتاب چھپواتے چھپواتے جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور حضور قبلۂ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی وفات کا رنج بھی ہوا اور کتاب کی تاخیر کے لئے بھی آپؒ کچھ پریشان سے ہوئے۔ لیکن بہت ہی قلیل مدت گزرنے پائی تھی کہ قبلۂ عالمؒ جانِ جہانؒ بھی ہمیں داغ جدائی دے گئے۔ یہ سال سارا غم کا سال تھا۔ ہماری آہوں کے دھوئیں ابھی ختم نہیں ہوئے۔ اور دل کے ریزے ابھی جڑے نہیں تاہم حضورؒ کی تمنا کہ انقلاب الحقیقت عمدہ روپ میں آئے۔ اس کے لئے ہم پوری جدوجہد کرتے رہے۔ اب عرس مبارک قریب تھا اور حضورؒ کی روح مبارک کا فیض بھی ادھر متوجہ ہوا۔ اگرچہ مشکلات پہلے کی طرح موجود تھیں لیکن ہمت نے پر پھڑ پھڑائے اور پنجرے کی تیلیاں ٹوٹ گئیں۔ کاغذ ڈھال مل گیا۔ اور باقی طباعت اور جلد وغیرہ کے مراحل بھی بفضلہ تعالیٰ اسی طرح طے ہو گئے۔ تحشیہ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد وغیرہ سے مرکب آسمان کا ایک زیور آپ کے سامنے ہے۔ اس کو اپنے بازو کی زینت بنائیں اور انشاء اللہ یقین ہے کہ فیض کا یہ درِ بے بہا آپ کو خالی نہ چھوڑے گا اور روحانیت کی لطیف لہریں آپ کے طلبگار دل میں داخل کر دیگا۔ روحانیت کا راستہ طلب کی سواری سے اگر طے کیا جائے تو یہ کٹھن منزل آسان ہو جاتی ہے۔

اب آپ انقلاب الحقیقت کے بارے میرے قبلہ و کعبہ پیرومرشد مصنف علیہ الرحمتہ کی اپنے ہاتھ کی تحریر جو اپنی وفات سے چندماہ پہلے آپؒ نے لکھی تھی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

(فضل احمد)

مسجد عمر احمد پارک

موہنی روڈ۔ لاہور

۲ راگست ۶۸ء

بعد جمعہ

انقلابُ الحقیقت کے طبعِ اوّل کے وقت فقر غالب تھا۔ فقر نے ہی جو کچھ لکھوایا، لکھوایا۔ میں خود نہ تھا اور ظاہری حال بھی فقر سے پُر تھا۔ یعنی تنگدستی و تہی دستی۔ ہر طرف قرض ہی قرض تھا اور بیوی کے زیور بیچ کر طباعت کرائی گئی۔

خیال تو تھا کہ اشاعت کے ساتھ ہی مصارف بھی آ جائیں گے کیونکہ حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کے چہلم پر جو کتابچہ[۱] میاں حسن علی نے شائع کیا تھا جس کے کُل صفحات ساٹھ ستر کے قریب تھے وہ ایک ہی مہینہ میں تمام کا تمام نکل گیا۔

اب تازہ تاثرات نہ تھے۔ اہلِ طریقت کو دُنیا جانتی ہے۔ کہ تصوّف کی بنیاد مشاہدہ، محاضرہ اور مکالمہ پہ ہے۔ یعنی مسندِ ارشاد کا دیکھنا دکھانا اور سُننا سُنانا۔ کسی صُورت بھی وہ مُطالعۂ کتب کو مراقبۂ حضورؒ پہ ترجیح نہیں دیتے۔ ان کا وقت مراقبوں میں گزرتا ہے۔ مُطالعہ میں اپنا وقت رائیگاں نہیں کرتے۔ بایں ہمہ متقدمین صوفیائے کرام اور اولیائے عظام پڑھتے تھے پڑھاتے تھے لکھتے تھے لکھاتے تھے بھلا کونسا سالک ہے جو قرآنِ حکیم، حدیثِ پاک، فقہ اور کیفیت تصوّف سے بے نیاز ہو سکتا۔ سینکڑوں کتابیں تصوّف پر صوفیائے کرام نوّر اللہ مرقدہم نے لکھیں اور ہزاروں کا مطالعہ فرمایا۔ وہ مراقب بھی ہوتے تھے اور مطالعہ بھی فرماتے تھے اور درس و تدریس سے بڑھ کر مسندِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر وعظ فرماتے تھے۔

۱؎ حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بعض اور کتابیں بھی لکھی گئیں۔
خزینۂ معرفت - حیاتِ جاوید - آفتاب ولایت - شیر ربانی وغیرہ -

اس صورت میں کتاب کیا فروخت ہوتی چنانچہ میں نے جب انقلاب کے چند نسخے حضرت شاہ صاحبؒ کیلیا نوالے کی خدمت میں پیش کیئے تو فرمایا کہ اگر حضرت میاں صاحبؒ کے حالات ہیں تو ہم اس سے زیادہ جانتے ہیں - اگر کچھ اور ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں -

لیکن مستعد اور صاحب ذوق طبائع جن کا میلان علمی ہوتا ہے وہ ہر صورت گاہ گاہ ذوقِ مطالعہ سے بھی سرشار ہوتے رہتے ہیں - میری کتاب کی قیمت تو وہی تھی جو پہلے دن مجھے پچاس ساٹھ روپے مل گیئے باقی میں نے مفت تقسیم کی بفضلہ تعالیٰ کتاب میں جامعیت وجاذبیت کامل اور ترتیب اعلیٰ تھی - اس لیئے صاحب ذوق اور صاحب علم حضرات نے اسے بہت پسند کیا - اور علمی حلقۂ طریقت میں دستورِ تصوف کے طور پر تسلیم کی گئی -

تین سال بعد حضرت نور الحسن شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں کسی غیر معروف ذریعے سے انقلاب پہنچی تو سرسری مطالعہ سے اُس کی جاذبیت اور جامعیت پر آپؒ کی تیز نگاہیں پہنچ گیئں - مطالعہ کے بعد جو مکتوب آپؒ نے لکھا وہ قریباً چار صفحات کا ہے - جس میں لکھا "میں شکستہ کمر تھا - کتاب پڑھ کر ہمت بندھ گئی" ایسے ہی بہت سے اکابرین کے خطوط موصول ہوئے - ملک محمد امین صاحب شرقپوری بھی اسی زمرہ کے اصحاب میں سے ہیں کہ جن کے دل پر انقلاب کی تحریر کا کامل اثر ہوا - ایک صاحبِ فن ادیب اور مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کو اتنی پسند آئی کہ اکثر اپنی تحریرات میں اس کے اقتباسات اور حوالہ جات دیتے رہتے ہیں -

اب کتاب نایاب ہوگئی - اور اصحابِ ذوق کو اس کی تلاش ہوئی جب ان کو پتہ دیا گیا کہ کتاب ختم ہے تو بعض اصحاب نے نہایت فراخدلی سے اس کی اشاعت کی ذمہ داری پیش کی - لیکن سب سے بڑھ کر ملک محمد امین صاحب مدیر آئینہ وغیرہ نے کہا تمام اخراجات خود برداشت کریں گے - اور طباعت کے بعد تمام نسخہ جات ادارہ کے حوالہ کردیں گے - اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے بدلے اُن کے کاروبار میں برکت ہو - لیکن کتابت کا مرحلہ حاجی فضل احمد صاحب کے ذمہ ڈالا گیا - مولانا نفاست پسند ہیں اور انہیں اس کتاب کے ساتھ گہری دلچسپی ہے اس لیئے اُنہوں نے کتابت کے لیئے الماس رقم کو منتخب کیا جو سینکڑوں کاتبوں کے اُستاد ہیں -

چنانچہ ان کی کثرت کارگزاری کی وجہ سے ڈیڑھ دو برس میں کتابت تکمیل کو پہنچی - اور کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کے بعد اب دفتر آئینہ میں بھیجی جا چکی ہے اور جلد ہاتھوں میں پہنچے گی لیکن جیسا میں اپنے مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ میری تحریرات بغیر توجہ نہیں سمجھی جاتیں - اور اس نکتہ پر بہت کم لوگ پہنچتے ہیں جس نقطۂ نظر سے میں نے لکھا ہوتا ہے - اس لیئے میں درخواست کروں گا کہ میری تحریرات کو بار بار پڑھا جائے - خصوصاً انقلاب کو - یہ بہت بڑی کتاب مسائل سلوک پر ہے اور میاں صاحبؒ کے حالات کے خدوخال دکھانے کے لیئے عوام الناس سے لے کر خواص تک اور تشنہ مزاج لوگوں سے لے کر صاحبِ یقین تک اپنے مطالب اُن کے مزاج کے مطابق انشاء اللہ پیش کرتی رہے گی - طریقت سے ناواقف لوگوں کو طریقت سے

روشناس کرائے گی۔ سالکوں کے لئے رہنمائی کرے گی۔ اور شکیوں کا شک دُور کرے گی اور صاحبِ یقین لوگوں سے خراج تحسین وصول کرے گی۔

طبع ہذا میں اسمائے اماکنہ اور مصطلحات تصوّف کی وضاحت کے لئے ہر صفحہ کے نیچے تعلیقات دے دیئے گئے ہیں۔ تعلیقات مکرّمی حاجی فضل احمد نے وضاحت کے لئے دے دیئے ہیں۔ بعض معلومات مہیّا ہو گئے ہیں۔ لیکن اصل افادیت اور مقصدیت کچھ آپ کی اس وقت پوری ہو گی۔ جبکہ کتاب ہذا کی فہرستیں مکمل ہوں گی۔ پہلی فہرست انقلاب کی حسبِ تحریر۔ دُوسری فہرست ذکر محبوب الواصلین کی جس میں میاں صاحبؒ کے حالات۔ افکار۔ تصرفات۔ عادات۔ انکشافات ایک مجموعی صورت میں لکھے جائیں گے۔ اور تیسری صورت میں مسائل السلوک والتصوّف مکمل طور کتاب ہذا سے دکھانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ فہرستیں حاجی صاحب موصوف ہی تیار کر رہے ہیں ان کا خاتمہ لکھتے وقت ہی ذہن میں تھا۔ کہ ہر پیراگراف کا خلاصہ عنوان کی صُورت میں لکھایا جائے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے تاکہ لوگ تصوّف سے روشناس ہوں۔ آمین!

طالبِ دُعا: محمد عمر کان اللہ لہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ[1] ط

۱ اگرچہ جو کچھ اب میں لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اسرار ہیں! اور اسرار کے ظاہر کرنے کا انجام بھی وہی ہے۔ جو منصور[2] علیہ الرحمۃ کا ہوا۔ تاہم آیۂ شریفہ کو مدِّنظر رکھ کر اپنے مکرم[3] بزرگ دوست اور مہربان کا ارشاد بجا لاؤں گا تو شاید میرے لئے یہ ہی وسیلہ نجات ہو اور کسی دوست کو اس سے فائدہ پہنچ جاوے۔

ھو المستعان[4] و علیہ التکلان و بہٖ نستعین

۲ خوشتر[5] آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

۳ سَنُرِیۡهِمۡ[6] اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ

اَلَاۤ[7] اِنَّهُمۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ○

---

[1] اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کرو۔

[2] منصور حلاج علیہ الرحمۃ سابقین اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ جذب و مستی کی انتہا میں پہنچ کر انا الحق کہہ دیا۔ علمائے وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا اور حکومتِ وقت نے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

[3] حضرت صوفی محمد ابراہیم صاحبؒ قصوری، مصنف "خزینۂ معرفت"

[4] وہی (اللہ تعالیٰ) مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور اسی ہی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔

[5] بہتر یہی ہے کہ دوستوں کی راز کی باتیں، دوسروں کی باتیں کہہ کر بیان کی جائیں۔

[6] عنقریب ہم اُن کو جہان میں اپنی آیات دکھلائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں (بھی دکھلائیں گے) یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے کہ وہی حق ہے۔ اور تیرے لیے اتنا کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

[7] آگاہ رہو کہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سلسلے میں شک میں ہیں اور آگاہ رہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر ایک چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہے۔

چونکہ مضمون کا تعلق اور بیان اسی آیت شریفہ سے ہے۔ اس لئے تبرکاً اسے لکھ دیا گیا ہے۔

۴ بارگاہ الٰہی سے استدعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کے سچے تابعداروں کی برکت سے نفس کے شرور اور دھوکوں سے مجھے محفوظ رکھے تاکہ جو کچھ قلم لکھے۔ وہ پاک دل پاک ارادہ پاک خیال سے لکھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ[۱] مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِیْ

وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

۵ وصلی اللہ[۲] علیٰ نورِ کزو شد نورہا پیدا — زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

۶ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات بابرکات نے ہر ایک چیز کی تربیت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ کیا انسان اور کیا حیوان اور کیا نباتات سب اس ذرہ نوازی سے سرفراز۔

مؤلف کی اپنی کہانی

۷ جب اس نے مجھے ظاہری علوم ضروریہ سے فارغ کر لیا۔ اور کالج کی ملازمت سے سیر کر دیا۔ تو میری باطنی اور دینی علوم کے حصول کی نوبت آئی۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح اس رخ

---

[۱] میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

[۲] اور اللہ تعالیٰ کا درود اس نورِ مجسم پر ہو جس سے نور پیدا ہوئے۔ زمین اس کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان اس کے عشق میں سرگرداں۔

سے بدل کر مجھے اِس رُخ لے آئے۔

اساتذہ

۸ کالج[1] کی ملازمت میں ہی مجھے ٹریننگ کالج میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے جانا پڑا۔ خوش قسمتی سے کالج کے پروفیسر قاضی ضیاء الدین[2] صاحب ایم۔اے مرحوم جو نہایت شریف النفس اور صُوفی آدمی تھے۔حضرت میروی[3] علیہ رحمۃ اور خاندان للّٰہی[4] علیہ الرحمۃ سے باطنی تعلقات رکھتے تھے! ور دینیات کی سند دیوبند کی رکھتے تھے۔گویا وہ ظاہری عالموں اور باطنی صوفیوں کی درمیانی کڑی تھے۔ ان کے ایماسے" ترجمۃ القرآن المجید" کے لئے مولانا حاجی احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور چھ ماہ کے عرصہ میں مجھے اتنی مہارت ہوگئی کہ بلاتردّد مطالبِ قرآنی ذہن میں آنے لگے۔ فللّٰہ[5] الحمد حمداً کثیرا۔

۹ واقعات کے تبدل و تغیر نے بلا تکلیف اور بلا تکلّف مجھے ملازمت سے الگ کر لیا اور گھر میں رہنے لگا۔آباؤ اجداد[6] علیہم الرحمۃ کا پیشہ علم و فقر ہی ہو چکا تھا۔علوم مشرقیہ کے علمی امتحانات کی سندیں لینے کے بعد گو مجھے اہل علم میں بیٹھنے سے جھجک نہ رہی۔لیکن مَیں خوب جانتا ہوں۔کہ آبائی ورثہ سے مجھے بہت ہی کم حصّہ ملا۔تاہم شکر۔

۱۰ مگر باطنی ورثہ[7] سے ابھی تک بالکلیہ محروم تھا۔تاہم مرشد زادوں کی طرح سلسلہ بعیت جاری ہو گیا۔اور مخلصین بزرگوں کی جماعت میں آنے جانے لگا لیکن اپنی کمی خوب محسوس تھی۔تا اینکہ مرشد کا داعیہ[8] بھی پیدا ہو گیا۔

متواتر دو اڑھائی سال شب و روز یہ جذبہ ترقی کرتا گیا۔اور اپنی محرومی پر کبھی کبھی سخت

---

[1] کالج (۱۹۱۳-۱۹۱۹ء) مراد اسلامیہ کالج پشاور۔ [2] قاضی صاحب مرحوم ایم۔اے، حکیم مولوی احمد الدین صاحب کے صاحبزادے تھے چکوال ضلع جہلم کے علمی خاندان کے ایک عظیم فرد تھے [3] میرا شریف ضلع کیمبل پور سے نسبت ہے جہاں حضرت مولینا خواجہ احمد صاحبؒ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس آخری دور میں بڑے کامل ولی اللہ گزرے ہیں وفات ۵ محرم ۱۳۲۹ھ - [4] للّٰہ شریف سے نسبت ہے جہاں ایک مردِ کامل اکمل حضرت غلام نبی للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو للّٰہی خانوادۂ فقر کے مورثِ اعلیٰ اور حضرت اعلیٰ حضرت مرشدنا غلام مرتضےٰ بیربلوی کے پیر و مرشد تھے (وفات ۱۱ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ) [5] پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہر قسم کی زیادہ سے زیادہ تعریفیں ہیں [6] اگرچہ اس اعلیٰ خاندان کے اکثر افراد علم و معرفت میں اپنے وقت میں مشہور ہوئے ہیں - لیکن حضرت مرشدنا غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ تو علوم ظاہرہ و باطنہ کے بحرِ ذخار تھے۔ [7] باطنی ورثہ سے مراد حقائق فقر و تصوف ہے جو حضرت قبلہ عالم (مصنف) دام ظلہٗ کے آبا و اجداد کی خاص دولت تھی (محشی) [8] داعیہ : خواہش -

مایوسی ہو جاتی تھی۔ تاہم دعا اور التجا[۱] کا پہلو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ بعض اوقات جب میں الگ بیٹھتا تو یہی خیال مجھے گھنٹوں گردش دیتا رہتا تھا۔ کہ اللہ العالمین کب مجھ جیسے تشکی طبیعت[۲] کو اطمینان نصیب فرماویں گے۔

ساتھ ہی مَیں نے جستجو اور تلاش بھی شروع کر دی۔ کئی ایک بزرگوں کی زیارت اور نیاز صرف اسی غرض سے حاصل کی۔ جو اپنے فن میں باکمال تھے۔ احباب سے بھی دریافت کیا جو اس فن میں مدعی تھے۔ اپنے سلسلہ[۳] کے بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ کہ شاید دامن مقصود گوہر سے بھر جائے۔

لیکن شہباز طریقت سرتاج عرفان وحقیقت حضرت قبلہ جد امجد حضرت مولانا و مرشدنا حافظ غلام مرتضےٰ[۴] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف تھا۔ گو ابھی میرا سن شباب پندرہ سال کا ہی ہو گا کہ آپؒ کا وصال ہو گیا تھا تاہم آپ کے اخلاق وعادات نشست و برخاست اور حال وقال کا دل پر گہرا اثر تھا۔ اور عالم وصوفی جانچنے کے لئے ہر وقت وہ تصویر اور نقشہ اور ترازو موجود تھا۔ گو کہ آپ کی ذاتِ بابرکات دنیا میں مشہور نہیں لیکن اس ہستیٔ علم کے برابر مَیں نے ابھی تک کسی ایک کو بھی متبحر نہ پایا۔ شاید بعض کے دلوں میں شک پیدا ہو جاوے کہ جس نے سمندر نہ دیکھا۔ وہ ایک حوض کو بھی سمندر جانتا ہے نہیں بلکہ مجھے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام کی شاگردی اور تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اور بہت سے بزرگانِ علم سے نیاز خاص رکھتا ہوں۔ میرے اساتذہ میں سے مولانا عبد اللہ[۵] ٹونکی مرحوم اور مولانا حافظ[۶]

۱۔ جب کوئی تمنا صحیح معنوں میں پیدا ہو جائے تو اس کے لیے دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔

۲۔ جتنا علم میں مرتبہ زیادہ ہو گا اتنا ہی طبیعت میں شکوک زیادہ ہوں گے کیونکہ نِرا علم شک ہی ہے۔

۳۔ اس سے مراد للہی خاندان ہے کیونکہ حضرتِ اعلےٰ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کا پیر خانہ یہی ہے۔

۴۔ حضرت غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کامل ولی اللہ اور متبحر عالم تھے۔ کتاب انوار مرتضوی آپؒ کی مختصر سی سوانح عمری ہے۔ (وفات ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ)

۵۔ مولانا عبد اللہ ٹونکی اورینٹل کالج کے پروفیسر تھے اور ہمارے قبلہ وکعبہ دام ظلہٗ نے اورینٹل کالج ہی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۶۔ حافظ نذیر احمد صاحب سے مراد شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مصنف کتبِ کثیرہ و ترجمۃ القرآن ہے۔

نذیر احمد صاحب مرحوم جیسے منطقی اور ادیب اور فخر العلماء جناب مولینا کفایت اللہ صاحب[1]
جیسے محدّث بھی ہیں۔ اکثر پروفیسران علوم شرقیہ سے مجھے نیاز حاصل ہے۔ لیکن وہ ذات بابرکات
کچھ اور ہی تھی۔ وہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کی اور آپ کی علمی مجلسوں
میں شامل ہوئے اور پھر دوسرے ائمہ فن کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا علمی و عملی مقابلہ کرتے
رہے۔ صوفیائے کرام میں عالم بھی ہیں اور عامل بھی۔ کسی سے مجھے انکار نہیں۔ اور ہر ایک سے
نیاز و عقیدت بھی ہے۔ لیکن ان کے برابر کسی کو کہنا گناہِ عظیم جانتا ہوں[2]۔

۱۳ اس پر میں نے اکتفا نہ کی کہ بزرگانِ نقشبندیہ[3] تک ہی تلاش محدود ہو بلکہ خاندان چشتیہ[4]
اور قادریہ[5] رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حضرات اور شیوخ کی زیارات بابرکات سے بھی شرف اندوز
ہوا کہ شاید طبیعت کا میلان ادھر قائم ہو جائے۔ اور کوئی کریم النفس اس روسیاہ کو اپنی غلامی
کے حلقہ میں لے لے۔ لیکن سوائے حرمان کے کچھ نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ اس عالی فطرت انسان جیسا کوئی
مماثل[6] اور نظر نہ آیا۔

۱۴ آخر عرس مجدد علیہ الرحمۃ پر حاضری کا ارادہ صرف اسی غرض سے کیا کہ صوفیوں کے مجمع
میں کوئی ایسا شہباز ہو گا۔ جو مجھے شکار کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اور میری یہ پریشانی و ترّدد جاتا
رہے گا۔ چنانچہ قصور شریف کے مزارات[7] پر انوار اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک
پر بھی التجا رہی۔ روضہ کے آخری فاتحہ پر میرے آنسو گر رہے تھے۔ اور میری زبان اور دل یہی
کہتا ہوا باہر نکلا۔ کہ الٰہ العالمین اپنے اس اولیائے مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے

---

[1] مولینا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث تھے۔
[2] فرق مراتب ضروریاتِ عقلی اور دینی میں سے ہے۔
[3] نقشبندیہ۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندانِ تصوف ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی نسبت میں تربیت سالکان فرمائی۔ وفات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ
[4] چشتیہ۔ حضرت خواجہ احمد ابدالؒ ساکن چشت (المتوفی سنہ ۳۵۵ھ) سے یہ سلسلۂ فقر شروع ہوا۔
[5] قادریہ۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندانِ تصوف ہے۔
[6] مماثل۔ مانند، اس سے مراد حضرت غلام مرتضٰے بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
[7] قصور شریف کے مزارات سے مراد حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۲ ذیقعد ۱۲۷۰ھ) اور حضورؒ کے صاحبزادہ عبد الرسول رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱ محرم ۱۲۹۴ھ) جو کامل ولی اللہ تھے۔ خواجہ غلام محی الدین قصوریؒ حضرت غلام نبی للّٰہیؒ کے پیر و مرشد تھے۔

ایسا رہبر بخش جس پر میری تمام ارادتوں[1] کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور میری طمانیت کا باعث ہو۔
۱۵ ایک طرف یہ حالت تھی۔ اور دوسری طرف میری نگاہیں تلاش میں تھیں۔ کئی ایک بزرگوں کی مجھ پر خاص طور پر نظر الفت بھی تھی! اور مجھے اُن سے نیاز بھی تھا۔ لیکن اُن کے حسن و جمال میں وہ ادا نہ تھی۔ جو مجھ جیسے فلسفی یا شکی طبیعت کو شکار کر سکتی حتیٰ کہ بعض بزرگوں سے مؤدبانہ طریقہ سے مَیں نے یہ بھی عرض کر دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ملتا جو صاحب حال و قال[2] یکجا ہو۔ جتنے دیکھنے میں آئے یا صاحب قال ہیں یا صاحبِ حال۔ جواباً فرمایا۔ کہ ایسی نسبت[3] عنقا ہے۔ اب تو کسی کے پاس بیٹھنے سے کچھ فائدہ باطنی ہو جائے تو نعمت ہے۔ لیکن اس جواب نے مجھے کوئی تشفی نہ بخشی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ آتش اشتیاق بھڑک اٹھی۔ کیونکہ مَیں نے حضرت قبلہ جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا کہ وہ ایک طرف عالم متبحّر تھے اور تصوف کے باریک سے باریک مسائل کو معمولی اور آسان الفاظ میں ذہن نشین کرا دیتے۔ تو دوسری طرف آپ کی ایک ہی نظر مردہ[4] دلوں کو زندہ کر دیتی تھی۔ ایک طرف وہ سنت کے پورے پیرو اور عاشق تھے۔ تو دوسری طرف خرق[5] و کرامات کا سرچشمہ۔ عالم جاہل یکساں آپ سے فیض اٹھاتے۔ اور علمیت[6] و جہلیت کی پیروی دونوں سے اُٹھ جاتی۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مجالس کی طرح کہ ہر صغیر و کبیر ادنےٰ و اعلےٰ فیض یاب ہوتے تھے۔ کسی خاص خطاب کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق لوگ مطالب و معانی سے لبریز ہوتے۔ جو نگاہ ایک جاہل کے مسحور[7] کرنے کے لئے تھی۔ وہی ایک عالم کے شیدائی

---

[1] ارادت بمعنی عقیدت اور مرید کا لفظ اسی ارادت سے مشتق ہے۔
[2] حال و قال :۔ حال : نسبت باطن جب کسی سالک پر ظاہر ہو جائے تو اس ظہور کو حال کہتے ہیں اور جس پر ظاہر ہو، وہ صاحبِ حال کہلاتا ہے۔ قال : نسبتِ باطن کا صرف علمی بیان قال کہلاتا ہے۔ قال کے معنی بات چیت اور بیان، اور باطنی اسرار کے متعلق علمی بیان کرنے والا صاحب قال کہلاتا ہے۔
[3] نسبت : تعلق کو کہتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں وہ باطنی تعلق باللہ ہے جو تمام احوال و کیفیات میں جان اور روح کی صورت قائم رہتا ہے۔
[4] مردہ دل سے مراد یادِ خدا سے غافل اور غفلت کی انتہائی زد میں آیا ہوا کوئی محروم انسان ہے۔
[5] خرق : خرق کے لفظی معنی پھاڑنے کے ہیں۔ یہاں مراد عادت کے خلاف ظہور میں آنا۔
[6] علم کا تکبّر نہیں رہتا تھا اور جہالت کی بے ادبیاں بھی نہ رہتیں۔
[7] مسحور : جس پر جادو کیا گیا ہو۔ سحر کے معنی جادو کے ہیں یہاں مراد ہے پوری طرح متأثر ہونے والا۔

کرنے کو کافی تھی۔ سلف[۱] صالحین کا طریقہ تھا۔ بناوٹ اور تکلف کو اس میں دخل نہ تھا۔ دیکھ کر خدائے ذوالجلال[۲] یاد آجاتا تھا۔ ادب کی وجہ سے بے حس و حرکت تمام دکھائی دیتے تھے۔

۱۶ کسی دوست کو یہ وہم نہ اُٹھے کہ جتنے سلاسل[۳] کے بزرگ ہیں وہ اِن اوصاف سے بالکلیہ خالی تھے۔ معاذ اللہ خالی نہیں اپنی اپنی جگہ سب اچھے اور اپنے اپنے اخلاص مندوں کے لئے وہی آفتاب و مہتاب ہیں۔ لیکن ایک ایسی طبیعت کے لئے جس نے بچپن کی پرورش ایک صوفی کامل کے زیر سایہ پائی ہو۔ تعلیم و تعلم انگریزی کالجوں میں کی ہو۔ اور اس کی بود و باش دہریت[۴] و فلسفیت کی فضا میں رہی ہو۔ جس کے دوست شیعہ۔ وہابی۔ نیچری[۵] وغیرہ رہے ہوں بھلا اس کی طبیعت کیونکر ظاہری نمود پر جم جائے۔ جب تک وہ ٹھوس نہ دیکھ لے اور نمود سے بڑھ کر اندر کی حقیقت نہ دیکھ پائے۔ جہاں کہیں ذرا خامی دیکھی بھاگ اُٹھی۔

۱۷ کسی زمانہ میں حضرت عبدالخالق[۶] صاحب کی لاہور میں زیارت ہوئی تھی جب کہ آپ بیمار تھے۔ اور معالجہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ میں اجنبی تھا۔ دُور سے سلام عرض کر کے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ صورت سیرت[۷] سلف صالحین کی طرح تھی۔ اور پرانے بزرگوں کی بُو آتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب دُور سے سلام و نیاز کر کے رخصت ہونے لگا۔ تو آپ نے مصافحہ کے لئے دونوں ہاتھ بڑھا دئے۔ میں مجبوراً آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر میرے سینہ پر پھیرا۔ اور ایک طویل دُعا دست اٹھا کر التجا نکال کر فرمائی۔ اور مجھے ذکر و فکر میں رہنے کی تاکید فرمائی۔ "کہ روز[۸] چند است عاقبت با خداوند ہے" اس کے علاوہ آپ نے مجھ سے

ع۱ سلف، صالحین۔ سلف کے معنی گذشتہ بزرگ۔ یہ خلف کی ضد ہے اور خلف کے معنی بیٹا۔ صالحین صالح کی جمع ہے مراد نیک لوگ۔
ع۲ ذوالجلال۔ بزرگی والا (اللہ تعالیٰ) ع۳ سلاسل جمع سلسلہ اور سلسلہ کے معنی زنجیر، یہاں مراد خدا کو ڈھونڈنے اور پانے کے وہ سلسلے جو بعض خاص خاص بزرگوں کی نسبت سے منسوب ہو گئے۔ مثلاً سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ۔ ع۴ دہریت۔ دہریہ ہونا، یعنی خدائے وحدہٗ لاشریک کو نہ ماننا اور زمانے کو قدیم ماننا اور ہر قسم کے تغیرات دہر (زمانہ) سے منسوب کرنا۔ فلسفیت یعنی عقلی دلائل ہی سے ہر چیز کو سمجھنا اور ما فوق الادراک اشیاء مثلاً جنات۔ ملائکہ اور عالم امر وغیرہ کا انکار کرنا۔ ع۵ نیچری۔ دہریہ قسم کے لوگ —!
ع۶ حضرت عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ، ساکن بستی جہان خیلاں ضلع ہوشیار پور، نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔
ع۷ سیرت۔ اخلاق و عادات، اور اس لفظ سے مراد تمام زندگی اور زندگی کا کردار ہے۔
ع۸ چند دن کی زندگی ہے پھر اللہ تعالیٰ کے پاس رہنا ہے۔

کچھ دریافت نہ فرمایا۔ اور یہی میری غرض تھی۔ اُن کی صورت و سیرت کا نقشہ آنکھوں میں رہتا تھا۔ اور دل میں خلش تھی۔ عرس[1] کے موقعہ آپ بھی بتیم خانہ عبد الحلیم[2] صاحب میں اقامت پذیر تھے۔ ایک دو بار نیاز کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ آپ کے گرد اگرد اُمراء اور رؤساء کا جمگھٹا تھا۔ اور اپنے مدرسہ خالقیہ کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک دو اور بزرگ بھی ایسے تھے۔ جن کی صورت نے میرے دل پر اثر کیا۔ اور مجلس کے لئے دل میں کشش ہوگئی۔ مگر آخر کار روضہ اقدس سے مایوسانہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ[3] اور حضرت نظام الدین[4] اولیاء و حضرت خواجہ قطب الدین[5] بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مزارات پر حاضر ہوا۔ دل سوز دعائیں دل سے نکلتیں۔ لیکن ساتھ ہی اپنی نامرادی پر ہزار ہا حسرتیں دل سے اٹھتیں اور بیٹھتیں۔

دہلی کا سفر

شاہ ابوالخیر کا ذکر

واپسی پر امرتسر اپنے مکرم دوست مولینا الکل فاضل بے بدل مولوی محمد عالم[6] صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے حرمان کا تمام قصہ کہہ سنایا۔ مولانا صاحب شاہ ابو الخیر[7] شاہ صاحب دہلوی رح کے عقیدت مندوں سے تھے۔ مجھے بھی حضرت شاہ صاحب رح کی زیارت دو بار نصیب ہوئی تھی۔ اور میرے جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی بہت تعریف و توصیف فرمایا کرتے۔ اور اپنے دوردست احباب کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ارشاد فرماتے —— اور اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ سے آپ کا ذکر فرماتے ہیں۔ "گویا آیت من آیات اللہ" آپ نہایت ہی قوی النسبت[8] تھے۔ آپ کا وصال بھی ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کی زندگی میں متردد رہا۔ کیونکہ آپ میں استغناء[9] زیادہ تھی۔ اور محویت[10] تامہ۔ ارشاد[11] و رشد کا دروازہ گو بہت وسیع تھا۔ مگر صرف خوش قسمت لوگ ہی داخل ہو سکتے۔ ہر کہ و مہ[12] کی کیا مجال کہ اندر دیکھ بھی سکے۔ محنت و

۱۸ مولانا محمد عالم آسی امرتسری

ے۱ عرس سے مراد حضرت مجدد الف ثانی رض سرہندی کا عرس ہے ٢ عبد الحلیم صاحب بستی سرہند کے ایک بہت بڑے متمول آدمی تھے ٣ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں حضرت مجدد الف ثانی رح کے پیر و مرشد۔ دہلی میں آپ کا مزار پُر انوار ہے ٤ حضرت خواجہ نظام الدین رح چشتی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ، جن سے سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ نظامی چلتی ہے۔ آپ حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر رح کے مرید ہیں اور نظامی سلسلہ کے بانی ہیں یہ سلسلہ آپکے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رح سے شروع ہوتا ہے ٥ حضرت بختیار کاکی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح کے خلیفہ ہیں اور حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر رح کے پیر و مرشد ٦ مولینا محمد عالم آسی رح ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے امرتسر میں عمر گزار دی بہت بڑے عالم تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ٧ شاہ ابو الخیر دہلوی رح زمانہ حاضرہ کے بہت بڑے بزرگ تھے نقشبندی سلسلہ تھا صاحب جلال تھے خانقاہ حضرت باقی باللہ رح میں قیام تھا عوام سے نزلتے تھے حضرت اعلیٰ بریلوی رح نے ان کے متعلق فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں" ٨ قوی النسبت، وہ ہادی طریقت جس کی نسبت باطنی طاقتور ہو۔ اور نسبت باطنی جتنی زیادہ طاقتور ہوگی اتنی زیادہ اثر انداز ہوگی۔ ٩ اس سے مراد بے نیازی ہے ١٠ کامل طور پر خیال کا یکسو ہو جانا ١١ باطنی صفائی کی طرف رہنمائی کرنا ١٢ چھوٹا بڑا، مراد عوام سے ہے۔

ریاضت پر آپکی توجہ تھی، مجاہداتِ شاقہ کرانے کے عادی ، میرے وجود میں نہ اتنی طاقت تھی اور نہ ہی میں اس کا خوگر۔ لیکن اس وقت تو مجھے یہ رونا تھا۔ کہ کیوں نہ میں نے دست بوسی کی۔ کہ اور نہیں تو قیامت میں اُن کے غلاموں کے زمرہ میں تو ہوتا۔ اور کیا یہی کچھ کم تھا۔ ؎ کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں

۱۹ حضرت قبلہ مولٰنا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری کا ذکر اور آپ کے حالات ایام اقامت لاہور میں بھی عوام سے سُنے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں بھی آپ کا چرچا تھا۔ بلکہ عرس مجدّد[1] علیہ الرحمۃ پر بعض علماء سے تکرار بھی میری ہوئی کہ وہ صاحبِ حال[2] اور صاحبِ برکت زمانہ حاضرہ میں سُنتا ہوں۔ لیکن علمائے کرام میں سے بعض افراد کچھ ایسے ضدی واقع ہوئے کہ جہاں کہیں اڑ گئے صحیح کو غلط اور خطا کو صواب[3]۔ نیکی کو بدی اور برائی کو بھلائی بنا دکھاتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس علمی شبہ میں ایمان کیوں بہاتے ہیں۔ چنانچہ ایک لکھّے پڑھے جہاندیدہ واعظ صاحب نے بدیں الفاظ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کہ وہ سنّت کے تابع نہیں۔ آتے جانے والوں سے سلام و مصافحہ نہیں کرتے بھلا ایسے لوگوں میں برکت کہاں! اور ایسے لوگ صاحبِ اثر کہاں۔ گو میں نے حضرت مرحوم و مغفور کی زیارت نہیں کی ہوئی تھی۔ لیکن آپ کے فیضان[4] اور آپ کے عرفان[5] کا متواترات[6] کی وجہ سے قائل تھا۔ میں نے ہر چند ان سے کہا کہ ان دونوں صفات میں تلازم[7] نہیں۔ اور نہ ہی ایک ہیں مگر وہ ایک ہونے پر ہی زور دیتے گئے اور احباب بھی اُن کے تھے۔ وہ اس تکرار کی حقیقت کو جانتے بھی تھے۔ اور ان دونوں صفات کے الگ ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔ لیکن دل لگی کی وجہ سے خاموش تھے۔ آخر میں نے اُن سے معذرت کی۔ کہ جب آپ کی علمیت میں اتنی تمیز نہیں تو

---

[1] شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے۔ آپ سلسلہ مجددیہ کے بانی ہیں۔ حضورؒ کا مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔ آپؒ کا سلسلہ ہند و پاک، افغانستان، ایران وغیرہ میں خوب پھلا پھولا اور آپؒ کے مکتوبات سلوک و تصوف کی بہترین کتاب ہے۔ حضورؒ کی تاریخ وفات ۲۷ صفر ۱۰۳۴ھ سرہند شریف میں روضہ مبارک ہے۔ آپ کے مفصل حالات روضۃ قیومیہ میں دیکھئے۔

[2] حال: علم کی حقیقت اور تاثیرات: ذکر کی تاثیریں جب کسی ذاکر میں نفوذ کرتی ہیں تو اس کے اندر ایک نہایت مؤثر قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل فقر کے نزدیک وہی حال ہے۔

[3] صواب: صائب۔ صحیح

[4] برکات و تاثیرات اور حال سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا۔

[5] معرفت الٰہی: کسی سالک کا مقصود اور فقر کی انتہا ہے اور غیر محدود ذات کا عرفان۔ سالک کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔

[6] مسلسل خبریں پہنچنا

[7] ایک چیز کا دوسری کے لیے ضروری ہونا۔

جو چاہیئے سو کہیئے۔

۲۰ اَب میں نے جو مولانا کی خدمت میں رونا رویا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھے اچھے لوگ گذر رہے ہیں۔ قُویٰ تو ضعیف ہو چکے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ مجھ جیسے اور تم جیسے سے ہونا محال ہے لیکن اس وقت ایک مرد کی زیارت غنیمت ہے۔ میں نے چند آدمیوں کو حضرت مولانا میاں صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا جو تصوّف کے منکر تھے اور جو اس کو مکر و فریب جانتے تھے۔ لیکن واپس آئے۔ تو مسلمان ہو کر آئے۔ نماز روزہ کے پابند ہو گئے۔ سنت کے پیرو ہیں۔ اور دنیا سے پژمردہ دل۔ سو ضرور جاتے ہوئے اُن کی زیارت کرتے جانا۔ شاید طبیعت بیٹھ جائے۔ موجودہ وقت میں آپ کا وجود غنیمت ہے۔ کسی دن اس کے لئے بھی روئیں گے۔ اور اسے بھی ڈھونڈیں گے۔ بخدا آپ نے سچ فرمایا تھا۔ آج اس پاک وجود کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے قرب میں جگہ دیوے۔

میاں صاحب کی تاثیر

۲۱ لاہور میں ایک بزرگ سجادہ نشین صاحب عرس سے واپس آتے ہوئے قیام پذیر تھے اور میرے بزرگوں کے سلسلہ کے مرشد زادوں سے تھے۔ آپ کے ہمراہ اپنے جدّ امجد علیہم الرحمۃ کے کئی ایک خلفا بھی تھے مجھے بھی آپ سے ارادت تھی۔ شرقپور شریف کے ارادہ سے جب چلنے لگا۔ تو ایک دوست نے معلوم کر کے مجھے فرمایا۔ کہ ارادت سے آپ کا دامن پکڑ لو آپ غوثِ وقت ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ تم اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گے۔ لیکن میں نے کہا۔ "زیارت بزرگاں کفارتِ گناہ" کے لئے جانا کیا عیب ہے۔ مگر دل اس حقیقت سے نا آشنا نہ تھا کہ شیخ

۱؎ حضرت مولانا محمد عالم آسی موضع راگھو سیداں ضلع گوجرانوالہ میں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے، مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولوی عالم مولوی فاضل۔ حکیم حاذق۔ زبدۃ الحکماء۔ ادیب فاضل اور مختار عدالت (وکالت) وغیرہ کے امتحانات پاس کیے۔ آپ حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کے مرید خلیفہ ہیں، پچاس سے زائد کتابیں یادگار چھوڑیں ۱۳۶۳ھ میں بمقام امرتسر واصل بحق ہو کر مدفون ہوئے ۲؎ دنیا سے پژمردگی ہی اصل اسلام ہے اور یہی فقر کی حقیقی نسبت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ یَا عَبْدَ اللّٰہِ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ "اے عبداللہ (ابن عمرؓ) دنیا میں ایسے رہو گویا تم بے کس ہو یا کوئی سفر طے کر رہے ہو ۳؎ خدا کی قسم ۴؎ حضرت صاحبزادہ مقبول الرسول صاحب رابع سجادہ نشین اللہ شریف۔ اب اللہ شریف کی خانقاہ کے سجادہ نشین آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت مطلوب الرسول ہیں ۵؎ عقیدت اور محبت اس سے مرید اسم فاعل ہے یعنی صاحب ارادت۔ ۶؎ اولیاء اللہ کے درجات میں ایک بہت ہی بلند درجہ ہے ۷؎ بزرگوں کی زیارت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں ۸؎ وہ مردِ کامل جو ذاتی استعداد اور مجاہدات سے ولایت کے مرتبہ پر پہنچا ہو۔

اور سجادہ نشین[1] میں کتنا بڑا فرق ہے۔ شیخ کی ذات بابرکات ابتدا سے انتہا تک کٹھالی سے نکلی ہوتی ہے اور اپنے ذاتی نور سے دنیا کو روشن کرتی ہے۔ بخلاف سجادہ نشین کہ وہ اصل کا ظل (سایہ) ہوتا ہے۔ گو شیخ سے بڑھ کر ہی افادہ[2] و استفادہ اس سے ہو۔ مجھے اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ اپنے آبائی اجدادی سلسلہ میں منسلک ہونا آبائی ورثہ کے حصول کے لئے بہت بڑی کامیابی کا باعث ہے۔ اور دین دنیا کا سرمایہ اور افتخار۔ مگر ایک تیز طبیعت انسان کی طبیعت ان امور سے سیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی تشنگی کے لئے آبِ حیات کا قطرہ ہی کام آئے گا۔

۲۲ طبیعت میں فطرتی میلان قومیت[3] کی طرف تھا۔ اور اخبارات کے مطالعہ نے اس میلان کو جذبہ[4] کی صورت میں نمایاں کر دیا۔ پھر خلافت[5] پراپیگنڈا نے اس جذبہ کو عملی صورت دے دی تھی۔ اور ترجمۃ[6] القرآن نے اسے مذہبی جامہ پہنا دیا تھا۔ گو میں آج تک کسی امر میں متشدد (پکا) واقع نہیں ہوا۔ تاہم میرا لباس تبدیل ہو چکا تھا اور وہ بھی کھدر کا اور دیسی۔ اڈے پر پہنچا تو دو نورانی صورتیں نظر آئیں۔ میں نے دل میں تاڑ لیا کہ حضرت میاں[7] صاحبؒ کے ہاں جانے والے ہیں۔ اگرچہ منشی چراغ دین صاحب میرے پہلے واقف تھے۔ لیکن اس وقت نہ میں ان کو پہچان سکا اور نہ وہ مجھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند میرا نشان و پتہ دریافت کیا۔ لیکن حسبِ عادت میں نے باوجود اصرار کے انہیں ٹال دیا کہ آپ کو اس دریافت سے کیا فائدہ۔ انہوں نے کئی بار مجھے غور سے دیکھا۔ لیکن میں آنکھیں ان سے نہ ملاتا تھا۔ مجھے تنگ سی جگہ موٹر میں ملی تھی۔ آخر انہیں میری حالت پر رحم بھی آ گیا۔ اور نشست کی تبدیلی کے لئے اصرار کیا۔ لیکن میں اپنی ضد پر ہی اڑا رہا۔

ع۱ وہ بزرگ جو اپنے اسلاف کی گدی پر بیٹھنے سے ان کی نسبت کا عکس اپنے اندر رکھتا ہو ع۲ فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا۔

ع۳ سیاسی اعتبار سے مسلم قومیت کے بقا و وقار کو چاہتا تھا۔

ع۴ علم جب پوری تاثیر کر لیتا ہے تو جذبات (رحم و غصہ وغیرہ) کو متاثر کرتا ہے۔ اور وہ خود ایک جذبہ بن جاتا ہے۔

ع۵ پہلی جنگِ عظیم میں ترک انگریزوں کے خلاف تھے۔ ہندوستانی مسلمان قلباً ترکوں کے حامی تھے۔ انہوں نے ترکوں کی امداد کے لیے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام خلافت کمیٹی رکھا گیا۔

ع۶ یعنی ترجمۃ القرآن ایک ایسے عالم سے پڑھا تھا۔ جو سیاسیات میں عملاً شامل تھے۔ اس لیے یہی سیاسی کوششیں عین مذہب نظر آنے لگیں۔

ع۷ حضرتِ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے والے صورتوں اور لباس سے پہچانے جاتے تھے۔

۲۳ منشی صاحب عشقیہ اشعار حافظ[1] وغیرہ کے پُرنم آنکھوں اور درد سے گاہ بگاہ پڑھتے اور ان کا اشتیاق سے بھرا چہرا اپنی مستانہ ادا سے طبیعت کو کھائے جاتا تھا۔ کئی بار مجھے خیال آیا کہ کاش مجھے کسی سے تعلق ہوتا۔ اور میری بھی یہ حالت پیدا ہوتی۔ لیکن وہمی طبیعت کو یقین ہو چکا تھا۔ کہ یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور آہ آیت لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ[2] کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تھی۔ سُبحان اللہ۔

بہ نا اُمیدی[3] ازیں در مَرو بزن فالے   بُوَد کہ قرعۂ دولت بنام ما افتد

۲۴ مکان شریف[4] (بیٹھک) کے دروازہ تک تو مَیں اِن دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ لیکن دروازہ میں داخل ہوتے ہی وہ بالاخانہ پر چڑھ گئے۔ اور میں اکیلا بیٹھ گیا۔ اس وقت تو خیال آیا کہ اِن سے نہ بگاڑتا۔ تو اب میری زیارت کا وسیلہ تو ہو جاتے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔ (لیکن دراصل یہی بہتر تھا جو مالک نے کیا۔)

۲۵ تھوڑی دیر کے بعد خواجہ دین[5] محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ مجھ سے دریافت کیا میں نے ضلع سرگودھا کا رہنے والا بتلانے پر اکتفا کی۔ مجھے کھانا کھلایا۔ اور کہا بعد ظہر آپ کی ملاقات ہو گی۔ اتفاقاً اس روز اور آدمی بھی کم آئے۔ اور مجھے واپس لاہور آنے کا خیال تھا۔ کیونکہ میں اپنے رفیق سے وعدہ کر آیا تھا کہ جلدی ہی زیارت کر کے دوسری موٹر پر واپس آجاؤں گا۔ اور پھر اپنے ضروری کام کے لئے چل دیں گے۔ مگر نیرنگی مشیت[6] ایزدی سے بے خبر۔ کہ گھڑی کیا سالوں اور قرنوں[7] یہ درگاہ تیرے لئے قبلہ گاہ کر دے گی۔ اور تیری آرزو کا خاتمہ۔ تیری دعا کی اجابت

دیر سے تعلق

۱۔ شمس الدین حافظ شیرازی جن کا فارسی دیوان، دیوان حافظ کے نام سے مشہور ہے۔
۲۔ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔
۳۔ مایوس ہو کر اس دروازے سے نہ جاؤ اور فال نکالو۔ ہو سکتا ہے کہ دولت کا قرعہ ہمارے نام نکل آئے۔
۴۔ حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹھک۔
۵۔ یہ صاحب حضورؒ کے دربان تھے اور ہمیشہ آنے جانے والوں کا استقبال کرتے کھانا وغیرہ کھلاتے۔
۶۔ ارادۂ الٰہی۔
۷۔ ایک سو سال کے عرصہ کو قرن کہتے ہیں (یعنی عمر بھر کے لیے یہی آستانہ آستانہ فیض بن جائے گا۔)

تیرے درد کی دوا۔ اور تیرے ناسُور کا مرہم یہ خاک پاک بنائی گئی۔ اور تیری مٹی مرنے کے بعد بھی قبر میں اس دربوسی کے لئے تڑپا کرے گی۔ اور قیامت میں بھی اِسی کے دامن سے اٹھایا جائے گا۔ بھلا ایک گھڑی بیٹھنے سے کیوں اُکتاتے ہو۔ تمہیں دھتکاریں گے۔ اور تم اندر آنے کے لئے تڑپو گے

" سُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ "[2]

۲۶ گرمی کے آخری ایّام تھے۔ تقریباً چار بجے قبل عصر مجھے خادم نے کہا۔ حضور طلب فرماتے ہیں اور ضروری ہدایات (داہنے قدم کو پہلے چٹائی پر رکھنا۔ دوزانو بیٹھنا۔ آپ تشریف لاویں۔ تو تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہونا) مجھے کر دیں۔ اُس وقت دل کی عجیب حالت تھی۔ کیونکہ آپ کی بابت سنتا تھا کہ آپ کی مجذوبانہ[3] حالت ہے۔ اور زود رنج ہیں۔ تاہم کئی بزرگوں کا قدم بوس ہو چکا تھا۔ اولیائے کرام کی خُو اور بُو سے واقف تھا۔ عوام کی گھبراہٹ نہ تھی بلکہ خواص کی۔

۲۷ چٹائی پر حسبِ ہدایت بیٹھ گیا۔ آپ تشریف لائے۔ اور میرے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے تامل کے بعد فرمایا۔ کہاں سے آئے۔ مَیں نے ضلع سرگودھا عرض کیا۔ آپ نے گاؤں پوچھا تو میں نے دبی زبان سے بیربل[4] کا نام لیا۔ کیونکہ جن ہمراہیوں سے میں چھپا تھا۔ وہ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں بہرا (بولا) ہوں۔ زور سے کہیو۔ آپ نے گاؤں کا نام سُن کر فرمایا۔ کہ کچھ حضرت[5] صاحب سے بھی تعلق ہے۔ اَب مَیں حیران کہ کیا جواب عرض کر دوں۔ جھوٹ کہہ نہیں سکتا۔ درست عرض کروں گا۔ تو بھانڈا پھوٹتا ہے (اور سارا راز کھلتا ہے) آخر مَیں نے مجبوراً دبی زبان سے کہا کہ پوتا (پوترا) آپ نے سمجھا کہ (دوہترا) نواسا۔ آپ فرمانے لگے۔ کہ

---

[1] وہ پھوڑا جو رِستا رہتا ہے۔

[2] پاک ہے وُہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

[3] مجذوب، سالک کی ضد ہے۔ حدودِ شرعیہ کی پابندی سے راہِ معرفت طے کرنے والا سالک کہلاتا ہے اور عالمِ امر کا پرتو (یعنی تجلّی الٰہی) جس کے ظاہر حواس کو مغلوب کر دے اور حدود ظاہرہ شریعت کی پابندی سے وہ الگ ہو جائے وہ مجذوب کہلاتا ہے۔

[4] دریائے جہلم کے کنارے شاہ پور صدر سے سات میل کے فاصلے پر ایک مبارک قریہ ہے جو اولیاء اللہ کی بستی ہے ع "خوشتر آں شہرے کہ درو دلبر است"۔ ہمارے ایک دوست نے بیربل شریف کے بارے لکھا۔ صحرا یا تل لے بیربل۔ لیکن عمل ترا اجل۔ تو خنک شہری کہ درو پیرِ ما باشد مقیم۔

[5] حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰؒ۔ آپؒ حضرت غلام محی الدین قصوری حنفیؒ کے مرید تھے اور حضرت غلام نبی للّٰہیؒ سے علمی اور عملی تربیت پائی تھی۔

آدابِ حاضری

مجذوب اور سالک

بیربل

آپ کا نواسا (دوہترا) تو کوئی نہیں تھا۔ مَیں نے پھر زور سے کہا (پوترا) تو آپ کو جوش محبت آگیا اور داہنے ہاتھ سے گردش دے کر مجھے بغل میں لے لیا۔ اور فرمایا: "کہ پھر تو بابے کا نور ہے" زاں بعد آپ دریافت فرمانے لگے: "کہ حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کو دیکھا تھا۔ اس وقت کی ہوش ہے۔ اس وقت تمہارا کیا سِن[1] تھا؟ مَیں نے عرض کیا۔ دیکھا تھا خوب ہوش ہے۔ پندرہ سال میری اس وقت عمر تھی۔ جبکہ آپ کا وصال ہوا۔ اِس پر آپ نے فرمایا: "کہ پھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو کچھ وہ کرتے تھے وہی کرتے رہنا تھا۔" اور میں سر ڈالے بیٹھا تھا۔ "آخر فرمایا۔ کہ ذکر کی تلقین[2] نہیں لی تھی؟ میں نے عرض کی نہیں۔ پھر فرمایا: "کچھ بھی اس بارے میں نہیں سُنا۔" میں نے نفی ہی میں جواب عرض کیا۔ زاں بعد آپ نے نیچے ٹھہرنے اور پھر باتیں کرنے کا وعدہ فرمایا۔

۲۸ اِس وقت میری عجب حالت تھی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن[3]۔ نماز عصر ادا کر کے واپس مکان شریف میں بیٹھ گیا۔ اور ایسی غنودگی[4] آئی جس کی مجھے مدتوں تلاش تھی۔ اور مَیں لیٹ گیا۔ اُٹھا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ خادم نے کہا کہ آپ آئے تھے۔ اور بہت دیر تمہارے سر پر کھڑے رہے۔ آخر وقت تنگ ہو گیا۔ آپ تشریف لے گئے۔

۲۹ رات گذری صبح پھر حاضر ہوا۔ لیکن آدمی آتے اور جاتے ہیں اور آپ اُوپر کی منزل میں یکا دُکا سے ملاقات فرما رہے ہیں۔ مگر مجھے کوئی نہیں پوچھتا۔ حتیٰ کہ ایک جسیم، بلند قامت سُرخ ریش بزرگ اوپر سے تشریف لا کر میری دست بوسی کرنے لگے۔ حیران ہو کر مَیں نے معافی مانگی۔ اور آپ کا نام دریافت کیا۔ تو قاری اللہ بخش صاحب ساکن فیض پور خلیفہ حضرت صاحب بیربل والا نکلے

---

[1] عمر مبارک

[2] تلقین ذکر: جب کوئی شیخ کسی سالک کو اپنی بیعت کے حلقے میں لیتا ہے تو کچھ پڑھنے پڑھانے کا حکم دیتا ہے۔ وہی تلقین ذکر کہلاتی ہے۔

[3] نہ ٹھیرنے کو جگہ اور نہ چلنے کی سکت۔ یہ فارسی محاورہ سخت مجبور ہو جانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

[4] بیٹھے بیٹھے سو جانا۔ یہ نیند اور بیداری کے درمیان ایک بے خودی کی حالت ہے۔

میاں صاحب کا تصرف

نام سے پہلے تعارف تھا بچپن میں دیکھے بھی تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کو کیوں کر خبر ہوئی۔ کہا کہ عصر سے سخت بے چینی ہو رہی تھی اور دل نے چاہا کہ میاں صاحب کو دیکھے بغیر آرام نہیں۔ یہاں آکر معلوم ہُوا کہ کل حضور نے ملاقات کے بعد یاد فرمایا تھا۔ کہ وہ آجاتے تو صاحبزادہ سے ملاقات ہو جاتی۔ نہ تو آدمی گیا نہ پیغام کیا گیا۔ صرف دل کی یاد نے ان کے دل کو جا ہلایا اور وہ تشریف لائے۔ یہ ہیں تصرفات[1] ! جن سے پڑھے لکھے منکر رہتے ہیں۔ اور اِسے اتفاقِ حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں ع

برین[2] عقل و ہمّت بباید گریست

۳۔ مَیں نے جناب قاری صاحب سے کہا۔ کہ مَیں اپنے رفیق سے کل ہی واپس آجانے کا وعدہ کر آیا۔ آج دوسرے دن کے دوپہر ہونے کو آئے مجھے خانگی کئی ایک کام بھی ہیں۔ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتا۔ وہ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد تشریف لا کر فرمانے لگے، کہ میاں صاحب فرماتے ہیں" کہ چند روز ہمارے ہاں صاحبزادہ صاحب قیام کریں۔ کچھ حال و احوال پوچھنا ہے"۔ اس پر پھر مَیں نے کہا۔ فرصت نہیں۔ میلا ہمراہی میری انتظار میں چشم براہ[3] لاہور میں ہے اور عرس وفات[4] پر مجھے جانا ضروری ہے۔

قاری صاحب واپس آکر کہنے لگے۔ کہ آپ فرماتے ہیں" کہ کئی لوگ تو میرے پاس ٹھہرنے کی خواہش میں مرتے ہیں۔ لیکن میں اُن کو ٹھیراتا نہیں۔ لیکن عجب ہے کہ میں ان کو ٹھیراتا ہوں۔ یہ ٹھیرتے نہیں۔ دو تین دن کے قیام کے لئے کیا حرج ہے"۔ چنانچہ قاری صاحب نے بھی فرمایا کہ

ع[1] تصرف کی جمع ہے۔ معنی ہیں کام میں لانا لیکن صوفیا کی اصطلاح میں کسی ولی اللہ کا اپنے ارادہ کی طاقت سے اسبابِ ظاہر کے بغیر کام کرنا۔

ع[2] ایسی عقل و دانش پہ رونا چاہیئے۔

ع[3] راستے پر آنکھیں لگائے یعنی منتظر۔

ع[4] عرس وفات۔ حضرت اعلٰے غلام مرتضٰے رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ بیربل شریف میں بارہ وفات کا عرس کیا کرتے تھے۔ حضورؒ کے وصال کے بعد ہمیشہ یہ عرس ہوتا رہا اور آج تک جاری ہے۔

اس میں شاید آپ کی بہتری ہی ہو۔ میاں صاحب اس وقت زمانہ میں یگانہ ہیں۔ ٹھہرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

۳۱ پھر تو مجھے بھی خیال آگیا۔ ہزاروں کام بگڑتے اور سنورتے ہیں۔ اگر نصیبہ ہو تو کیا کچھ بگڑ یگا دوست[۱] کا فاتحہ پھر سہی۔ اور عرس وفات پر حاضری نہ سہی۔

۳۲ معلوم نہیں قاری جی نے اوپر جاکر کیا کہا۔ تا اینکہ آپ تخلیہ پاکر بعد ظہر کے نیچے تشریف لائے۔ اور بہت سے خانگی امور دریافت فرمائے۔ جس سے معلوم ہؤا کہ آپ ہمارے خانگی معاملات سے نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارے خاندان سے آپ کو دلی محبت ہے۔ پہلے بھی احباب کی زبانی سنتا تھا۔ لیکن سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے۔ تقریباً نصف گھنٹہ یا پون گھنٹہ آپ مختلف حالات خانگی دریافت فرماکر بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا ”کہ اسی لئے مَیں نے آپ کو ٹھیرایا تھا“۔

۳۳ قاری صاحب واپس مکان جانے لگے۔ تو کہا کہ آپ فرماتے تھے ”کہ دال دلیا[۲] ہو ہی جاویں گے“۔ مَیں نے عرض کی ہے کہ ”دال دلیا ہی پر اکتفا نہ ہو کچھ کرنا“۔ بحق وہی بات ہو نکلی۔ ہم دال دلیا ہی رہ گئے طبیعت زیادہ موزوں نہیں تھی۔ ورنہ

اس کے الطاف[۳] تو ہیں عام شہیدی لیکن   مجھ سے کیا بخل تھا گر مَیں کسی قابل ہوتا

۳۴ تیسری مرتبہ آپ نے بالاخانہ پر بلوایا۔ سب سے بیشتر آپ نے فرمایا۔ کہ آپ جانتے ہیں جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی[۴] کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کس طرح

ع۱ مولوی نور محمد صاحب سیہڑی امام پانڈو وال نہایت نیک آدمی تھے۔ اور ذاکر وشاکر۔

ع۲ پنجابی محاورہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ حضرت اعلیٰ کا مخصوص فقرہ تھا اور اس میں اپنی مہربانی اور خاص توجہ اور سالک کی استعداد کی بشارت ہوتی تھی۔

ع۳ مہربانیاں۔ لطف کی جمع

ع۴ دحیہ کلبی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔ بہت خوبصورت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اکثر انہی کی بشری صورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔

بیٹھے تھے۔ اور آنحضورؐ کو ربّ العزت کی یاد میں کس طرح بیٹھنے کا طریقہ سکھایا۔ گویا یہ بھی تعلیم آداب کی جو میں سمجھ گیا اور تلقین طریقہ فرمائی۔ ذکر قلبی[1] کے لئے کئی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔ اسم ذات۔ اللہ ھو یک دم دو اسم الگ الگ پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ الم نشرح ۱۸ بار، اوراد فتحیہ[2] صبح ایک بار، اور الحمد شریف ۱۹ بار، سورۂ حشر کے آخری تین آیات بعد شام سات بار اور درود شریف بعد تہجد[3] بطور وظیفہ ۵۰۰ بار پڑھنے کے لئے فرمایا۔

۳۵ زاں بعد آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ نماز تہجد پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ ہر چیز کا جواب نہیں ہے۔ اور ذرا سا تبسم فرما کر ۱۲ رکعت نماز تہجد ادا کرنے کا ارشاد فرمایا میں نے عرض کیا کہ جاگ نہیں ہوتی۔ فرمایا کچھ تھوڑی دیر کے لئے طلوع فجر سے پہلے اُٹھ بیٹھا کرو۔ جتنے میں چھ رکعت ہو سکیں۔

۳۶ اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہو۔ وہ پڑھ کر سناؤ۔ اُس وقت عجب حالت تھی۔ میری زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے یہ الفاظ نکلے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ فرمایا بس اتنا ہی کافی ہے۔ لیکن اتنا کیا کرو کہ کلام مجید کی تلاوت سے پہلے یہ درود شریف تین مرتبہ۔ اور سورۂ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ[4]۔ تین مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اور صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ کی جگہ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اور وَعَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کی جگہ وَعَلیٰ اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہیئے۔ لیکن نماز میں پہلی صورت میں پڑھنا ہی اولےٰ ہے! اور ان آیات

---

[1] ذکر قلبی، نقشبندی سلسلے کا خاص انداز ذکر کہ زبان خاموش ہو اور دل متوجہ الی اللہ اور ذاکر ہو۔ ویسے دل تو ہر انسان کا متحرک ہے لیکن ذکر کے خیال اور اس تحرک کے تُو رُ سے اور کثرت ذکر سے دل سے محسوس انوار نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور حرکت قلب تیز ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ مسلسل ترتیب سے تمام لطائف بدن ذکر سے معمور ہو جاتے ہیں بلکہ تمام بدن ایک لطیفہ بن جاتا ہے جو ذکر سے معمور رہتا ہے۔

[2] اوراد فتحیہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی مرتب کردہ اوراد ہیں۔ آپؒ کی قبر مبارک سرینگر (کشمیر) میں ہے۔ [3] نماز تہجد سالک کے لیے فرائض مجاہدہ میں شامل ہے اور تمام سلاسل میں اس کی تاکید کی جاتی ہے کم از کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ دو دو رکعت کی نیت باندھی جاتی ہے۔ [4] لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔ لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسولؐ آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بے حد طلبگار ہیں اور ایمان والوں پر بہت ہی شفیق اور نہایت مہربان ہیں اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے میرا اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

کے بعد اَعُوْذُ[1] بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ پڑھ کر تلاوتِ کلامِ مجید کیا کرو۔

۳۷ اور فرمایا اورادِ فتحیہ۔ چالیس دن تو دو بار روزانہ پڑھنا تاکہ طبیعت میں اثر پیدا کرے۔ لیکن بعد میں صرف ایک بار ہی کافی ہے۔ یہ اوراد بڑے ہی بابرکت ہیں۔

۳۸ فرمایا درُود شریف کی بہت برکات ہیں۔ اور تمام سلسلوں میں الگ الگ معمول ہے، ہمارے بزرگ درُود[2] خضری پڑھا کرتے ہیں۔ اکثر دوست دو اڑھائی ہزار روزانہ پڑھتے ہیں لیکن پانصد ہی کافی ہے۔ میں کبھی چار پانچ ہزار بھی پڑھتا تھا۔

۳۹ فرمایا کہ میں ہاتھ پکڑ کر کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ لیکن تم ہاتھ پکڑ کر (جو طالب حق) آئے بیعت[3] کر لیا کرنا۔

۴۰ پھر فرمایا۔ صفاتی نام میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اور خواجہ اللہ بخش صاحب اننداٰہی وظیفہ کے لئے فرماتے۔ جو کوئی پُوچھے۔ یا کریم یا رحیم بتلایا کرو۔

۴۱ یہ میری طرف سے نہ سمجھنا بلکہ اپنے آبا واجداد کی طرف سے سمجھنا، اور آپ نے فرمایا کہ اپنے والد صاحب یا جدِ امجد صاحب کو اپنا پیشوا خیال کرنا۔ جو کچھ حضرت صاحب کیا کرتے تھے۔ وہی کرتے رہنا اس میں سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔

۴۲ اس کے بعد مجھے سینہ سے لگایا۔ اور دیر تک بغل گیر رہے۔ اور آپ کے وجود مبارک سے اس طرح آواز آتی تھی۔ جس طرح کوئی چیز اندر سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ اور شاید یہ آواز تین بار

---

[1] میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

[2] درود خضری : صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ۔

[3] بیعت کا طریقہ تمام سلاسل میں ۔ بیعت الرضوان کی طرح ہے۔ مقام حدیبیہ میں صلح حدیبیہ سے پہلے حضور نبی کریم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اُن سے بیعت لی تھی۔

آئی۔ پھر ہاتھ ملا کر رخصت فرما دیا" کہ اب کل کھانا کھا کر چلے جانا۔ ہاں پھر صبح بھی ملیں گے"۔ اور فرمایا" کہ اپنے دادا صاحب کی قبر پر بیٹھنا۔ جتنا ہو سکے اُتنا ہی رہنا۔ اور فیوض[1] حاصل کرنا"۔ آپ کے حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے" کہ اویسی[2] نسبت عجب نسبت ہے"۔ تیسرے دن میرے ساتھی اور رفیق میاں کرم الدین صاحب بھی گھبرا کر آ گئے۔ یہ حضرت اعلیٰ صاحبؒ کے خادم اسی طرح کچھ زمانہ رہے تھے۔ جس طرح اب میاں دین محمد صاحب آپ کی خدمت میں ہیں۔ والد علیہ الرحمۃ کے ساتھ بھی پر از اخلاص زمانہ گذار دیا۔ اور اس گنہ گار کے ساتھ بھی نہایت عقیدت سے وقت گذار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن کو جزائے خیر دے۔

۴۳ نیچے کے مکان میں ایک حکیم صاحب بنگلہ فاضلکا کے رہنے والے شمال کی جانب۔ میں اور میرا ساتھی جانبِ شرق اور خضری گلی (لاہور) کا ایک نوجوان میڈیکل کالج کا طالب علم جنوب کی طرف بیٹھے تھے۔ حکیم صاحب ایک معمر نیک صورت آدمی تھے۔ حضور تشریف لائے اور حکیم صاحب کے پاس دوزانو گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے۔

۴۴ آپ نے اپنے معمول کے مطابق (جیسا کہ بعد کو معلوم ہوا) بے دینی رسوم بد اور فرنگیت[3] کا ذکر بایں الفاظ شروع کیا" کہ جس کلمہ شریف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور اپنے صحابہ کا خون بہا کر لیا تھا آج مسلمان اس کو مفت دے رہے ہیں"۔ جس داڑھی کے لئے سرورِ کائنات نے تمام مصائب اُٹھائے تھے۔ اس کی مسلمان آج ذرّہ بھر بھی قدر نہیں کرتے"۔ نام کو مسلمان اندر سے کافر۔ فرنگیت کے غلبے نے اسلام کو تباہ کر دیا۔ اسلام کا

اردو فرنگیت
کلمہ شریف
داڑھی

---

[1] فیوض فیض کی جمع ہے اس کے معنی ہیں پانی کا بہنا۔ اہلِ تصوف میں یہ اصطلاح عام مستعمل ہے، اس سے مراد انوار کا نزول ہے جو مربی کے سینے کے انوار مرید کے سینے میں ارادہ سے اور بے ارادہ آتے ہیں۔ ان انوار کی آمد کو فیض کہتے ہیں، جس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو انوار کی بارش سینے پر برستی معلوم ہوتی ہے اور یہ بارش سامنے برستی بھی محسوس ہوتی ہے، کبھی جسم میں لطیف لطیف جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی غنودگی چھا جاتی ہے۔

[2] اویسی نسبت: حضرتِ اویس قرنی رضؓ کی طرف یہ منسوب ہے۔ آپؓ جذبِ کامل رکھنے والے تابعی تھے اور عشق سرورِ کائنات میں سرمست۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر زیارت نہ کی تھی۔ اسی واسطے باطن کی ایسی نسبت کو اویسی نسبت کہتے ہیں۔ کسی غائب بزرگ سے محبت کی نسبت یا کسی صاحبِ قبر سے باطن کی نسبت کہ جس میں جذب کی کیفیت غالب غالب ہو، نسبتِ اویسی کہتے ہیں۔

[3] انگریزیت: انگریز کی سکیم تھی کہ دہ دینِ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں خود مسلمانوں کو کھڑا کر دے اور ان کے دل سے دین اور دین کے لوازمات کی محبت نکال کر نفرت پیدا کر دے اور غلط نظریات اور غلط قسم کا معاشرہ ایسا پیدا کر دے کہ اسلام صرف نام کا اسلام رہ جائے۔

فیض
نسبت اویسی

نام ہی نام ہے وغیرہ"۔ ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے۔ کہ نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا[۱]۔ کچھ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب کے رخسارے بھی تر ہو گئے۔ زاں بعد میرے رفیق کے آنسو بھی پھوٹ آئے۔ مجھے بہت ہی کم رونا آتا تھا۔ لیکن اس کے بعد میرا نمبر بھی آ گیا غرض چاروں پُرنم آنکھوں سے سر ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن نوجوان کی تو چیخ و پکار تک نوبت ہو گئی تھی۔

۴۵ زاں بعد حضور میرے سامنے حسبِ دستور تشریف لائے۔ اور توحید کے مندرجہ ذیل اشعار محویت کے عالم میں پڑھتے گئے[۲]۔

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر	جملہ ذاتِ حق بُود اے بے خبر
اوست در ارض و سماء و لامکان	اوست در ہر ذرّہ پیدا و نہاں
پاس دار انفاس اے اہلِ خرد	تا ترا این قافلہ منزل برد
اوست پیدا و نہاں و آشکار	جلوہ ہا کرد است در ہر شئی نگار
ہوش در دم دار اے مردِ خدا	یک نفس یک دم مباش از حق جدا
نفی گرداں از دل خود ماسوا	تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا
زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن	سینہ با تیغِ محبّت چاک کن
اے کہ بُودی در حریم لامکاں	چوں جُدا گشتی بگو راز نہاں
پاک بودی در حریم کبریا	از چہ پیدا شد ترا حرص و ہوا

---

[۱] ع دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

[۲] اشعار کا ترجمہ: ۱۔ بھلائی اور برائی سے جو کچھ بھی نظر آئے، وہ تمام کا تمام ذاتِ حق کا جلوہ ہے ۲۔ زمین و آسمان اور لامکاں میں وہی ہے، وہی ہر ذرہ میں ظاہر اور پوشیدہ ہے۔ ۳۔ اپنے سانس کی نگہبانی کر اے عاقل، تاکہ تجھے یہ قافلہ منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ دم دم کے ساتھ اللہ اللہ نکلے اور یہی ذکر کی کثرت کا قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچانے والا ہے۔ ۴۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی جلوہ نما ہے اسی محبوب نے ہر ایک چیز میں جلوہ دکھایا ہے۔ ۵۔ اے خدا کے مرد ہوش کو سانس میں رکھ (ہوش در دم نقشبندی سلسلہ میں ایک اصطلاح ہے) اور ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہ ہو۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی اپنے دل سے نفی کر دے تاکہ تیرے دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ بھی نہ سمائے۔ ۷۔ اپنے دل کے زنگار کو لا (نفی ماسوا اللہ) کی ریتی سے صاف کر دے اور اپنا سینہ محبت کی تلوار سے چاک کر دے۔ ۸۔ اے انسان تو تو لامکاں کا ساکن تھا۔ تو کیسے جدا ہو گیا مجھے یہ چھپا ہوا راز بتلا دے۔ ۹۔ تو تو کبریا جل جلالہٗ کے خاص پردوں میں تھا، تجھے لالچ اور خواہشات کہاں سے آ گئے۔

خوشش[1] خرامیدی تو از کتم عدم   خوشش نہادی بر سرِ ہستی قدم

۴۶ زاں بعد آپ نے مصافحہ کیا۔ اور چوتھے نوجوان سے جا کر فرمایا "کہ کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس نے جیب سے رقعہ نکالا۔ تو آپ نے فرمایا میں رقعہ وغیرہ نہیں جانتا۔ کچھ کہنا ہے تو کہہ لو۔ لیکن وہ اسی پر مصر رہا۔ اور روتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا "کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیا کرو۔ رقعہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور آپ بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔

۴۷ سبحان اللہ نوجوان نے اپنی رومی ٹوپی پر چادر ڈال لی۔ اور لاہور تک پریم آنکھوں میں سرمہ ڈالے موٹر میں آیا۔ میری بھی عجب حالت ہو گئی۔ ؎

نہ تو میں رہا نہ ہی تُو رہا   جو رہی سو بے خبری رہی

۴۸ جب میرا رفیق مجھ سے لالہ موسیٰ آکر جدا ہوا تو میں نے اپنے اندر نظر دوڑانی شروع کی لیکن میں تمام تبدیل ہو چکا تھا۔ میری تمام خواہشات۔ میرے خیالات۔ میرے اطوار حتیٰ کہ میرا جسم سب نے ایک دوسرا رنگ لے لیا۔ جس نے مجھے دیکھا کچھ اور ہی دیکھا۔ اجنبی لوگوں نے تعظیم کرنی شروع کی۔ سچ ہے (پنجابی)

۴۹ نظر جنہاں[2] دی کیمیا سونا کر دے وَٹ

اسی حقیقی انقلاب کا نام میں نے انقلاب الحقیقت رکھا۔

دِل نے اقرار کیا ؎

قرارے[3] کردہ ام بادل نہ پیچم سر ازیں درگاہ
سرایں جا، بندگی ایں جا، سجدہ ایں جا، نیاز ایں جا

ع[1] تُو عدم کے پردوں سے اچھا آیا، اور ہستی کے عالم میں تُو نے اچھا ٹھکانا کیا۔

ع[2] جن کی نگاہ میں کیمیائی تاثیریں ہوتی ہیں وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔

ع[3] میں نے اپنے دل سے اقرار کیا ہے کہ اس درگاہ سے منہ نہ موڑوں گا۔ میرا سر بھی یہیں جھکے گا میری بندگی بھی یہیں ہوگی اور میری نیازمندی بھی یہیں ہوگی۔

۵۰ صوفیائے کرام کی اصطلاحات[1] میں سیر آفاقی۔ اور سیر نفسی کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں۔ لیکن میں نے اپنی پہلی جد و جہد تعلیمی و دینی، دنیوی کا نام سیر آفاقی[2] رکھا ہے۔ اور اس کے بعد جد و جہد کا نام سیر نفسی[3]۔ کیونکہ اب ظاہر (آفاق) کو چھوڑ کر باطن (نفس) کی سیر کو مقصود سمجھا۔ اور اس مقولہ مشہورہ کی طرف چلنے لگا۔ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"[4]۔ بعض احباب کو شاید اس پر کچھ تردد ہو۔ اس لیے اس کے ساتھ اس آئینہ شریفہ کو بھی پڑھ لینا چاہیے۔ "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ"[5] اور "وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ"[6] بھی پڑھ لیں۔

۵۱ سیر نفسی کے مجمل معنی "محافظت نفس خود کردن"[7] یا "مراقبۂ احوال خود شدن"[8] "ہمت خود را در درونِ خود صرف نمودن"[9]۔ "دل نگاہ داشتن"[10] "دل خود را در مقابل فیض او کردن"[11] "در آئینۂ دل بدیدن"[12] سب سے اعلیٰ "از ماسوا اعراض نمودن"[13]۔ جس طرح سیر آفاقی میں لاکھوں، کروڑوں عجائبات ہیں۔ اور دیکھنے والے کی طبیعت پر ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہی سیر نفسی کے کرنے والے کی طبیعت پر دار و مدار ہے۔ جتنی طبیعت بلند ہو گی۔ اتنی ہی سیر وسیع تر ہو گی۔ ظاہر دنیا سے بڑھ کر باطنی دنیا کے عجائبات نظر آئیں گے۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

برگِ درختانِ[14] سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

بعینہٖ یہی حالت وہاں ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے۔ یہاں کائنات کی طرف توجہ تھی اور نفس سے بے خبری اور وہاں اس کے برعکس ؎

---

[1] اصطلاح کی جمع ہے علمی اور فنی تشریحات کے لیے جو مختصر سے الفاظ وضع کیے جاتے ہیں اصطلاح کہلاتے ہیں۔
[2] سیر آفاقی: ظاہری دنیا کی سیر [3] سیر نفسی: اپنے باطن کی سیر (جس کے نتیجے میں انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے)
[4] جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ [5] تم ایسے لوگوں کی طرح مت بن جانا جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے (اس خدا فراموشی کی پاداش میں) اللہ تعالیٰ نے اُن سے اپنے نفس فراموش کرا دیے۔ [6] اور خود تمہارے اپنے نفسوں میں (بہت کچھ پوشیدہ ہے) کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ [7] اپنے نفس کی حفاظت کرنا [8] اپنے (اندرونی) احوال کی نگہداشت کرنا [9] اپنی ہمت کو اپنے باطن میں صرف کرنا۔ [10] دل کو محفوظ رکھنا (کہ غیر اللہ اس میں نہ آئے) [11] اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے فیض کے سامنے کرنا [12] اپنے دل کے آئینے میں دیکھنا [13] اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لینا۔ [14] سبز سبز درختوں کے پتے صاحبِ دل آدمی کی نظروں میں ہر پتہ خدائے قدوس کی معرفت کا ایک دفتر ہے۔

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اس سیر سے وسعتِ نظر (دور و نزدیک برابر ہوتا ہے) وسعت علم (ہر ایک امر کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے) وسعت قوت (ہر طرح کے تصرف ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنا نفس بھی تصرف سے باہر نہیں ہوتا) وسعت حوصلہ (پریشانی نام تک نہیں شدائد[1] اور مکائد پر صابر ہو جانا) پیدا ہو جاتا ہے۔

مقصود سیر نفسی

۵۲ اس سیر کا مقصود کیا ہے؟ وہی "حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ"[2]۔ اِن دونوں سیروں کے بغیر یہ بات نہیں کھلتی۔ جیسا کہ اس آیت کے مفہوم سے کھلتا ہے۔ سیر آفاقی تو جو دُنیا میں آیا۔ اپنی آنکھ سے۔ ظاہر اسباب سے کر لیتا ہے۔ لیکن سیر نفسی کی طرف توجہ کہاں۔ جب نفس کی طرف توجہ ہی نہیں۔ یا ہے تو آنکھ ہی نہیں۔ آنکھ بھی مِل جائے تو سیر کرانے والا نہیں، تو بِن رہبر اس سیر بے پایاں کا کیا پتہ؟ کہ کہاں جا رہا ہوں۔ سیدھا یا اُلٹا۔ اور کہ اس منزل کا کیا نام ہے۔ اور میرا مقصود کیا ہے۔ اس سَیر کے لئے کمال ہوشیاری مطلوب ہے اور اس سَیر کا رہبر کامل۔

۵۳ تم نے نہیں دیکھا کہ سیر آفاقی میں ہمارے بڑے بڑے رہنماؤں نے کتنی بڑی بڑی غلطیاں کھائیں۔ اور کتنے ہی اپنی رہنمائی میں ذلیل ہوئے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟

۵۴ وہی سیر نفسی کے علم سے ناواقف۔ کسی کے علم[3] نے اُسے گھاٹا دیا۔ کسی کی نظر[4] نے اسے گرایا۔ کسی کا حوصلہ بیٹھ گیا۔ اور کسی میں قوت نہ رہی۔ کوئی ایک بھی نہ بچا۔ الا ماشاء اللہ[5]

ع۱ شدائد۔ شدت کی جمع: سختی
مکائد۔ مکیدت کی جمع: مکروفریب۔ (مراد دنیا اور اہلِ دنیا کی چالیں)

ع۲ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

ع۳ یعنی ظاہری علم کو سب کچھ سمجھ بیٹھا۔

ع۴ یعنی باطنی نگاہ کھل تو گئی لیکن کم ہمت نے غیر محدود ذات کا خیال نہ کیا۔ اور قطرے کو دریا سمجھ لیا۔

ع۵ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے۔

بھلا جسے اپنے پر تصرف نہیں۔ وہ ساری کائنات کو کیونکر تصرف میں لا سکے۔ سیر نفسی والے (اللہ والے) لوگوں پر ایک نظر تو دوڑاؤ۔ کیا کیا ان لوگوں نے کیا۔ اور ان کے انجام کتنے بلند اور شاندار رہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے حق میں کتنا صحیح ہو نکلا۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ[1] خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔

۵۵ مَیں سچ کہتا ہوں۔ جس فقیر کا بزرگ کا، عالم کا، دیندار کا انجام اپنی ابتدا سے اچھا اور بہتر نہیں ہوا۔ وہ نہ فقیر ہے۔ نہ بزرگ۔ نہ عالم اور نہ دیندار۔

۵۶ دور کیوں جاتے ہو۔ اسی مردِ خدا کا جس کا مَیں مرقعہ لکھ رہا ہوں انجام دیکھو اور ابتدا دیکھو۔ اس نے دنیا کو اپنا انجام کتنا بلند اور شاندار دکھایا۔ سُبحان اللہ و بحمدہٖ[2]

اَللّٰھُمَّ[3] صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْہِ

عجیب حالت

میں گھر آیا۔ میری عجب حالت ہو گئی۔ احباب سے بے تعلقی اور خواہشات میں پژمردگی آ گئی۔ خلوت وانزوا[4] میں بیٹھ گیا۔ گھنٹوں گذر جاتے لیکن خاموش۔ دنیا[5] فانی کا نقشہ سامنے موجود۔

۵۷ کئی بار خیال آیا۔ کہ کس طرح اس سرکش گھوڑے (نفس) پر چپکے سے بیٹھ گئے۔ جو کہ ایک مکھی سے بھی زیادہ بدکتا تھا۔ اور کسی کو پاس آنا تو کجا قریب سے گذرنے بھی نہ دیتا تھا۔ آخر ہوا کیا۔

---

[1] اور (اے نبیؐ اکرم) آپؐ کی انتہا آپؐ کی ابتدا سے بہتر ہے۔
[2] پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تعریفوں کے ساتھ۔
[3] الٰہی تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور برکتیں نازل فرما اور سلامتی عنایت فرما۔
[4] اِنزوا۔ گوشہ نشینی۔
[5] کامل کی نظر کے اثر سے نفس خواہشات کی غلاظت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کو تزکیہ کہتے ہیں، گویا خواہشات مر چکی ہیں اس کو فنا کہتے ہیں۔ نفس فنا کی تاثیرات قبول کرے تو دنیا کا فانی ہونا سامنے آتا ہے۔

۵۸ سوائے اس کے کہ شہ سوار کے کمال پر نظر پڑے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ میں وہی تھا۔ اور نفس امّارہ وہی تھا کس نرمی سے کس محبّت سے اور کس جادو سے قید کیا۔

۵۹ ایک طرف یہ حالت تھی۔ دوسری طرف یہ کہ ابھی بدستور منافق ہے کسی سے یہ نہیں کہتا، کہ میرے سر کیا بیتی۔ اور اپنی سرگزشت سنانے سے اسے عار[1] آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ لکھے پڑھے آدمیوں کا نفس بھی لکھا پڑھا ہوتا ہے۔ جو شرارت کسی کے دل میں نہیں آتی یہ اس کا ادنیٰ وطیرہ[2]۔

اِنَّ[3] النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

ہاں ایک پاک خیال بھی ساتھ تھا۔ کہ بعض موجودہ وقت کے مریدوں اور مجاوروں کی طرح میرا بھی انجام نہ ہو۔ اور اپنے ساتھ اس پاک ہستی کو بھی رسوا نہ کر بیٹھوں لیکن اس رمز سے ناواقف

گفتۂ[4] او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۶۰ بحمد اللہ[5] کہ آج تک لغزش نہ ہوئی۔ اس بارگاہ[6] لایزالی سے پوری امید ہے کہ آخری دم تک اس پاک ہستی کے صدقے میرے قدم کو لغزش نہ دیں گے۔ اور قدیم[7] الاحسان اپنی چادر ستاری سے میرے عیوب کو ڈھانپے رکھیں گے۔ اور ابتدا سے بڑھ کر انتہا پر رحم فرما دیں گے۔

رَبَّنَا[8] ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

---

[1] شرم

[2] طریقہ۔ دستور

[3] یقیناً نفس برائی پر بڑا سرکش ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ بیشک میرا پروردگار غفور اور رحیم ہے۔

[4] اس کا کہا ہوا اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان (حلقوم، گلا) سے نکلتا ہے۔

[5] خدا کا شکر ہے۔

[6] ہمیشہ قائم رہنے والی بارگاہ۔

[7] ہمیشہ احسان کرنے والا۔

[8] پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کمایا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ کھائے گا تو ہم زیاں کاروں سے ہو نکلیں گے۔

تربیت

۶۱ حلقہ مریدی میں تو داخل کر لینا فی زمانہ آسان بات ہے لیکن تربیت مرید کرنا کارے دارد بعض مشائخ تو بالکلیہ اس طرف توجہ ہی نہیں فرماتے۔ اگر مرید کی استعداد[1] اور محبت کامل ہوئی تو خود بخود کچھ لے نکلا ورنہ خیر۔ حلقہ[2] ارادت ہی کافی سمجھا جاتا ہے ــــ بعض بزرگ تربیت دینے کے شائق تو ہیں لیکن کوئی ایک خاص تربیت مقصود بالذات کر لی جاتی ہے! اور اسی پر تمام قوت صرف کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک خاندان میں تربیت عملی (ذکر) سے کام لیا جاتا ہے۔ تو دوسرے سلسلہ میں تربیت روحانی (توجہ) کو مقصود بالذات سمجھا جاتا ہے۔ ایک تیسرا گروہ ہے کہ وہ تربیتِ علمی کے ادراک کو سلوک جانتا ہے۔ اور ظاہری پیروی حضور علیہ التحیہ والسلام اور سنت کے بغیر اندرون[3] حقیقت سے واسطہ نہیں رکھتا۔ اور بعض چوٹی کے بزرگوں نے دو تربیتوں سے کام لیا لیکن حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سلف[4] صالحین کی طرح چوطرفہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ اور کسی ایک حاضر ہونے والے کو واگذار نہ فرماتے تھے۔ بلکہ اپنی تمام ہمت صرف فرماتے۔ اور جو کچھ اس کی قوت میں ہوتا تھا۔ اسے باہر نکال کر چھوڑتے! اور جس جس تربیت کے لئے کوئی مستعد[5] ہوتا تھا۔ اس سے دریغ نہ فرماتے الحمد للہ کہ خاکسار کو ہر[6] سہ تربیت دی گئیں۔

ع۱ مراد باطنی قابلیت۔ یہی بہت بڑی موہبت ربانی ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی جوہر جوہرِ قابل نہیں بن سکتا۔ اگر استعداد کامل کو تربیت کامل مل جائے تو پھر نتائج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے۔ ع۲ کسی کو اپنی بیعت میں لے لینا۔ ع۳ حقیقت: شریعت ظاہر اعمال کی پابندی سکھلاتی ہے۔ طریقت: باطن کا راستہ چلنے کا نام ہے اور حقیقت حقائق عالم اور حقائق اشیاء کا ظہور ہے اس کے آگے معرفتِ الٰہی ہے جو مقصود پیدائشِ عالم ہے اور اس مرتبہ کو پانے سے اپنی استعداد کے مطابق ذات و صفاتِ الٰہی کا پرتو انسانی سینہ قبول کرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

تربیتِ عملی

۶۲ اس تربیت کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ افعالی ہے۔ دوسرا حصّہ لسانی۔

ا۔ افعالی کی بابت آنحضور کا معمول تھا کہ سر سے لے کر آپ ایڑی تک حاضرین سے تاڑ جاتے[۱] جو کوئی فعل یا معمول خلاف سنت نظر آتا۔ بلاتردد بلاتحاشا اسے جا پکڑتے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ پہلے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لیتے۔

۶۳ آدابِ مجلس سے تھا کہ آنے والا داہنا قدم پہلے رکھے۔ دوزانو بیٹھے۔ اور اپنے سینہ میں نظر جمائے رکھے۔ لباس میں کُرتے پر عام خیال ہوتا تھا۔ کہ قمیص نہ ہو۔ جوتے پر توجہ تھی کہ سیاہ نہ ہو۔ آپ فرماتے تھے "کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جوتا زرد رنگ ہوتا تھا"۔ ٹوپی کو یا صرف پگڑی کو بہت برا جانتے تھے۔ آپ کی زبان فیض ترجمان پر اکثر ہوتا تھا "کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ صرف ٹوپی نصرانی پہنتے ہیں۔ اور صرف پگڑی یہودی مسلمان آدمی دونوں رکھتا ہے"۔

۶۴ کئی بار ایسا دیکھا کہ جب کسی کی پگڑی میں سے چوٹی ننگی دیکھ پاتے تنبیہ[۲] فرماتے۔ اور ٹوپی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے پہنا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بوڑھے ساربان کو آپ نے ٹوپی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

[۴] سلف: گذشتہ بزرگانِ دین۔ صالحین: صالح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عمدہ کام کرنے والا۔ [۵] مستعد: صاحبِ استعداد۔ ح ہر کسے را بہرِ کارے ساختند۔ کام کی تقسیم استعداد پر ہے، اسی طرح باطن کی بھی مختلف استعدادیں ہیں اور وہی شخص تربیت قبول کرتا ہے جس کو قبول کرنے کی استعداد ہو۔ [۶] تینوں قسم کی تربیت: علمی (ظاہر شریعت کی اتباع) عملی (ذکر) روحانی (توجہ)۔

حاشیہ صفحہ ہذا:-

[۱] یعنی جو لوگ خدمت میں حاضر ہونا چاہتے وہ اپنا ظاہر ٹھیک کر لینے اور ظاہر آداب سیکھ کر حاضر ہوتے۔
[۲] ناراض ہونا (لفظی معنی آگاہ کرنا)۔

آدابِ مجلس اور لباس
سیاہ جوتا
ٹوپی

پہنائی۔ سبحان اللہ! اسی وقت اسی کی صورت میں نور[۱] آگیا۔ لیکن آپ فرمانے لگے۔ "میں تو پیروی سنت کے لئے ٹوپی پہنا تا ہوں۔ لیکن بعض لوگ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے مجھے خلافت سے کیا واسطہ ہے۔"

۶۵ ایک بار بوڑھے ہندوستانی صابری[۲] خاندان سے تعلق رکھنے والے کسی ضرورت (دنیوی) (دعا) کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے دعا کے لئے بہت التجا کی۔ پہلے آپ حسبِ عادت انکار فرماتے رہے۔ لیکن آخر رحم غالب آگیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کے لئے دعا کی اور ہاتھ ملا کر رخصت فرمایا۔ لیکن جب وہ جوتے پہننے لگے۔ تو آپ کی نظر جوتے (سیاہ گرگابی) پر جا پڑی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا" کہ کہتے ہیں بزرگوں سے تعلق ہے اور یہ سِن[۳] (عمر) ہے۔ پھر بھی انگریزی سیاہ جوتا نہ چھوڑا"۔ وہ بے چارے معافی اردو زبان میں مانگتے تھے کہ جی حضور پھر نہ پہنوں گا۔ آخر آپ نے اُن کی گرگابی پکڑ لی۔ اور ناپنے لگے جب آپ ناپ چکے۔ تو میاں دین محمد صاحب سے کہا کہ میرا جوتا جو آیا ہے اُس کو لے آؤ۔ جب انہوں نے پیش کیا تو پھر اُسے ناپا۔ اور بوڑھے میاں کے قدم کے سامنے کیا" کہ پہنو درست آتا ہے"۔ جب ان کو درست بیٹھ گیا تو آپ نے دوسرا جوتا بھی ان کے سامنے کر دیا اور پہنا دیا۔ زاں بعد بوڑھے میاں حسبِ عادتِ ملک (ہندوستان) سلام کرتے جاتے تھے۔ اور آپ گرگابی کے لے جانے کے لئے اصرار فرماتے۔ آخر ان کے ہاتھ میں آپ نے دے دی۔ سبحان اللہ! یہ ہے پیروی سُنت۔ اور یہ ہے عشق و محبت[۴] آں سرورِ کائنات علیہ التحیۃ[۵] والسلام اور یہ ہے۔ ایثار[۶]۔ اور یہ ہے تواضع

انگریزی جوتا سے نفرت

پیروی سنت اور محبت

ع۱ یہ سب اثر آپکے دستِ مسیحائی کا تھا ع۲ حضرت علاؤ الدین صابرؒ سے منسوب ہے اور آپ حضرت شیخ بابا فریدؒ کے خلیفہ تھے مزار مبارک کلیر شریف۔ چشتی سلسلہ حضرت شیخ فریدؒ سے دو شاخوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک نظامی دوسرا صابری۔ نظامی، حضرت نظام الدین محبوبُ الٰہیؒ سے منسوب ہے جن کا مزار مبارک دہلی میں ہے اور چشتی کے ساتھ نظامی یا صابری کی نسبت لگتی ہے ع۳ سن۔ عمر۔ بڑھاپے میں لباس میں جوانوں کا سا تکلف ناپسند ہوتا ہے۔
ع۴ محبت کا ایک ظہور یہ ہے کہ شکل، صورت، لباس وضع محبوب ہی کی پسند ہوتی ہے۔ ع۵ آپ پر درود و سلام ہو۔
ع۶ ایثار۔ اپنے آپ پر ترجیح دینا۔

وانکسار[1]۔

۶۶ میری موجودگی میں ایک صاحب بزرگانہ صورت تشریف لائے۔ جن کو آپ نے کئی بار یاد بھی کیا تھا۔ اور حضرت[2] شاہ صاحب کے متوسلوں[3] سے تھے۔ اور تھانہ شہر قنوج میں کسی زمانہ میں حوالدار رہ چکے تھے۔ اب فقر کی لگن میں ملازمت سے الگ اور سیّاح ہو چکے تھے۔

۶۷ باہر گورستان ڈاہرانوالہ میں انہوں نے ڈیرا کیا۔ بہت کچھ سنتے سناتے تھے۔ قمیض پہنی ہوئی تھی۔ اور بالکل سادہ لباس تھے۔ اُن کے ساتھ آپ مجلس خاص فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن تو گذر گیا۔ آپ نے نہ ٹوکا۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا "یہ خلاف سنّت ہے۔ اور تشابہ[4] بہ نصاریٰ"۔ انہوں نے کچھ چنداں پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آپ نے۔ اُن کی آستین پکڑ کر کف پھاڑ دیئے۔ انہوں نے ہرچند کہا۔ مَیں خود پھاڑتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "یہ تکلیف مَیں ہی کر لیتا ہوں۔ آپ کیوں کریں"۔ چوتھے روز جمعہ تھا نیا کرتا پہنا دیا۔

۶۸ آپ نے فرمایا۔ میں پانی پت گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ تو بلا عمامہ ٹوپی ہی سے جماعت کرانے لگے۔ میں نے کہا "کہ عمامہ کہاں"۔ تو وہ کہنے لگے۔ یہ ٹوپی درباری ہے۔ "مَیں نے کہا کس کے دربار کی۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام ٹوپی اور عمامہ سے جماعت فرمایا کرتے تھے۔ یہ کس دربار سے آئی"۔ امام صاحب نے کہا۔ کہ یہ دربار انگریزی سے اجازت ملی ہے کہ دربار میں ٹوپی ہی سے آجایا کرو۔ اتنے میں مَیں نے اپنی پگڑی نصفا نصف کر دی۔ ایک نصف ان کے سر پر باندھا دیا۔ دوسرا نصف اپنے سر رکھ لیا۔ اور کہا، کہ اب

---

[1] عاجزی اور کمتری

[2] حضرت شاہ صاحب سے مراد شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ہے۔

[3] متوسل۔ توسل کرنے والا۔ وسیلہ بنانے والا یعنی مُرید۔

[4] تشابہ بہ نصاریٰ۔ عیسائیوں سے مشابہت۔

جماعت کراؤ۔ تو وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ جب ان کو معلوم ہوا تو معافی مانگی۔

ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا کہ شریعت تو رسول سکھا دیتے ہیں۔ اگر پیر نے ادب بھی نہ سکھایا۔ تو پھر کیا کیا؟" اور سچ یہ ہے کہ طریقت کی جان بھی ادب ہے۔ ع

بے ادب[1] محروم گشت از لطف رب

اور طریقت کا لباس بھی ادب ہے۔ ع

ادب[2] تاجیست از لطفِ الٰہی

زمانہ حاضرہ میں فرنگیت[3] کے زور نے تمام لوگوں کی صورتیں مسخ[4] کر دی ہیں۔ اکثر دیکھا ہے کہ نمازی بھی ہیں۔ صوم صلوٰۃ کے پابند بھی ہیں۔ لیکن چہرہ ہے کہ فرنگیانہ۔ نہ ڈاڑھی ہے نہ مونچھ۔ یا ڈاڑھی صفا۔ مونچھیں بڑی بڑی۔ یا سر پر فرنگیانہ صورت کے بال تراشے ہوئے۔ جب کوئی صورت بھی ایسی آپ کے سامنے آجاتی۔ بیتاب ہو جاتے۔ اور اپنے اس مقولہ[5] کے مطابق کہ "مسلمان آدمی جب کسی امر خلافِ شریعت کو دیکھے تو ایسا ہو جائے۔ جیسا بھوکا بھیڑیا بکری پر۔" آپ ایسے ہو جاتے۔ چنانچہ کئی ایک واقعات بچشم خود دیکھے۔ ایک دو واقعہ لکھتا ہوں۔

جمعہ کے دن آپ کا معمول مطابق سنت[6] سید آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا کہ آپ غسل فرماتے۔ لباس تبدیل فرماتے۔ ملنے والوں کے لئے یہ دن انتظار کا ہوتا تھا۔ اور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے۔ تو آپ کو موقعہ نیچے تشریف لانے کا ملتا۔ ایک جمعہ کو آپ جب بالاخانہ سے تشریف لائے۔ تو زائرین سے مکان پُر تھا۔ آپ حسبِ عادت داہنے طرف سے دیکھنے

---

[1] بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے محروم رہ گیا۔

[2] ادب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا تاج ہے۔

[3] انگریزیت۔ اس میٹھے زہر نے کئی بلند استعدادیں برباد کیں۔ استقامت کے پہاڑ راستہ بھول کر ادھر آئے اور اپنی نسل کا نسل کے لیے خدا پرستی کی راہیں بند کر گئے۔

[4] مسخ کرنا۔ بگاڑ دینا۔

[5] مقولہ۔ قول (بات)

[6] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نے فطرت کی ہر جائز خواہش کو اپنا معمول بہا بنایا اور ظاہر کی زینت اور صفائی کو بھی اپنی سنت قرار دیا، اس لیے اہلِ سلوک و فقر کا وہ طریقہ جو سنت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو وہ ہر طرح محمود ہے۔

لگے۔ اور برابر بائیں طرف نظر دوڑاتے گئے۔ مگر خلافِ عادت بائیں طرف سے ملنا شروع کیا۔ پہلے شخص کو بلا تردد فرمایا۔ کہ مسجد کو چلے جاؤ۔ دوسرے کو دیکھ کر بھی یہی فرمایا۔ تیسرے کے پاس آکر دوزانو[1] آپ بیٹھ گئے! ور اس کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھا اور پوچھا، کیا نام ہے۔ اُس نے عرض کی بہاؤلہ[2]۔ آپ نے فرمایا بہاؤلہ کیا ہے۔ بہاؤالدین نام ہو گا، ساتھ ہی آپ اپنا ہاتھ بڑھاتے گئے۔ اور اس کی منڈی ہوئی داڑھی پر جا رکھا کہ بہاؤالدین یہ کیا۔ نام بہاؤالدین اور چہرا یہ۔ مسلمان کے مسلمان، بے ایمان کے بے ایمان۔ پھر تو اتنا جذب[3] آیا۔ کہ آپ بے اختیار ہو کر اس کی دونوں مُوچھیں پکڑ کر زور زور سے کھینچنے لگے۔ اور فرمانے لگے تمہارا کلمہ تو یہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ انگریز[4] رسول اللہ اور آہستہ سے طمانچے بھی چند لگائے۔

۴۷ زاں بعد دریافت کیا کہ کس کے ہمراہ آئے۔ اُس نے کہا میاں صاحب کے ہمراہ۔ آپ نے کہا کونسے۔ تو اس نے ایک آدمی چھوڑ کر دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ اُس کو چھوڑ کر میاں صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میاں صاحب ایک خوبصورت پچیس سالہ داڑھی صفا نوجوان تھے۔ آپ نے نام پوچھا تو کہا حسین۔ آپ نے فرمایا کیا حسین ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اُس کا منہ دائیں بائیں پھرایا۔ اور فرمایا دیکھو۔ یہ حسین کی شکل ہے۔ یہ حسین ہے۔ اتنے میں دو تین طمانچے آپ نے رسید کر دیئے۔ زاں بعد فرمایا۔ کہ کہو۔ لا الٰہ الا اللہ انگریز رسول اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ لندن کعبۃ اللہ۔ وہ بے چارہ ہیبت سے لرز رہا تھا۔ اور مجلس بھی دم بخود تھی۔ اور برابر پڑھ رہا تھا۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ باپ دادا

---

[1] دوزانو بیٹھنا۔ التحیات کی صورت بیٹھنا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے تمام تربیت یافتگان کا یہی دستور رہا ہے۔ زیادہ دیر تک اس طرح بیٹھنا کافی مشکل ہے۔ عادت سے یہ آسان ہو سکتا ہے یا پھر ذکر و فکر کی مستی اسے آسان بنا جاتی ہے

[2] اچھا نام رکھنا انسانیت کی عزت ہے اور سالم نام سے پکارنا عزت افزائی ہے اور یہ ادب اور وقار کی بنیاد ہے۔

[3] جذب: اندرونی جوش۔ اور یہی ایک ایسی قوت ہے جو بے انتہا مؤثر ہے اور بعض خواص میں یہ اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

[4] یعنی اطاعت کرنی چاہیئے تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تم عملاً انگریز کی اتباع کرتے ہو اس لیے گویا تمہارا رسول انگریز ہے

بھی دیکھے تھے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کی صورت بھی یہی تھی؟ اُس نے کہا جی نہیں فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ مَیں نے سنا ہے کہ بزرگ تھے۔ اُن کی قبر پر[1] اب بھی لوگ حاجات طلب کے لئے جاتے ہیں۔ کیا ایسے ہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایسے ہی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ پھر دو چار طمانچے اور لگا دیئے۔ زاں بعد فرمایا۔ کہ کتنے مربعوں کے مالک ہو۔ اس نے کہا کہ چودہ کے۔ آپ نے پھر دو طمانچے لگائے کہ اللہ نے اتنا دے رکھا ہے اور پھر یہ حالت۔ پھر فرمایا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ[2]۔ زاں بعد پوچھا۔ کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا ذیلدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے۔ اس نے عرض کیا کہ کپتان آیا ہوا ہے۔ اُس سے کچھ کام تھا۔ آپ نے نہایت نرم طبیعت سے فرمایا۔ کہ لوگوں کے فیصلے گھر ہی کر دیا کرو۔ جتنا ہو سکے گھر ہی مٹا یا کرو۔ صورت و سیرت مسلمانوں کی پیدا کرو۔ انگریزوں کے افسر جو گھر آجائیں۔ ان کی خدمت کر کے ان کو ٹال دو۔ اور خود ان کے پیچھے نہ دوڑا کرو۔ اب تمہاری پیشی صاحب کے پاس کس وقت ہے۔ وہ چونکہ آپ کی طبیعت سے ناواقف تھا اِس سے اُسے کچھ معلوم نہ ہوا بلکہ حیران۔ اُس نے سمجھا کہ شاید پھر کچھ تادیب[3] ہو۔ پھر فرمایا کہ دوپہر کا کھانا یہاں ہی کھانا۔ زاں بعد اُس کا ہاتھ پکڑ اوپر کی منزل میں اسے لے گئے۔

۷۳ رمز شناسوں[4] نے کہا کہ مار پیٹ تو بہت کھائی۔ لیکن جس کام کے لئے آیا تھا۔ وہ ہو گیا۔

۷۴ اس قصہ سے ہیبت۔ جلال و جمال۔ خلافِ شریعت پر غصہ اور اشراق۔ غرض کتنی باتیں

عہ۱ اولیاء اللہ کی قبور اپنی اپنی تاثیرات میں مشہور ہیں۔ چونکہ فانی فی اللہ اور مقبول بارگاہِ الٰہی قبر میں مدفون ہوتا ہے اس لیے قربِ الٰہی کے متلاشی وہاں مراقب ہوتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ اور قبولِ دعا کا مقام بھی وہ ہوتا ہے اس لیے بعض دنیوی اغراض رکھنے والے لوگ بھی وہاں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجات پوری فرماتے ہیں۔

عہ۲ اس سے مراد ہے کہ ظاہر، باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اقرار کرو۔

عہ۳ تادیب۔ تنبیہہ

عہ۴ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے جلال میں جمال پوشیدہ تھا۔ جس پہ کچھ سختی فرماتے اس کا کام ہو جاتا۔ حضورؒ کی طبع مبارک نہایت نرم تھی آپؒ رحیم تھے لیکن خلافِ شرع کام پر بھڑک اٹھتے تھے۔

ہیں۔ جو آپ کی ذات بابرکات کے لئے نظر آجاتی ہیں۔

۷۵ جماعت[1] کی سخت پابندی فرماتے۔ کسی کی مجال خادموں سے یا زائروں سے نہ ہوتی۔ کہ شرق پور شریف حضور کے لنگر میں ہو۔ اور جماعت سے غائب ہو۔ مجھ جیسے سست و کاہل کی دو نمازیں بلا جماعت ہو نکلیں۔ وہ بھی ایک تو میں علیل تھا۔ اور عین وقتِ جماعت پیٹ کے اندر خلل ہو گیا۔ اور دوسری جماعت ظہر کے سوتے گذر گئی۔

۷۶ ایک دن امام دین خادم عصر کے وقت نلکہ سے پانی بھرتا رہا۔ اور اس بیچارے کو وقت معلوم نہ ہوا۔ آپ یک دم نہ معلوم کیوں نیچے تشریف لائے۔ سو لئے امام دین کے اندر کوئی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو جماعت پر نہیں گیا۔ وہ بہرا تھا۔ آپ بے تاب غصہ سے ہو گئے۔ اور بار بار فرماتے کہ تمہارے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے جماعت کی پروا نہیں کی۔ لیکن اس نے کچھ نہ سنا۔ اتنے میں میاں دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں یہاں سے چلا جاتا۔ انہوں نے کہا بہرا ہے۔ سنا نہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اب کی تو گذر گئی کہ تو نے سنا نہیں آئندہ جماعت میں نہ پہنچو گے تو نکال دُوں گا۔

۷۷ آدابِ[2] جماعت کا ہمیشہ خیال رہتا۔ صفیں نہایت تاکید سے سیدھی کر والتے۔ اور قدموں کی طرف دیکھتے۔ اگر کسی کے پاؤں میں زیادہ یا کم فاصلہ ہوتا۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے اُس کے قدموں کے فاصلے کو درست فرماتے۔

۷۸ خطبہ[3] میں دوزانو بیٹھنے اور سینے کی طرف دیکھنے کے لئے ہمیشہ وعظ فرماتے۔ اور کسی کو

---

[1] نماز اور جماعت اسلام کے اولین اصول ہیں طریقت میں بھی ان کو اولیت کا درجہ ہے۔ جلیل القدر اولیاء اللہ ہمیشہ سجدہ و سجود کے ذریعے منازل بلند پر پہنچے۔ نماز اور جماعت سے بے نیازی طریقت محمدی کے تقاضوں کے خلاف ہے [2] جماعت کے آداب میں صفوں کو سیدھا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام نے فرمایا اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ کہ صفوں کو سیدھا کرو اور ٹیڑھا نہ ہونے دو مبادا تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں صفوں کے اندر پھرتے تھے اور صفیں سیدھی کرتے تھے۔ سالک جزئیات میں اگر سنت کو ملحوظ رکھے گا تو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے سرفراز ہو گا۔

[3] خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے اس کے بھی آداب نماز کے آداب سے ملتے جلتے ہیں۔ خطبہ میں دوزانو بیٹھنا۔ اپنے سینے کی طرف دیکھتے رہنا۔ اور سر ننگے نہ بیٹھنا اور مکمل سنت ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہے۔ اس لیے حضرتؒ صرف ٹوپی کو پسند نہ فرماتے۔

اس وقت ننگے سر یا ٹوپی پہنے دیکھ نہ سکتے۔ اور کوئی سامنے آجاتا تو وعظ میں اسی بات پر زور دیتے۔ لیکن خاص طور پر کسی کو نمایاں نہ فرماتے۔

۷۹ آداب مسجد[1] میں سے داہنے قدم سے داخل ہونا۔ ننگے سر مسجد میں نہ بیٹھنا۔ دو زانو رہنا۔ بلند آواز سے کلام نہ کرنا۔ اور تنکے نہ توڑنا، پر اکثر زور ہوتا تھا۔

۸۰ ایک بار میں مسجد سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو پہلا لفظ آپ کی زبان سے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مسجد کے تنکوں کو توڑنا خلافِ ادب ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اکثر الگ بیٹھتا تھا۔ اور کبھی خیال میں غرق ہو کر ایسا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس دن بھی یہ توڑ موڑ رہی۔ سبحان اللہ کتنا کشف بلند ہے۔

۸۱ آداب طعام[2] میں تھا کہ کھانا سفرہ پر ہوتا۔ ہاتھ دھونے کی تاکید ہوتی۔ ایک زانو لٹائے اور دوسرا اٹھائے۔ کھانا کھایا جائے۔ اور دو دو چار چار کھائیں۔ سالن پیچھے تو پی لیا جائے اور برتن صاف کیا جائے فراغت کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا جائے۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں۔ جو سنّت بھی ہیں۔ لیکن کسی کی توجہ موجودہ تمدن میں اُن پر نہیں رہی تھی۔

۸۲ حقوق اللہ سے بڑھ کر حقوق العباد کی طرف توجہ تھی۔ فرماتے تھے "کہ اس میں دو حق ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا اور ایک بندہ کا۔"

۸۳ اکثر خدا پرستوں کے پاس بیٹھ کر یہ فرمایا کرتے تھے "جو کچھ ہیں معاملات[3] ہی معاملات ہیں جو معاملات میں اچھا ہے وہی اچھا ہے۔ میرے نزدیک تو معاملات کا درجہ دیگر اعمال صالحہ

---

[1] آداب مسجد: ذکر چونکہ مقصودِ سالک ہے اور ذکر کے سوا ہر مصروفیت مقام ذکر میں ذکر کی مانع ہے۔ اس لیے پوری توجہ اور یکسوئی کی خاطر پابندِ توجہ رہنا ضروری ہے، اور دربارِ خداوندی کی حاضری میں مقرر آداب کے ساتھ جانا اور بیٹھنا چاہیئے۔

[2] فرنگی تہذیب نے کھانے کے آداب بدل دئے ہیں ورنہ کھانے کا مسنون طریقہ وہی ہے جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ پوری تاکید سے پابندی کراتے۔

[3] معاملات: آپس میں برتاؤ کو کہتے ہیں۔ اچھا برتاؤ اسلام کا مایۂ ناز دستور ہے۔ اخلاق محمدی کا نمونہ سامنے ہے حقوق العباد کی پرستش حقوق اللہ کے مقابلے میں ہے گویا عبادت گزار لوگوں کو اپنی دونوں آنکھیں یعنی (حقوق اللہ اور حقوق العباد) برقرار رکھنے کے لیے معاملات (لین۔ دین باہم برتاؤ خوش خلقی وغیرہ) کا خیال رکھنا چاہیئے۔

سے بلند ہے۔

۸۴ ہمارے خانگی معاملات میں کئی طرح کے جھگڑے تھے! ور آپ اکثر از راہ مہربانی خود ہی استفسار فرماتے! ور حقیقت دیکھنے کے بعد فرماتے "میں خوب جانتا ہوں حق تمہارا ہے۔ لیکن تم ہی جانے دو۔ وہ خوش ہو جاویں گے۔" اس پر ذیل کا مسئلہ فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ جماعت کے داہنے طرف بہت ثواب ہے۔ اصحاب داہنے طرف کھڑے ہونے کے لئے اکٹھے ہو جاتے۔ پھر فرمایا۔ جو صف بقیہ کو پورا کرے۔ اس کو اس سے زیادہ ثواب ہے۔ پھر تمام پہلی صف میں بھیڑ ہونے لگی پھر فرمایا کہ جو اپنے بھائی کو جگہ دے کر آپ پیچھے ہٹ جاوے اس کو پہلی صف سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ فرمایا اصل تو یہی ایثار[1] ہے کہ اپنا حق دوسرے کے پیش اور قربان کر دیا جائے۔"

۸۵ سجادہ نشینوں[2] عالموں اور مفتیوں کی خانہ جنگیوں سے اکثر آپ کو درد رہتا تھا۔ اور گاہ بگاہ بیتاب ہو کر علی الاعلان فرماتے "کہ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا۔" چونکہ نظر مبارک نہایت وسیع تھی۔ تمام پنجاب کے بڑے بڑے گھرانوں اور خاندانوں کے واقعات سے آپ باخبر رہتے تھے اور نہایت درد سے یہ ذکر فرماتے۔ اور حقیقت حال کبھی نہ چھپاتے۔ کئی بار بیربل[3] اور مکان[4] شریف کا قصہ و قضیہ احباب سے فرماتے۔ اور علاج سوچتے۔

۸۶ یہ اُس پاک ہستی[5] کی برکت ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔

۸۷ آداب[6] تو اور بھی بہت کچھ ہیں لیکن آپ کا زیادہ زور اور آپ کی توجہ ان پر زیادہ اس

---

[1] ایثار ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس سے خلق خدا کی خوشنودی اور رضائے الٰہی اور قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے نفس پرستی اور اپنے آپ کو مقدم کرنے سے خلق خدا کی طرف سے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے دوری ہوتی ہے۔ فقر و تصوف کا مقصد ہی قرب الٰہی ہے اس لیے فقیر کے لیے اس جذبے کی عملی تربیت از بس ضروری ہے۔

[2] اولیاء اللہ کے صاحبزادے اگر تربیت روحانی سے بہرہ ور نہ ہوں تو عام دنیاداروں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں اور ایسی صورت میں مادی قسم کے جھگڑوں کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہوتا ہے بلکہ جو حضرات اولیاء اللہ کی اولاد میں تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان کو ناتربیت یافتہ پریشان کرتے ہیں۔ ان کی ذاتی خوبیوں ایثار اور ہمدردی کے باوجود وہ انہیں تنگ کرتے ہیں۔ [3] بیربل شریف دریائے جہلم کے کنارے ایک مبارک گاؤں ہے تقریباً تین ہزار کی آبادی ہے اور حضرت قطب العالم محبوب الٰہی حضرت قبلہ مرشدنا مصنف مدظلہٗ کا مولد و مسکن ہے (محشی) [4] مکان شریف ضلع گورداسپور (بھارت) میں ایک مبارک گاؤں جو حضرت امام علی شاہ صاحبؒ مرشد اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ اور حضرت شاہ حسینؒ بھورے والی سرکار کا شہر ہے اور یہ دونوں مقدس ہستیاں یہیں مدفون ہیں [5] کامل ولی اللہ کے خیال کی برکت سے حالات بدل جاتے ہیں [6] روزمرہ کے آداب مثلاً آداب مجلس، لباس، صورت شکل، جمعہ کے آداب، جماعت نماز کی پابندی، آداب مسجد، آداب طعام پھر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پابندی، آپس کے معاملات میں ایثار سے کام لینا اور درگذر کرنا وغیرہ، آداب اسلامی روزانہ کا معمول ہونا چاہیئے۔

لئے بھی۔ کہ دوسرے صوفی۔ بزرگ۔ شیخ۔ عالم۔ مولوی اور واعظ ان کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ اور ان کا اعتبار[1] اُن کی نظر سے ساقط ہو گیا۔ اور کسی ایک کی بھی توجہ میں نے ان کی طرف نہ دیکھی۔ بلکہ خود اس رَو میں چل رہے ہیں۔ تفریحاً ایک قصہ بھی لکھ دیتا ہوں۔

۸۸ ایک دن یہ خاکسار مولانا احمد علی[2] صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں ان کا ایک مخلص آپ سے ذکر کر رہا تھا کہ مولانا غلام قادر[3] رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے محمد مظہر مرحوم سے سنت پر میری تکرار رہی۔ کہ تم فاتحہ نہیں پڑھتے آمین نہیں کہتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۸۹ جب مولانا صاحب چلے گئے، تو باتوں باتوں میں میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے دبی زبان سے جواب دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں تو سنّت پر چلنے والا مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ اس نے کہا کہ نہیں خدا کے فضل سے ہماری جماعت بہت ساری ہے جو سنت[4] کے عاشق اور اس پر جان نثار ہیں اور ہر چیز سے اسے مقدم رکھتے ہیں۔ زاں بعد میں نے نہایت متانت سے کہا۔ کہ اچھا بھائی صاحب یہ ٹرکش کیپ سنّت ہے؟ وُہ خاموش! پھر کہا۔ فرمائیے۔ یہ فرنگیانہ چھوٹے بال سنّت ہیں یا کانوں تک۔ پھر خاموش! میں نے عرض کی کہ چادر رکھنا سنّت نہیں؟ ذرا دیکھو تو سہی آپ کی جماعت میں پیروی سنت کہاں گئی ہے۔ بے چارہ چُپ رہ گیا۔

۹۰ سچ تو یہ ہے کہ اس آخری زمانہ میں مَیں نے تو صرف حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کی ذاتِ بابرکات کو دیکھا تھا۔ کہ جو کتاب وسنّت میں نظر آیا۔ اس پر فعلاً قولاً کاربند ہو کر دنیا کو دکھا گئے۔

۹۱ نماز کے اوقات کی سخت پابندی تھی۔ اور حاجی عبدالرحمٰن[5] صاحب کی خدمت یہ ہی تھی۔ آپ

---

[1] اعتبار ساقط ہو گیا۔ نظروں میں کوئی قیمت نہ رہی۔ [2] مولٰنا احمد علی صاحب مرحوم امیر جماعت خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور بہت بڑے عالم تھے اور قادری سلسلہ کے مجاز تھے علمی اور حالی حلقہ ہر دو رکھتے تھے۔ ۱۷۔ رمضان ۱۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ [3] مولٰنا غلام قادر صاحب مرحوم بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ بیگم شاہی مسجد مستی دروازہ لاہور میں قیام تھا۔ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ تاریخ وفات ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ بیگم شاہی مسجد میں مدفون ہیں۔

[4] سنت کو محدود مان کر عشق سنت کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ کہ رفع یدین سنت ہے آمین بالجہر سنت ہے اور تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنا سنت ہے لیکن حضور پرنور رحمۃ اللعالمین صلعم کی تمام زندگی مقدس کے ظاہر و باطن کے تمام اعمال واشغال، حالات وکیفیات کو سنت ماننا اور ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا مشکل سنت ہے اولیاء اللہ اور ان کے متبعین اسی مشکل سنت کی اتباع میں اپنا ظاہر و باطن درست کرتے ہیں۔

[5] حاجی عبدالرحمٰن حضور قبلہ میاں صاحبؒ کے خلیفہ تھے اور ساری عمر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں گزار دی۔ مزار مبارک قصور شریف ضلع لاہور

اکثر مرۃ المحققین[۱] (جو آپ نے اپنے مصارف سے چھپوائی تھی۔) احباب کو ہدیۃً دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس میں اوقاتِ نماز کی بہت عمدہ تحقیق ہے۔

۹۱ نوافل میں سے تہجد[۲] پر زیادہ توجہ تھی۔ اور اکثر چھ رکعت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے بھی چھ ہی رکعت ادا کرنے کے لئے فرمایا۔ اس کے علاوہ میں نے کوئی ترتیب آپ کی زبان سے نہیں سُنی۔ البتہ میں کبھی تو آیۃ الکرسی سورہ حشر کی آخری آیات۔ قل شریف بتکرار پڑھ کر لطف اٹھاتا ہوں اور کبھی سورۂ بقرہ کا آخری رکوع۔ اور سورۂ نور میں سے اللہ نور السّمٰوٰت پڑھ کر ذوق پاتا ہوں۔ اور گاہ سورۂ اسراء سے اَقِمِ الصّلوٰۃَ کا رکوع۔ اور خاص کر یہ آیۃ شریفہ مجھے بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

وَ قُل[۳] رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَل لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا

وقت ہوتا ہے تو یٰس بتکرار یا سورۃ مزمل کو دوگانہ میں جوڑ لیتا ہوں۔

۹۲ البتہ ایک بار مجھے خیال آیا کہ آپ نے دوسرے نوافل کا ارشاد کبھی نہیں فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض پر تو یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں آنکھ[۴] اور کان بندے کا ہو جاتا ہوں۔ یہ صرف نوافل کا ہی درجہ ہے کہ انسان کو اس درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ نوافل پر ہی یہ عنایت کہ جس طرف چاہو۔ منہ کر کے پڑھتے جاؤ۔ اور جو چاہو۔ بتکرار کثیر پڑھو۔

۹۳ تربیت بالا میں مجھے ہمیشہ ہی ارشاد ہوتا۔ کہ جو کچھ حضرت صاحبؒ (دادا صاحب) کرتے

---

[۱] یہ کتاب حضرت سید الاولیا حاجی حسین بھوسے والی سرکارؒ کے حالات اور کلمات طیبات میں ہے اور حضور قطب العالم میاں صاحبؒ نے اپنے خرچ سے چھپوائی۔

[۲] نماز تہجد۔ یہ وہ نماز ہے جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر فرض تھی اور صحابہؓ و تابعین کے وقت تک عوام و خواص عموماً تہجد پڑھتے تھے لیکن بعد میں جب علم نے غلبہ پایا اور سست قسم کے علماء مقتدا بنے یہ سنت مبارک صرف سالکینِ طریقت کے لیے ضروری قرار پائی۔ اکثر سلاسل میں ۱۲ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں حضرت میاں صاحبؒ اور حضورؒ کے خلفاءؒ اپنے متوسلین کو ۸ رکعت فرماتے ہیں۔

[۳] اور آپ کہہ دیں کہ اے میرے پروردگار مجھے داخل کر صداقت کا داخل کرنا اور مجھے نکال صداقت کا نکالنا اور مجھے اپنے ہاں سے ایک ایسا غلبہ عنایت فرما جو مددگار ہو۔

[۴] حدیث مبارک ہے۔ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبتہ فاذا احبتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا (الحدیث) ترجمہ: اور میرا بندہ نفلوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں مجھ سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے چلتا ہے۔

تھے۔ وہی کرتے جاؤ۔ کیونکہ ان دونوں بزرگوں کی طبیعت آپس میں بالکلیہ[1] ملتی تھی۔ انشاءاللہ کسی دوسرے موقعہ پر موازنہ دکھاؤں گا۔ یہاں پر اس پاک ہستی کا مرقعہ مولانا سوہاوی[2] رح کے اشعار پنجابی سے دکھاتا ہوں جس کی تاکید آپ پیروی میرے لئے فرض کی گئی ہے۔

اشعار

کروں میں صفت کیا ہُن اُس ولی دی ❊ چوائی جس نے ہے سنت نبی دی !
پڑھاون وچہ گذاری عُمر ساری ❊ فقیری دا بھی واہ وا فیض جاری
اوہ عالم ہے تے فاضل ہے ولی ہے ❊ خدا دے راہ وچہ نائب نبی ہے
رہے مسجد دے اندر بیٹھا اوہلے ❊ کدی باجھوں ضرورت دے نہ بولے
پیغمبر دی محبت ایسی رکھے ❊ سوا سنت دے پانی بھی نہ چکھے

یا حضرت اس عشق تیرے وچ عمر گذاری ساری ❊ میں بھی اس طفیلوں چاہاں تیدی مددباری
اُبھا لماں میں سبھ ڈھونڈیا بہتے دھوئیں بھولے ❊ سبھ صفتاں وچہ اس جیہا مینوں نظر نہ آیا مولے
ہور فقیر غاراں وچہ وڑکے چھپ چھپ چلّے گذارن ❊ پیر میرا مسجد دی زینت مخلوقات سوارن
شرع موافق طور صحابہ ابوبکر دا اچالا ❊ ظاہر شغل زیادہ ایہا پڑھن پڑھاون والا

اوہ اک لحظہ جدا نا ہووے رب تھیں ❊ دِسے خاموش حیراں[3] اس سبب تھیں

---

[1] نبی کی طبیعت جیسی ہوگی امت کی طبیعت بھی ویسی ہوگی۔ اسی طرح ولی اللہ کی طبع جیسی ہوگی مریدین بھی اسی سانچہ میں ڈھلیں گے۔ کیونکہ فقر فقیری کا مدار طبع پر ہے اور طبیعت ہی اوّلین فیض ہے جو کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے پھر اس کی تربیت ہوتی ہے۔ پیر کی طبیعت اور مرید کی طبیعت میں مطابقت ہو تو پہلے دن فیض کا باب کھل جاتا ہے، جن بزرگوں کی طبائع آپس میں ملتی ہیں ان کے فیض کے نتائج بھی ملتے جلتے ہیں۔ [2] مولانا محبوب عالم سوہادی، ساکن موضع سوہادہ ضلع گجرات۔ آپ رح حضرتِ اعلیٰ علامہ مرتضےٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ کمال محبت تھی، ظاہری باطنی علوم میں یگانہ تھے۔ اپنے پیر و مرشد کی زندگی میں وفات پائی۔ [3] حیرت معرفتِ الٰہی میں بہت بلند درجہ ہے اور تھوڑے خوش نصیب یہ مقام حاصل کرتے ہیں۔

لوڑے ہر کوئی اس دولت نوں باجھ نصیب نہ پاوے
کیڑا حرص کرے سلیمانی تخت میرے ہتھ آوے

مدینے تک نہیں پہنچن جسے دا   دیکھے وچہ بیربل نائب نبی دا

دو اشعار فارسی بھی دیکھ لیجیے۔

نیست[1] فقط ظاہر او نور شرع   باطن او شمع حقیقت بورع

تن پئے تدریس مربع نشیں   دل پئے تقدیس بعرش بریں

---

۹۵ آپ فرماتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے مستحب کو فرض کر کے ادا کیا۔ سبحان اللہ یعنی جس طرح فرض کی ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کے نزدیک ان کی نماز مستحب کے بغیر ادا نہ ہوتی۔

۹۶ مرض الموت میں جب برخوردار بشیر احمد[2] (طو لعمرہ) کو قاری صاحب نے پیش کیا۔ تو تلقین کرنے کے بعد فرمایا "حضرت مولانا حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی فنا[3] دیکھو اور بقا[4] دیکھو۔ وہ کیسی فنا تھی۔ اور کیسی بقا تھی۔ جتنا موقع ملے۔ ان کی مزار شریف پر بیٹھنا اور غنیمت جاننا۔

۹۷ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی امر کو نہایت عظیم الشان دکھانا ہوتا۔ تو بلغا[5] کی طرح استفہام[6] اور ابہام سے تفخیم پیدا کرتے۔ چنانچہ اس خاکسار کو بیان فرمایا "کہ میں حضرت صاحب کے پاس تین دن بادشاہی مسجد میں رہا۔ سبحان اللہ معلوم نہیں۔ وہ کیا تھے اور حضرت صاحب للہ والا نے دیا کیا؟ اور بیربل والوں نے لیا کیا؟ ذاں بعد فرمایا۔ گھیٹا پکا تھا۔ اور آپ ہاتھ ڈال کر ٹکڑا گھیٹا تلاش فرماتے تھے۔ لیکن اس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص تو نہیں آتا" یہ اشارہ تھا۔ اس امر کا

---

[1] صرف آپکا ظاہر ہی شریعت کے نور سے منور نہیں ہے بلکہ پرہیزگاری کیوجہ سے آپکا باطن شمع حقیقت بنا ہوا ہے آپکا جسم مبارک درس تدریس کیلئے زمین پر تشریف فرما ہے اور دل پاکیزگی کے حصول کیلئے عرش اعظم پر ہے [2] حضرت محبوب الٰہی قبلہ عالم مصنف مدظلہ العالی کے بڑے صاحبزادہ صاحب جوانی میں وصال فرما گئے تھے۔ [3] فنا: سلوک میں سالک کو کئی مقامات سے گزرنا ہوتا ہے ایک مقام فنا ہے سالک پر پیر مرشد کی برکت سے اور ذکر کے انوار سے عالم امر کا ایسا عکس پڑتا ہے کہ اسکی انا دنیا سے منہ موڑ لیتی ہے جسکے ساتھ ساتھ انا کی ہر پیداوار بے قیمت بن جاتی ہے اور اس کی روح اس بوجھ سے الگ ہو بیٹھتی ہے [4] فنا کی منزل میں رہ کر اور فنا کی آغوش میں پل پل کر سالک پھر جب عالم کی تربیت کیلئے منتخب ہوتا ہے تو صفات الٰہیہ کا پرتو قبول کرتا ہے پھر صفات کے ہر مظہر کی قدر اسکی نظروں میں قائم ہو جاتی ہے وہ اب انہیں اشیا کو اغنا کی نگاہ سے دیکھتا ہے جنکی کوئی قیمت اسکی نظروں میں نہ تھی فرق یہ ہے کہ پہلے وہ ہر چیز کو اپنی انانیت کی آنکھ سے دیکھتا تھا، لیکن اب وہ اسے صفات الٰہیہ کی نظروں سے دیکھتا ہے [5] بلغا: جمع بلیغ کی مختصر الفاظ میں بڑے معانی پیدا کرنے والا [6] استفہام سوال کرنا، ابہام۔ بے خبری کا اظہار۔ تفخیم۔ عظمت پیدا کرنا۔

کہ ظاہری حالت سے باطنی کمالیت کا پتہ نہیں چلتا۔ جیسا کہ آج کل لوگوں کا دستور ہے کہ ظاہر پر جاتے ہیں۔ اور ظاہر کی فریب کاری کو حقیقت کا ترازو جانتے ہیں۔ فتدبر[۱]۔

۹۸ مجھ سے اور کئی احباب سے ذکر فرمایا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت[۲] صاحب نے نہاتے وقت بھی ٹوپی سر سے کبھی نہیں اُتاری تھی۔ جس دوست نے پہلے ذکر مجھ سے کیا۔ اس کو حقیقت کا پتہ نہ چلا۔ آپ کا مطلب فوراً میرے دل میں اُتر آیا کہ آپ نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شہود[۳] کا ذکر فرمایا کہ وہ اس درجہ شہود میں غرق تھے کہ ٹوپی سر مبارک سے نہ اتار سکتے تھے۔ اور ہر وقت زیر تجلّی[۴] تھے۔ اور درحقیقت ایسا ہی تھا کہ آپ ہمیشہ محویت[۵] اور حیرت کے عالم میں رہتے کوئی جا کر کچھ کہتا تو جواب دیتے۔ ورنہ خاموش حیران۔ بلکہ اپنے مشاغل دینی میں بھی یہ محویت اور حیرت نہ جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ شہود تو یہ ہی ہے جو دائمی اور درجہ تمکین[۶] تک پہنچ گیا ہو۔ ایک گھڑی تو ساری دنیا کو ہوتا ہے ورنہ وہ حق خدائے تعالےٰ کو تسلیم کیونکر کریں۔

۹۹ ایک دن آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے حضرت صاحب کس طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ شمال کی طرف۔ اس پر آپ نے فرمایا، کیا جانب شمال؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہاتھ سے شمال مغرب[۷] کے گوشہ میں اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ تم بھی اسی طرف رُخ کر کے بیٹھا کرو۔ اس میں بڑی برکت ہے۔ جب میں نے گھر آ کر حضرت صاحب کے خاص خادموں سے معلوم کیا۔ تو آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے۔ صحیح ہو نکلا۔ اور اس ارشاد سے پیشتر مجھے اس سمت سے رُوحانی تعلق[۸] خود بخود پیدا ہو چکا تھا۔

---

[۱] فتدبر: اب آپ خود سوچ لیں۔ [۲] حضرت قبلہ غلام مرتضےٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ
[۳] شہود: "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے" کا مقام ہے [۴] تجلی الٰہی کا ہر وقت آپ پر غلبہ تھا۔
[۵] محویت اور حیرت یہ دونوں الفاظ ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہیں یعنی ماسوا سے کلی بیگانگی اور تبتل اور ذات و صفات میں کامل مشغولیت۔
[۶] درجہ تمکین۔ قیام و دوام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تجلّی الٰہی کا دوام بڑی دولت ہے۔ کاملین میں سے بعض کو ہی یہ مرتبہ ملتا ہے۔
[۷] خطۂ پنجاب سے عراق شمال مغرب کے رُخ ہے۔ اور بغداد میں حضرت غوث الوریٰ الشیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ اس لیے اس سمت کو صوفیا احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت یا سلسلے کا تعلق رکھنے والے عموماً اسی سمت رُخ کرتے ہیں۔
[۸] رُوح جب نسبت پا کر لطیف ہو جاتی ہے تو قلبی احساسات بہت بڑھ جاتے ہیں الفت اور نفرت کی لہریں دور و نزدیک سے پہنچ جاتی ہیں اور جہاں نسبت کا فیض ہوتا ہے وہاں سے پہنچ جاتا ہے۔

۱۰۰ اِس قصّہ سے آپ کا کشفِ[1] عیانی کتنا عیاں ہے۔ گو آپ کتنا ہی اس امر کو چھپاتے تھے۔ لیکن بات بات پر صاحبِ نظر کو دکھائی دیتا تھا۔ آپ کشف میں کشفِ عیانی کا درجہ رکھتے تھے اور ایسا ہی دیکھتے تھے۔ جیسے ہم سامنے اشیا کو دیکھتے ہیں۔

۱۰۱ اس امر میں میرے جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بھی یہی تھا۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت الٰہی[2] رحمۃ اللہ علیہ کے کئی ایک مکتوب مغیبات[3] کے استفسار کے لئے ملے۔ اور برادرانِ طریقت آپ سے اپنی اپنی نسبت دریافت فرماتے۔ آپ نہایت صحیح جواب دیتے۔ آپ کا اپنا مقولہ ہے "کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیشہ[4] بھی دیا ہے۔ اور تلوار بھی۔" الحق ایسا ہی تھا۔ جو کچھ کشف کی وجہ سے فرماتے پورا پورا صحیح ہو نکلتا۔ اور جس کسی پر غیرت کی نظر پڑی تختہ الٹ دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی۔

ہر دو حضرات رح کی نسبتیں آپس میں بہت کچھ ملتی ہیں۔ اور اسی اتحاد فی النسبتہ[5] نے حضرت قبلہ مرشدم رح کو حضرت جدّ امجد رح سے ایک عقیدت پیدا کر دی تھی۔ اور ہر امر میں آپ کی مثال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جد امجد رح ایک مکتوب میں اپنی نسبت کی بابت یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ (کہ نسبت[6] ایں فقیر ممزوجہ بقلندریہ است) اس نسبت قلندریہ کے یہ کرشمے تھے۔ کہ شیشہ اور تلوار سے ہر وقت آپ کی طبیعت مشابہ رہا کرتی تھی۔ اپنی نسبت قلندریہ کے امتزاج نے ہمارے قبلہ مرشدم رح کو درجہ تقرب پر سرفراز فرمایا۔

---

[1] کشف عیانی کشف کی ایسی بلند قسم ہے کہ صاحب کشف ماضی اور مستقبل کے پردوں پر واقعات کی تصویریں اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔
[2] حضرتِ اعلیٰ غلام نبی للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ۔
[3] مغیبات۔ غیب کی باتیں۔
[4] شیشہ سے مراد کشف عیانی اور تلوار سے مراد مؤثر جلال کہ کسی کے خلاف غیرت آئی اس کی تباہی پھر گئی۔
[5] اتحاد فی النسبت = نسبت میں اتحاد۔ یعنی ایک جیسی نسبت۔
[6] اس فقیر کی نسبت قلندری نسبت سے ملی جلی ہے۔
سلوک اور جذب دو راستے ہیں سفر الی اللہ کے۔ جذب کی نسبت میں ظاہر سے بے توجہی اور باطن کی جانب کامل توجہ اور سلوک میں ظاہر آداب پر کامل توجہ اور باطن ظاہر کے تابع۔
نسبت ممزوجہ وہ ہے جس میں ظاہر و باطن پر یکساں توجہ ہو اور دونوں نسبتیں برابر اپنا کام کریں۔

ذِکر[1]

۱۰۲ ذکر کو مَیں نے لسانی ذکر کی وجہ سے عملی تربیت میں ذکر کیا۔ ورنہ درحقیقت یہ روحانی تربیت ہے۔ لیکن اگر ذکر کے ابتدائی مراحل کا ذکر عملی تربیت میں لکھا جائے تو نامناسب اور ناموزوں نہیں ہو گا۔

۱۰۳ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مجتہد[2] کا درجہ رکھتے تھے۔ اور حاذق حکیم کی طرح وہ نسخہ تجویز فرماتے۔ جو نوعی[3] نسخہ سے بڑھ کر شخصی[4] نسخہ ہوا کرتا۔ اور پورے اپنے آقائے نامدار حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم[5] بقدم تھے۔

۱۰۴ جیسے کسی کی طبیعت دیکھی۔ ایسا ہی ارشاد بھی فرمایا۔ نابالغ بچوں کو بالکلیہ ذکر کی تلقین نہ فرماتے اور بوڑھے سن رسیدوں کو بھی بہت مختصر ذکر فرماتے۔ البتہ جوانوں اور ادھیڑ لوگوں پر آپ کی توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ اور حتی المقدور اُن سے خوب کام لیتے۔

۱۰۵ نو وارد کے لئے کبھی تو بسم اللہ شریف فرماتے۔ کہ ہر کام سے پہلے پڑھ لیا کرو۔ کبھی فرماتے سوتے ہوئے گیارہ بار یا کم و بیش۔ کسی کو صفاتی نام کا سبق فرماتے۔ اور اکثر یہ بھی دیکھا کہ اسی کے نام سے صفاتی نام باری عز اسمہ[6] کا ذکر کے لئے فرما دیتے۔

۱۰۶ عبد العزیز آیا تو یا عزیز۔ عبد الحق نام ہے تو یا حق۔ کئی ایک کو صفاتی نام یا کریم یا رحیم

---

[1] ذکر کی اہمیت قرآن پاک میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے۔ ذکر کی ابتدا ایک ظاہر عمل ہے اور اسی ظاہر سے باطن کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔ ذکر بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت قلبی مشکلات میں پہلے درجے پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر یکسوئی کے بغیر دوام نہیں پکڑتا۔ اور ہمارے کھلے ہوئے حواس یکسوئی ہونے نہیں دیتے۔

[2] عام طور پر اپنے اپنے سلسلہ کے اذکار شیخ اپنے مریدوں کو بیان فرماتے ہیں اور فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جس طبیعت اور جس استعداد کا ہوتا اسی کے موافق ذکر کی تلقین فرماتے۔

[3] جو عام لوگوں کے لیے تجویز ہو۔

[4] جو خاص خاص اشخاص کے لیے تجویز ہو۔

[5] حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر صحابی رض کی الگ الگ تربیت فرمائی۔

[6] عزت والا ہے نام اُس کا۔

الگ الگ یا جمع پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ اور بعض کو سوتے ہوئے کلمہ شریف کے تکرار کا حکم فرماتے اور بعض کو ہر نماز کے بعد گیارہ بار قل شریف (سورہ اخلاص) غرض اس میں ذکر لینے والے کی طبیعت پر دارومدار ہوتا۔ ازاں بعد آپ تبدیل حسبِ ضرورت فرماتے۔ تا اینکہ اسم ذات[1] پر پہنچاتے۔

۱۰۷ اچھی طبیعت[2] اگر مل جاتی تو پہلی بار ہی اسم ذات کی تلقین فرماتے اور خفیہ ذکر پر تاکید فرماتے کہ لوگوں نے ذکر کو فقر کے لئے لازم سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قرآنی حکم ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری۔ فَاذْكُرُوا[3] اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔

۱۰۸ آپ ہر حالت میں ذاکر رہنے کے لئے یہ آیہ شریفہ پڑھ کر تاکید فرماتے۔ فَاذْكُرُوا[4] اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۔

۱۰۹ اُدْعُوا[5] رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً آپ کی زبان فیض ترجمان پر اکثر ہوتا۔ اور اتنا اخفا کی تاکید تھی کہ تسبیح تک ہاتھ میں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی نمود[6] ہے اور ذکر خفیہ نہیں رہتا۔ اکثر یہ مصرع بھی فرماتے۔ ؎

چناں[7] پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن

۱۱۰ تسبیح کا استعمال صرف درود شریف کے لئے جائز تھا۔ اور وہ بھی پوشیدہ۔ کپڑے کے اندر۔

۱۱۱ دوسری بار جب میں حاضر ہوا تو حسبِ عادت طبیعت تشکیہ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ بار بار اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو آپ نے جھٹ یہ شعر پڑھا۔ جو خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

---

[1] نقشبندی سلسلہ کے بزرگان عموماً اسم ذات سے ہر سالک کی ابتدا فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت میاں صاحبؒ کا عموماً دستور صفات سے ذات کی طرف رجوع تھا۔

[2] جس طرح ذہانت علم کے حصول میں بڑی کارآمد قوت ہے اسی طرح طبیعت کا ذوق شوق اور توجہ الی اللہ اور باطنی استعداد حصول معرفتِ الٰہی کے لیے شرط سلوک ہے۔

[3] اللہ کا بہت ذکر کیا کرو تاکہ نجات پاؤ۔

[4] تم کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے) ذکر کیا کرو۔

[5] اپنے رب (تعالیٰ) کو عاجزانہ اور پوشیدہ پکارا کرو۔

[6] دل کے معاملات عجیب و غریب ہیں اس میں ہر چیز آسانی سے پہنچ جاتی ہے۔ نفس پہ اگر فنا کی تاثیرات غالب نہ ہوں تو سالک کو نمائش اور نمود کا جذبہ ترقی سے روکتا ہے۔

[7] اس کا ذکر ایسا پوشیدہ کریں کہ اپنے دل سے بھی پوشیدہ رکھیں۔

۵ یقین[1] بداں کہ تو باحق نشستہ شب و روز — چو ہمنشین تو باشد خیال نام خدا

اور فرمایا کہ یہ خواجہ معین الدین[2] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔ اسے کہتے ہیں اشراق[3] اور یہ ہے کامل کی تربیت۔

۱۱۲ ایک بار حاضر ہوا تو ذکر کی وجہ سے کوفت زیادہ ہو جاتی تھی۔ کہ ھُو[4] کی ضرب دل پہ زیادہ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ طویل ضروب سے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ صرف اللہ۔ ہُو۔ مختصر ضرب کافی ہے۔ سبحان اللہ۔ اس کے بعد کوفت نہ رہی اور ذکر بھی دل میں جم گیا۔

۱۱۳ اگرچہ حاضری سے بیشتر مختلف اذکار میں نے لئے۔ اور بہت ذوق بھی اٹھائے۔ لیکن ذاکر نہ ہوتا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بھی تقریباً دو سال یہی حالت رہی۔ اور حیران تھا کہ اس کٹھن منزل سے کیونکر نکلوں گا۔ کیونکہ میری طبیعت کسی ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنے والی نہ تھی۔ اور فطرت سے بے چین پائی تھی۔ لیکن صرف قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مبارک کا کرشمہ تھا کہ بے چین کو سبق از بر ہو گیا۔

اسم ذات کا تصور

۱۱۴ ایک بار حاضر ہوا تو فرمایا۔ کہ بزرگ تو تصور[5] پیر فرماتے ہیں۔ لیکن میں تو اسم ذات "اللہ" کا تصور ہی کافی جانتا ہوں۔ اور اس نقش کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ چنانچہ نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت شاندار اپنے ہاتھ سے خاکہ تیار فرما کر طبع فرمایا۔ اور احباب میں تقسیم فرمایا۔

۱۱۵ آپ اپنی انگلیوں کو سامنے کر کے اسم ذات کا عمدہ تصور جماتے کہ انگوٹھا کو انگلی شہادت سے حلقہ بنا کر گویا لام سے ہ کا پیوند لگاتے۔ سبحان اللہ آج تک نقشہ سامنے ہے۔

---

[1] تو اس بات کا یقین پیدا کر کہ اگر تو اللہ کے نام کے خیال میں قائم ہے تو یوں سمجھ کر تو خدا کے ساتھ رات دن بیٹھا ہوا ہے۔ [2] سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید روضہ مبارک اجمیر شریف میں ہے جو عوام و خواص کا مرجع ہے۔ [3] جزئی اور کلی حالات و کیفیات کا کھل کر سامنے آجانا تصوف میں اشراق کہلاتا ہے ہر سالک اپنی اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس دولت سے بہرور ہوتا ہے۔ [4] ھُو اللہ کی ضمیر ہے اور ایک مستقل ذکر بعض حضرات نے تو صرف ھُو، ھُو کو اتنا پختہ کیا کہ یہی ھُو رگ و ریشہ میں سما گیا۔ [5] تصور شیخ میں بعض حضرات کا معمول یہ ہے کہ باقی وظائف کی طرح یہ بھی ایک وظیفہ ہے لیکن اصل تصور وہ ہے جو بے تکلف پیدا ہو جائے۔ محبت جب سالک میں جوش مارتی ہے تو محبوب ترین منظر کی تلاش میں ہوتی ہے اور قریب ترین اور محبوب ترین منظر اپنے شیخ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اس صورت میں از خود طبیعت ادھر مائل ہوتی ہے اور شیخ کامل کی صورت عموماً سامنے رہتی ہے۔ ایسے تصور کی حضرت مجدد الف ثانی نے بھی تعریف فرمائی ہے۔
اسم ذات کا تصور دوام ذکر کے حصول کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور یہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی کارنامہ ہے۔

اشراق

۱۱۶ ایک دفعہ فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے اگر اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو بہت مفید ہے پھر فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو عجب لطف آتا ہے پہلے پہلے[1] تو یہ باتیں بہت مشکل ہوتی تھیں۔ لیکن کچھ تھوڑی مشق کے بعد اور آپؒ کے ارشاد کی وجہ سے آخر نہایت آسان ہو گئیں۔

۱۱۷ یہاں ایک اور بات یاد آگئی۔ ایک بار آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کی خوئے بوئے پیدا کر لو۔ میں نے یہ بات جناب برادرم حاجی[2] صاحب سے ذکر کی۔ کہ آپ ہمیشہ ایسا فرماتے ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ کے ان الفاظ میں انشاء اللہ برکت ہو گی۔ چنانچہ اکثر دیکھا کہ جو ارشاد آپ کی زبان فیض ترجمان سے کسی کے بارے میں نکلتا۔ ضرور اس کا اثر خوب ظاہر ہوتا۔

۱۱۸ جب میری یہ تمام منازل طے ہو گئیں۔ تو آپؒ نے آخری[3] منزل کے لئے بدیں الفاظ ارشاد فرمایا

۵ تو مباش[4] اصلا کمال این است و بس تو در وگم شو وصال این است و بس

۱۱۹ اس سے پہلی منزل وہ تھی کہ "چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن"۔ لیکن سبق کے چلانے میں آپ مسترشدین (سالکین) سے دریافت نہ فرماتے۔ بلکہ اپنی نسبت[5] سے طالب کی نسبت دریافت فرماتے اور کوئی خامی ہوتی۔ تو اشارۃً اس کی طرف توجہ دلاتے۔ یا تنبیہ فرماتے یہ خاصہ موجودہ عصر میں صرف آپؒ کی ذات میں اللہ تعالےٰ نے رکھا تھا۔ دوسرے تمام مشائخ طالب سے حال پوچھتے ہیں۔ لیکن آپ ہرگز دریافت نہ فرماتے۔ البتہ کبھی کبھی از راہ محبت زبانی بھی دریافت فرما لیتے۔ لیکن بہت کم۔ چنانچہ اس خاکسار بدکردار سے بھی بوجہ محبت جب

---

[1] روحانی سلسلہ میں ابتدا میں ہر چیز مشکل ہوتی ہے اور اس مشکل کا حل بیشک کامل پیر کی توجہ ہے لیکن ذاتی محنت اور مشق بھی انتہائی ضروری ہے۔
[2] حاجی عبدالرحمٰن صاحب [3] ہر ارتقائی مقام کے منازل اور مراحل ہیں۔ فقر و تصوف کی آخری منزل فنا کی تکمیل ہے۔ سالک جب راہِ مولا میں سفر کرتا ہے تو دنیا سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ یہ عالم اسباب ایک کھلونا نظر آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی ہے تو ماسوا کا ڈھانچہ نظر میں نہیں رہتا اور تمام احساس ماسوا سے ہٹ کر روح پر لگ جاتا ہے اور اس محویت میں اپنا آپ بھی بھول جاتا ہے بس تو ہی تو رہ جاتا ہے اور یہی وصل و وصال ہے سے جو وہ ہوتے ہیں ہیں ہونا نہیں ہوں ؎ یہی دیوانے کو غم کھا گیا ہے
[4] تیرے مرتبے کا کمال یہ ہے کہ تو مت رہ اور تو اس (ذات) میں گم ہو جا یہی وصال ہے اور بس۔
[5] میرے قبلہ و کعبہ دام ظلہٗ (حضرت مصنف مدظلہٗ) نے جہاں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام خصوصیات حاصل کیں وہاں یہ خصوصیت بھی بدرجہ اتم حاصل فرمائی۔ کہ طالب کی حالت سے طالب کے کوائف معلوم فرما کر اپنی نظرِ کرم سے اور نور بھرے سینے سے سالک کی تربیت باطنی فرماتے ہیں۔ (محشی)

میں تیسری بار حاضر ہوا تو آپ نے فائدہ باطنی دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کی کچھ ہوا۔ حالانکہ جذبہ سے فنا تک آپ نے پہلے دن پہنچا دیا تھا۔ یہ میری عادت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ فائدہ باطنی تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا[1] نہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ تھوڑا بھی بہت ہے۔ پھر حضرت قبلہ عالم جد امجد علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب سے بھی بعینہٖ یہی الفاظ نکل آئے " اندک[2] نسبت بزرگان اندک نباید شمرد" اور ایک بار جب میں گذشتہ رمضان ۱۳۴۶ھ سے پیشتر حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اب اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے اور سوتے کیا حالت رہتی ہے۔

۱۲۰ سبحان اللہ! آپ کے کمالات کا صرف اسی سوال سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ جب تک ان تمام حالتوں میں طبیعت بحال نہ رہے۔ تو سلوک کے تمام کرنے سے کیا فائدہ۔ بہتیرے دیکھے کہ سلطان[3] الذکر بھی انہیں جاری ہو گیا۔ مراقبات[4] بھی طے ہو گئے۔ لیکن حالت وہی ہے۔ اخلاق ہیں تو وہ۔ افعال ہیں تو وہ۔ گفتگو ہے تو وہ نشست و برخاست ہے تو وہ۔

الغرض اس راہ میں جو کچھ ہے۔ حالت ہی حالت ہے اور بس جس کا حال بدل گیا اس کی حقیقت بدل گئی وہ اپنے مقصود پر کامیاب ہو بیٹھا۔ اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔

۱۔ ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف منہ موڑنا بھی مشکل ترین امر ہے باطن کی لذتیں ظاہر کی لذات کو مٹا دیتی ہیں۔ اور مقصود حیات بھی یہی راہ ہُدیٰ ہے۔ اس لیے اس راستے پر چل نکلنا ہی کیا کم ہے کہ اس کی انتہا کی طلب ستائے ۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں ۔ میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں ۔

۲۔ بزرگوں کی تھوڑی نسبت کو تھوڑا نہ سمجھنا چاہیئے۔

۳۔ ذکر کی ایک جامع اور آخری کیفیت ہے جس میں رؤاں رؤاں ذاکر محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ مراقبہ کی جمع ہے۔ انتظار فیض میں متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھنے کو مراقبہ کہتے ہیں اور اس کی کئی اقسام ہیں۔

دیگر اَوْراد

۱۲۱ ا-ا- درود شریف- قبلہ علیہ الرحمۃ تمام متوسلین کو درود خضری صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ[1] وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ- فرمایا کرتے تھے- عموماً پانصد بار بعد نماز تہجد[2] اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار-

۱۲۲ فرمایا کہ اَللّٰہُ کی ضرب دل پر پڑھتے ہوئے لگے-

۱۲۳ فرمایا کہ پہلے تو وَاَصْحَابِہٖ[3] کے کہنے کی ضرورت نہ تھی- اب وقت اور آ گیا- اب ضروری ہے- چنانچہ پہلے متوسلین یہ نہیں پڑھتے تھے لیکن مجھے خاص طور سے فرمایا-

۱۲۴ با وضو- دو زانو تاکید فرماتے-

۱۲۵ ایک بار مجھے خیال آیا کہ اکثر لوگ درود با وضو اور با ادب پڑھتے ہیں- اور قرآن مجید اس ادب سے تلاوت نہیں کرتے- حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت صادق[4] علی شاہ صاحبؒ دو زانو بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتے اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے وقت اپنا کپڑا زانو کھڑے کر کے لپیٹ لیتے تھے- (اپنی عادت مبارک کے مطابق فرمایا-) کہ معلوم نہیں کیا بات تھی- اس درود شریف کے با ادب پڑھنے کے برکات اور انوار دکھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہر ایک دوست نے خود دیکھے اور دوسرا چہرے اور پیشانی سے دیکھ سکتا ہے-

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور آپؐ کی آل پر اور آپؐ کے اصحاب پر اور سلام بھیجا-

[2] درود شریف کا بہترین وقت ہے- فضا ستھری ہوتی ہے- دل افکارِ دنیا سے علیحدہ ہوتا ہے اور تاثیرات دل پر چھا جاتی ہیں-

[3] آل کا لفظ تمام صالحین امت پر شامل ہے لیکن بعض لوگوں نے آل کے لفظ کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کے لیے مخصوص قرار دیا ہے اس لیے "واصحابہ" کا اضافہ ہمہ گیری کے لیے ضروری ہوا-

[4] حضرت میر صادق علی شاہ صاحبؒ حضرت غوثِ وقت امام علی شاہ صاحبؒ کے صاحبزادہ اور سجادہ نشین تھے-

۱۲۶ (۲) الحمد شریف تین بار سے لے کر ایک سَو ایک بار مختلف اصحاب سے معلوم ہُوا کہ آپ نے اجازت بخشی۔ اور مختلف طریقوں سے کئی ایک کو تنکرار آیت ہفت بار۔ سَہ بار بھی فرماتے مجھے اکانوے بار بوقت شام پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

۱۲۷ (۳) سورۃ الم نشرح بھی خواص کو فرماتے۔ تعداد بھی کم و بیش ہوتی۔ مجھے اکاسی بار پڑھنے کا ارشاد بعد نماز صبح فرمایا۔ ان دونوں سورتوں کے برکات اور فیوضات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور پڑھنے والا اپنے اندر ان کے برکات اور فیوضات دیکھ سکتا ہے۔ اکثر میری حالت پر فرماتے "مجھے تو۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا سے سب کچھ نظر آتا ہے"۔

۱۲۸ (۴) اَورادِ فتحیہ بھی خواص کو فرماتے۔ چنانچہ مجھے پہلی بار ہی اجازت بخشی۔

۱۲۹ ایک دفعہ بندہ حاضرِ خدمت ہُوا۔ اور مولوی محمد حسین علی صاحب کا رسالہ دربارۂ ندا "یا رسول اللہ" مجھے کہیں راستہ میں مل گیا۔ جو علم غیب کی بابت لکھا گیا تھا۔ اور یا رسول اللہ کہنا ناجائز اس میں قرار دیا گیا۔ وہ میری جیب میں تھا۔ چونکہ اورادِ فتحیہ میں صلواتِ ندائیہ تھے حضور کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اورادِ فتحیہ کے تمام اذکار اور دعائیں نہایت صحیح اور ماثورہ طریقہ سے مروی ہیں۔ اس میں کسی طرح کا تذبذب (تردد) نہیں۔ بڑی ہی برکت سے پُر ہیں۔

۱۳۰ پھر فرمایا "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ لیکن حاضر و ناظر بھی"۔

۱۳۱ پھر فرمایا۔ "ہم نے تو کلامِ ربانی بھی آپ کی ہی زبان سے سنا"۔

ع۱ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔

ع۲ حضرت امیر کبیر حضرت شاہ علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ اوراد وظائف ہے نہایت بابرکت ہے اور سلسلۂ شرقپوری کا معمول بہا ہے۔ آپ کی قبر مبارک سرینگر (کشمیر) میں ہے۔

ع۳ حاضر ناظر۔ حضور سید البشر کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے بعد تمام انوار سے وسعت اور دلپذیری رکھتا ہے۔ نور کو دیکھنے کے لیے نور ہی کی ضرورت ہے اس لیے یہ عرفان اور مشاہدہ کا نہایت اہم مسئلہ ہے اور نازک تر بھی۔ اس لیے اہل مشاہدہ باتفاق اس کے قائل ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی صاحب اس حضوری میں کمی محسوس کرے تو وہ اس کی اپنی کمی ہے۔ نورِ رسالت مآب کی ہمہ گیری میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

ع۴ عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم بھی حضور کے واسطہ سے ہُوا۔

۱۳۲ پھر فرمایا "قرآن شریف بھی آپ کی زبان سے ہے۔ اور حدیث شریف[1] بھی آپ کی زبان سے"۔

پھر فرمایا "اگر اللہ تعالےٰ فرشتوں[2] کو دور سننے اور پہچاننے کی طاقت دے سکتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کان دور سننے کے لئے نہیں بنا سکتا۔

۱۳۳ ۵) سورۃ توبہ کی آخری دو آیات لقدجاءکم[3] رسول اور سورۃ حشر کے تین آیات آخری۔ اور کلام اللہ شریف سے پہلے درود شریف اَللّٰھُمَّ صل علیٰ سَیّدنا محمّد وعلیٰ اٰل سیّدنا محمّد کما صلّیت علیٰ سیّدنا ابراھیم وعلیٰ اٰلِ سیّدنا ابراھیم اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ط اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشّیطان الرّجیمِ ط کا ارشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ آئتہ نور اور آئتہ اللّٰھم مالکَ الملکِ وغیرہ جس کا القا آپؐ کے سینہ مبارک میں ہوتا۔ کسی کسی کے لئے اس کے پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔

---

[1] وما ینطق عن الھویٰ کی تفسیر ہے۔

[2] ع "بعد از خدا بزرگ توئی" کی تسلیم کے بعد ہر قسم کے کمالات کی تسلیم ایمان بن جاتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی ہر قسم کی عظمت ماننے کے لیے اہلِ علم تیار ہیں اور رسالت کے کمالات کی تسلیم کے سامنے بشریت کا پردہ حائل رکھتے ہیں حالانکہ نبوت اور رسالت تو بشریت کی تمام کمزوریوں سے بلند و بالا ہیں۔

[3] البتہ تحقیق تمہارے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے۔

تربیتِ رُوحانی

۱۳۴ اس تربیت میں آپ یدِطُولیٰ[1] رکھتے تھے۔ الٹا سیدھا سب درست اور سیدھا۔ وہ انسان کتنا کامل ہے۔ جس کا کوئی وار خطا نہ جاتا ہو۔ آپ کا ہاتھ۔ یدِ موسٰی[2] تھا۔ آپ کا دم، دمِ[3] عیسٰی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کو سامنے دیکھ کر یہی کہنا پڑتا تھا۔

ع آنچہ[4] خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۳۵ ۱) عوام کو توجہ اپنی زبان دُرفشاں سے فرماتے۔ اور باتوں باتوں میں دنیا کا نقشہ بدل جاتا تھا۔ ساری دنیا فنا ہی فنا نظر آتی۔ لامذہبی کی جگہ مذہب اپنا روشن چہرہ آفتاب کی طرح دکھاتا۔ رسومِ بد کی حقیقت آنکھوں میں جلوہ گر ہو جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عشق دامن گیر ہو جاتا۔ آنکھوں سے مینہ کی طرح پانی برسنے لگتا۔ غرض کفر سے ایک گھڑی میں مسلمان کر بیٹھاتے۔ ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں اس فیض سے فیضیاب ہوئے اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں۔ جاہل نہیں۔ بلکہ عالم اور فاضل آئے اور اسی رنگ میں گھڑی کی گھڑی میں رنگے گئے۔

۱۳۶ ۲) آپ کی باتیں نہایت سادہ ہوتی تھیں۔ لیکن روحانیت سے پُر۔ ایک بار میں بیٹھا تھا کہ ایک منشی فاضل آئے۔ آپ نے اور باتیں دریافت کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ سکندر نامہ بھی پڑھا ہے؟

---

[1] کمال [2] حضرت موسٰی علیہ السّلام کا ہاتھ، یعنی معجزانہ قوتوں کا حامل۔

[3] حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا سانس، یعنی مُردوں کی زندگی اور بیماروں کی شفا۔

[4] مکمل شعر یُوں ہے ؎ حسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری - آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ شعر: حضرت یوسف ؑ کا حُسن، حضرت عیسٰی ؑ کا سانس اور حضرت موسٰی ؑ کا ہاتھ (یہ تمام معجزانہ قوتیں) آپ ﷺ رکھتے ہیں۔ مراد یہ کہ جو جو کچھ تمام محبوبانِ عالم فرداً فرداً رکھتے ہیں آپ ﷺ اکیلے وہ سب کمالات رکھتے ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف)

بھلا اِن اشعار کے کیا معنی ؟ ؎

چو اوّل شب آہنگ خواب آورم[1] — بہ تسبیح نامت شتاب آورم

چو در نیم شب سر برآرم زخواب — ترا خوانم و ریزم از دیدہ آب

آپ مکرر سہ کرر پڑھتے تھے۔ اور میرے آنسو نہ تھمتے تھے۔

۱۲۷ ۳) مجلس شریف میں اکثر موجودہ تمدّن کا ذکر فرماتے۔ کہ پیسوں کے بتوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے۔ حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ[2] انگریزی کلوں نے ہمیں تباہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اِن فقروں میں کیا روحانیت ہوتی تھی۔ کہ تمام مجلس کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ اور استدلال سے نہیں بلکہ عیاں[3] ان امور کی حقیقت دکھائی دیتی۔ مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم زائرین بھی رونے لگتے۔

۱۲۸ ب) اس کے بعد دوسرا درجہ توجہ کا دست مبارک سے تھا کسی کے چہرہ پر ملنے لگتے کسی کے سینہ پر۔ کسی کی پیشانی پر۔ اور کسی کو کندھوں سے پکڑ گاہے بنمائش محبت۔ اور گاہے بنمود خفگی[4]۔ کسی کے کان پکڑ لیتے۔ اور کسی کو آہستہ آہستہ تھپڑ (طمانچے) لگاتے۔ اور یہ دونوں صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ اور کسی کو یہ کہہ کر میں بولا ہوں۔ اپنا کان اُس کے منہ سے لگاتے اور اس کے گلے لگ جاتے۔ اور گاہے گاہے ہاتھ سے مصافحہ کر کے اپنا فیض روحانی پہنچاتے۔

۱۲۹ سبحان اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے محبوب بندے اس کے بندوں پر کس طریقہ پر کرم فرماتے

---

[1] جب میں پہلی رات کو نیند کا ارادہ کرتا ہوں، تو تیرے نام کا ذکر تیزی سے شروع کر دیتا ہوں اور جب آدھی رات نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں تو اس وقت (اے محبوبِ حقیقی) میں تجھے پکارتا ہوں اور آنکھوں سے آنسو برساتا ہوں۔
[2] دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے [3] الفاظ حقیقت کا لباس ہیں جن لوگوں پر حقائق کھلتے نہیں وہ لباس کا ذکر کرتے ہیں اور اصل حقیقت اسی طرح پردوں میں چھپی رہتی ہے جب حقائق کھلتے ہیں اور شرح صدر سے ان کا بیان ہوتا ہے تو تاثیریں سامعین پر چھا جاتی ہیں۔ [4] ناراضگی کے رنگ میں۔

ہیں۔ کہ ذرّہ بھر نمود بھی نہ ہو۔ اور احسان بھی نہ ہو۔ بلکہ خود سائل کو پتہ تک نہیں کہ کس طریقہ و طرز پہ اس کا دامنِ مقصود بھر دیا گیا۔ کج رو ہیں[1] کہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ آپ کے اخلاق نہیں۔ آپ بدسلوکی سے پیش آتے۔ بھلا کوئی یہ بدسلوکی کر کے تو دکھائے۔ اور پھر اس کے پاس کوئی اِس درد۔ اِس محبّت اور اس عشق کے ساتھ جاتا بھی ہے؟ انسان تو انسان ہیں۔ بلکہ حیوانات لایعقل[2] تک نہیں جاتے۔ اور پھر کیوں سینکڑوں انسان عالم و جاہل۔ امیر و غریب کس و ناکس۔ لنگڑے۔ اپاہج درِ دولت پہ گر رہے تھے۔ آخر اس کی وجہ بدسلوکی اور بد اخلاقی تھی؟ یا کچھ اور۔

۱۴۰ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ[3] اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ط

ایسے ولی اللہ کے لئے ارشاد ہوا۔ خواص[4] کے لئے اکثر توجہ کا طریقہ آپ کے زیرِ معمول یہ تھا۔ کہ آپ اپنا دستِ مبارک معمول کے زانوؤں پر رکھ دیتے۔ اور آپ خیال (مراقبہ) میں ہو جاتے اور خیال (اور عالم مراقبہ میں) آپ کے وجود میں روحانی لہریں چلتیں اور ہاتھ مبارک کو آہستہ آہستہ جھٹکے لگتے۔ اصل میں یہ آپ کے دل کے جذب ہوتے تھے۔ جو بجلی کی طرح معمول کے رگ و ریشہ میں اثر کر جاتے۔

۱۴۱ ایک بار میں اور ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک سیّد صاحب اور ایک گجرات کے رہنے والے مولوی صاحب اکٹھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ مراقبہ فرمایا کرتے۔ ایک دن حسبِ معمول تشریف لائے۔ اور اپنا ہاتھ مبارک شاہ صاحب کے زانو

---

[1] بعض لوگوں کی فطرت ناقابل ہوتی ہے اور وہ دریا کے کنارے بیٹھ کر پیاسے رہتے ہیں اور بعض لوگوں کو شیطان اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ وہ سنی سنائی ان باتوں کی تصدیق و اشاعت کرتے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہوتی ہیں اور اللہ والوں کے مخالف لوگ زیادہ تر اسی مرض کا شکار ہوتے ہیں [2] بے عقل [3] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور پھر کسی طرح کا احسان نہیں جتلاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف پہنچاتے ہیں تو ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر ہے نہ اُن کو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

[4] ہر کامل ولی اللہ کے زیرِ تربیت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں — عوام اور خواص۔ عوام کی عمومی استعداد کے مطابق ان کے لیے سلسلے میں داخل ہونا اور فرائض کی پابندی نواہی سے منہ موڑنا اور شکل و صورت میں تبدیلی کافی ہے لیکن جن کی استعدادیں بلند ہوتی ہیں اور صلاحیتیں مکمل، اُن کی جانب خصوصی توجہات ہوتی ہیں اور ذکر، فکر اور مجاہدات کی طرف پوری رہنمائی ہوتی ہے اور وہ توجہاتِ کاملہ کا مرکز ہوتے ہیں اور وہی لوگ فقر کی نسل اور روحانیت کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

پر رکھا۔ اُن کے آنسو فوراً گرنے لگے۔ زاں بعد دوسرا ہاتھ مولوی صاحب کے زانو پر جا ٹکایا۔ اور اپنے بازوؤں پر زور دے کر آپ اُکڑ اٹھے۔ دونوں کے آنسو بارش کے قطروں کی طرح گرتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ انہیں تو اثر ہو گیا۔ میں محروم سخت دل ہوں۔ آپ ذرا بڑھ کر میرے قریب تشریف لائے۔ اور دست مبارک میرے زانو پر بھی رکھا۔ کیا کہوں رکھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ میری حالت بھی وہی ہو گئی۔

---

۱۴۲ اس خاکسار بدکردار کے ساتھ ہر طرح کی مہربانی فرماتے اور اپنی ہمت کسی قسم کی دریغ نہ فرماتے۔ یہ آپ کی عنایات تھیں کہ پانچ سال کے قلیل عرصہ میں مجھے وہ کچھ دکھایا۔ جو عمر بھر کے مجاہدوں سے بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ میری طبیعت بے چین اور شکی تھی[۱] ایسی طبیعت کو قابو کرنا کارے دارد ہے۔ لیکن بزرگوں کا احترام تھا۔ کہ میرے تمام بوجھ کو خود اٹھا لیا۔

۱۴۳ آخری ایام (جب سے میں حاضر ہونے لگا) آپ مراقبہ نہ صورت میں دکھائی نہ دیئے۔ لیکن جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ ایک دو بار موقعہ اور فرصت پا کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ۔ مراقبہ نہ صورت میں مجھے توجہ فرماتے۔

۱۴۴ لطف یہ ہے کہ یہ بھی نہ فرماتے۔ کہ اس خیال میں بیٹھو۔ خود بخود توجہ کے زور سے طبیعت اپنا راستہ آپ پیدا کر جاتی تھی۔ چنانچہ جب پہلی بار میاں دوست محمد صاحب میرے ہمراہ گئے۔ تو مجھے کہا کہ حضرت سے میری بابت کچھ عرض کرنا۔ میں سخت گنہگار ہوں

---

[۱] انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کی پہلی بارش انہیں قابل اور لائق طبیعت عطا فرمانا ہے۔ اور ہر قسم کی طبع میں اس کے جوہر پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ ابتدائی کوششوں میں کھُل کر سامنے آجاتے ہیں، بے قرار طبیعت فطرتاً متجسس ہوتی ہے۔ اور سکون و قرار کی طالب۔ فقر سراسر سکون ہے۔ بے چین طبع فقر سے اس طرح مطمئن اور فیض یاب ہوتی ہے جس طرح پانی سے پیاسا مطمئن ہوتا ہے۔ کامل پیر کی نظر کرم سے جب جوہر کھُل جاتے ہیں تو پھر حصولِ کمال میں دیر نہیں لگتی۔ جس طرح ذہین بچے کو کامل اُستاد مل جائے تو وہ علم کا دریا دنوں میں عبور کر لیتا ہے۔

مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ لیکن اس جلال و عظمت کے شہنشاہ کے سامنے مجھے کیا مجال کہ عرض خود بخود کرتا۔ آپؒ کا معمول تھا کہ کسی کے خادم یا رفیق و تابع سے کچھ نہ پوچھتے۔ آپ نے ان سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اسی طرح دو دن گذر گئے تیسرے دن جب میں مکان شریف سے ضرورت کے لئے باہر نکلا تو دوست محمد صاحب بھی میرے ہمراہ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ تمہارے ہمراہ تو میں اس غرض سے آیا۔ کہ آپ توجہ زیادہ میرے حال پر فرمائیں گے۔ یہاں اُلٹا کام ہے۔ تم ضرور آج کچھ میرے بارے کہنا تاکہ آپ کی توجہ میری طرف زیادہ ہو۔ یہ صاحب فوجی ملازمت میں مصر۔ فرانس۔ عرب وغیرہ دیکھ آئے تھے اور اپنے منہ سے کہتے تھے۔ میری حالت بہت خراب ہے۔ اور درحقیقت تھی بھی ایسی ہی۔ جب باوضو ہو کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ تو حضورؒ برسنے والے بادل کی طرح تشریف لائے۔ اور خود بخود فرمایا۔ "کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کا تعلق تم سے کیا ہے؟" میں نے عرض کی کہ قریب کے رہنے والے مجھ سے کچھ ترجمہ پڑھتے ہیں۔ ازاں بعد آپؒ بالاخانے پر تشریف لے گئے اور مجھے بلوایا۔ حاضر ہوا تو فرمایا۔ "کہ ان کی کیا حالت ہے" میں نے کہا پہلے تو بہت خراب تھی۔ اب اچھی ہے۔ آپؒ نے فرمایا "ہاں اب تو کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا۔"[1] میں نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا "کہ ہمیں بلا کر کچھ کہہ دو۔" میں نے عرض کیا۔ کہ نہیں حضور خود ہی کچھ فرمائیں۔ ازاں بعد فرمایا۔ اچھا — ان کو اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔ میں نیچے چلا آیا۔ اُن کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ لیکن حضور کو اس دن تو موقع نہ ملا۔ اور تشریف نہ لائے۔ جب باہر نکلے تو میاں دوست محمد صاحب نے دریافت کیا سبب

---

[1] "ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا"
یہ اور اس قسم کے الفاظ ہی حضرتِ اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت نامے تھے جو اپنے خلفاء کو عنایت فرماتے۔

حقیقت کہہ سنائی۔ کہنے لگا۔ کہ ساری حقیقت تو نہ کھولتے۔ بدکرداری کا خیال کر کے شاید توجہ تک نہ فرمادیں۔ میں نے کہا نہیں میں نے تو اسی واسطے تمام حقیقت کہہ دی۔ کہ زیادہ نظرِ رحمت[1] فرمادیں۔

۱۴۵ الغرض دوسرے دن آپ تشریف لائے۔ اور یک دم آپ مراقبہ میں ہو گئے ابھی ایک منٹ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کو حالت اور وجد ہو گیا۔ گھنٹہ بھر آپ مراقبہ میں رہے اور وہ بدستور اسی حالت ہُو ہائے میں سر دُھن رہے ہیں۔ زاں بعد حضور قبلہ جی پے سے تشریف لے گئے۔ انہیں بعد میں افاقہ ہوا۔ لیکن بخار ہو گیا۔ یہ ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ[2] قَوْلًا ثَقِیْلًا کا حاصل۔

۱۴۶ درمیان کے واقعات چھوڑ کر اپنے مدّعا کی طرف جاتا ہوں۔ جب چلنے لگے تو مجھے اجازت ہو گئی۔ تو دوست محمد نے کہا کہ اگر اجازت مل جائے تو میں بالاخانے پر جا کر حضور سے ذکر کی تلقین لے آؤں۔ اجازت کے بعد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں آپ نے تبسم فرما کر فرمایا "کہ یوں ہی ھُو ھُو کر رہے تھے" الغرض اس حالت کے لئے آپ کچھ نہ فرماتے یہ خیال کرنا یا نہ کرنا بلکہ مراقبہ کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے گاہ گاہ حسب طبیعت باتیں سرزد ہوتیں۔

۱۴۷ ایک بار آپ مراقب ہوئے۔ جب کہ میری باطنی حالت بالکلیہ نا درست تھی اور ابتدا تھی۔ طبیعت میں تذبذب (تردد) پریشانی وغیرہ عالم مراقبہ میں بھی ہوتی۔ آپ نے

---

[1] کامل پیر اپنے خاص اوقات میں خاص مظہرِ ذاتِ الٰہی ہوتا ہے۔ "کبھی اس کی طبیعت عام دریائے رحمت بن کر ہر خشک و تر کو سیراب کرتی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی مہا پاپی بھی آ گیا تو وہ دُھل کر گیا" (رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ)
"اور کبھی چھان بین کی الٰہی باریکیاں عکس ریز ہوتی ہیں کہ خاص نیکیاں جرح قدح کی زد میں آ جاتی ہیں۔ (اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ غَضَبِكَ وَغَضَبِ اَوْلِیَائِكَ)

[2] ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔

سر اُٹھاتے فرمایا۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[1]

۱۴۸ مَیں سمجھ گیا۔ کہ ؎

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

یاس[2] زیادہ ہوگئی۔ اور امید وصول کم۔ یہ یاد نہیں اسی حاضری میں یا دوسری حاضری میں آپ نے اپنے روشن ضمیر سے یہ بات دیکھ لی۔ اور فرمایا "کہ اپنی طرف سے تو کوشش فرض ہے"۔ "کوشش انسان کبھی نہ چھوڑے۔ لیکن بھروسا اس پر ہو۔ کیا ہوا" اگر وُہ کوشش بارور نہ فرمادے۔ یہی عین سعادت[3] ہے"۔ لیکن تقریباً دو سال بعد آپنے ایک طویل مراقبہ کے بعد عالم محویت اور استغراق میں مندرجہ ذیل اشعار نہایت درد سے بیساختہ پڑھے

بہ[4] نفی لا الٰہ از خود رہانم	شود اثبات الا اللہ زجانم
زجامِ بے خودیہا ساز مستم	فنا غارت کند سامان ہستم
خیالِ غیر از من دُور گرداں	بدردِ عشق خود رنجور گرداں
مرادِ مَن تو باشی در دو عالم	زجانم بر نیاید جز خدا دم
حدیث مصطفےٰ صوتِ دہانم	کلام اللہ باشد بر زبانم

مَیں نے یہ اشعار سُن کر الحمد للہ کہا۔ اور دل نے کہا ؎

آج کو طے ہوگئی منزل میں مسافت میری

---

[1] بے شک فضل و کرم اُس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عنایت فرما دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

[2] انسان میں بہت سی متضاد قوتیں ہیں اور یہی تضاد اس کی روحانی اور جسمانی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جب ناامیدیوں میں کامیابی اپنی جھلک دکھاتی ہے تو یقین اور خوشی میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے۔

[3] انسان محنت کے لئے بنا ہے اور محنت اس کا فرض ہے۔ اب محنت اپنا نتیجہ آپ ہے۔ رہا مزید نتیجہ تو وہ اُس کا فضل و کرم ہے۔ جو یقیناً محنت اور مجاہدہ ہی پر ہو سکتا ہے۔

[4] (۱) لا الٰہ (کوئی معبود نہیں۔ اس میں پہلی اور سب سے بڑی نفی اپنے نفس کی ہونی چاہیے) نفس کی نفی سے مجھے اپنی خودی یعنی الھویٰ سے نجات بخشیں۔ اور الا اللہ کا اثبات میری جان سے پیدا فرما دیں۔ (۲) بے خودی کا پیالہ پلا کر مجھے مست بنا دیں اور فنا میری ہستی کے ساز و سامان کو غارت کر دے۔ (۳) غیر اللہ کا خیال بھی مجھ سے دُور فرما دیں اور اپنی محبت کی بیماری کا مجھے مریض بنا دیں۔ (۴) دونوں جہان میں تو ہی میری مراد ہو جائے۔ اور میری جان سے سوائے اللہ اللہ کے کوئی سانس نہ نکلے۔ (۵) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں میرے منہ سے نکلتی رہیں اور قرآن کریم میری زبان پر ہو۔

۱۴۹ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خیالات کم ہونے شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ طمانیت نے وہ جگہ حاصل کر لی۔ اور آخری توجہ میں یہ حالت تھی۔ کہ حضور گھٹنوں بیٹھے۔ لیکن خیال تک نہ آیا۔ نہ شیطانی نہ رُوحانی۔ بلکہ عیانی اور وِجدانی طور پر ایسا معلوم ہوتا کہ حضور کا سینہ مبارک میرے سینہ کی جگہ رکھ دیا گیا۔ سوائے ٹھنڈ (برد) کے میرے سینہ میں اور کوئی کیفیت نہ تھی۔ ع

ذوقِ این مے نشناسی بخدا تا نچشی[1]

۱۵۰ اس کے بعد پھر آپ نے نہ مراقبہ فرمایا نہ توجہ فرمائی۔ یہ واقعہ آخر شعبان ۱۳۴۶ھ کا ہے اور اسی حاضری میں آپ نے آخری کیفیت باطنی دریافت فرمائی جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۵۱ غیر طریقہ کے لوگ نقشبندیہ۔ قادریہ۔ چشتیہ بھی حاضر ہوتے۔ آپ کسی سے اجنبیت نہ فرماتے۔ بلکہ ایک دفعہ خود حضرت مغفور و مرحوم، فداہٗ روحی[2] نے فرمایا "کہ پہلے تو اجنبیت تھی۔ جب کہ تمہارے بھائی مولوی[3] فخر الدین صاحب آئے تھے۔ لیکن اب نہیں۔ سب کو ایک جانتا ہوں۔ اور اکثر "چشتیہ بہشتیہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) فرماتے۔ اور فرماتے "چشتیہ بہشتیہ بڑے بابرکات بزرگ ہوتے ہیں۔" قادریہ میں سے غوث الثقلین[4] حضرت پیر دستگیر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ان الفاظ سے نہایت اشتیاقانہ لہجے میں فرماتے "بغداد والی سرکار نے اسی طرح فرمایا۔" "بغداد والی سرکار اس طرح فرماتی ہے اور آپ کی مبارک آنکھیں اس جانب ہو جاتی تھیں۔ گو یا دیکھ رہے ہیں۔ متاخرین سے خواجہ اللہ بخش[5]

---

[1] اس شراب کی لذت خدا کی قسم جب تک تُو خود نہ پیئے گا محسوس نہیں کر سکتا ہے۔ [2] میری جان آپ پر قربان ہو۔

[3] حضرت قبلہ عالم محبوبِ الٰہی مصنف مدظلہٗ کے چچا زاد بھائی مُیرا شریف ضلع کیمبلپور میں حضرت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو آخری خلیفہ تھے حضرت سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے) سے بیعت تھی اور آپؒ ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ وفات ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ۔

[4] غوث الثقلین (جن و انس کا غوث) حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ہے۔

[5] حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور حضورؒ کے سجادہ نشین۔ ان کے عہد میں بھی فقر و تصوف کو خوب رونق ہوئی۔
(تاریخ وصال ۱۳۱۹ھ)

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے۔ اور خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی رح۔ اور حضرت بابا فرید شکر گنج رح۔ اور حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اکثر اشعار مبارک نہایت ذوق سے موقعہ بموقعہ حسب ضرورت پڑھتے۔ ایک دوست سے ذکر فرمایا کہ پہلے میری آنکھیں مکان[1] شریف کو دیکھتی رہتی تھیں۔ لیکن اب تو خواجہ معین الدین صاحب کی طرف ہی میرا رُخ رہتا ہے۔

۱۵۲ ان خاندانوں سے توسّل رکھنے والے کو تلقین ذکر نہ فرماتے۔ لیکن فیوضات باطنی سے آپ دریغ نہ فرماتے۔ معمول تھا کہ آپ فرماتے "جو کچھ بزرگوں نے فرمایا۔ وہی کرو۔ اس میں برکت ہوگی" ہاں اگر کوئی کہتا کہ تلقین ذکر حاصل نہیں۔ تو آپ تلقین ذکر بھی فرما دیتے۔ لیکن عجب حالت تھی۔ کہ زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ لیکن اندر ہی اندر تمام کام بن جاتا۔ اس پر ایک دو واقعہ پیش کر دیتا ہوں۔

۱۵۳ ایک بار سرگودھا کے قریب رہنے والے ایک مولوی صاحب آئے۔ جن کا تعلّق رُوحانی حضرت قبلہ مہروی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ حاضر ہوئے تو آپ نے حسبِ دستور و معمول وقوف[2] قلبی کی تاکید فرمائی۔ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ اُن کو مسجد سے گئے ہوئے ہوں گے۔ کہ واپس آ گئے۔ جانے سے پہلے بھی میں نے ان کو دیکھا تھا۔ باتیں کی تھیں۔ آئے تو حالت ہی بدل گئی۔ خاموش سرافتادہ[3] چہرہ میں حیرت۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ صرف وقوف قلبی فرمایا۔ بلکہ یہ بھی ان کی طرف سے تھا۔ آپ ایسے

ح۱ ضلع گورداسپور میں ایک مبارک مقام ہے۔ جہاں حضرت امام علی شاہ صاحب رح اور حضرت شاہ حسین رح بھوڑے والی سرکار کا مزار مبارک ہے۔ تقسیم کی وجہ سے یہ مقدّس مقام بھی ہندوستان میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان مقامات میں حاضری آسان فرماوے۔

ح۲ وقوف قلبی۔ دل کی طرف متوجّہ ہو کر ذاکر رہنا۔ اور ذکر میں ذاتِ حق جل جلالہٗ کا خیال سامنے رکھنا۔

ح۳ سر نیچے ڈالے۔

اصطلاحات صوفیہ کبھی اپنی زبان پر نہ لاتے۔ اور طالب کو مفت کے جنجال میں نہ پھنساتے سیدھے سادے الفاظ میں جو کچھ فرمانا ہوتا فرما دیتے۔

۱۵۴ ایک بزرگ حضرت قبلہ مہر علی[1] شاہ صاحب مدظلہ کے مریدوں سے حاضر ہوئے ان کی ریش نصف سے کم سفید تھی۔ اور کپڑے پرانے اور بوسیدہ۔ آں قدوۃ السالکین[2] تشریف لائے۔ ان سے دریافت حال کیا۔ فرمایا۔ کہ اللّٰہ الصّمد پڑھتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ جی حضور۔ فرمایا کہ دو نام ہیں۔ اَللّٰہ الصّمد۔ لیکن وہ اس رمز کو نہ تاڑ سکے۔ فرمایا کہ پیر صاحب کے پیشوا (پیر) سیال شریف[3] والے تھے؟ انہوں نے کہا، جی۔ فرمایا "کہ وہ انگریزوں کے اندر (ملک میں) بھی رہتے تھے۔ لیکن ان سے باہر (بے تعلق) بھی تھے فرمایا کہ مومن کا نشان ہے ؎

از حسد[4] اوّل تو دل را پاک دار

۱۵۵ زاں بعد آپ ان کے چہرے پر ہاتھ ملتے جاتے۔ اور فرماتے "یہ نورِ ایمان ہے یہ نورِ ایمان ہے" معلوم نہیں کتنی دیر آپ اسی طرح کرتے رہے کہ ان کا چہرہ آہستہ آہستہ بدل گیا۔ اور ایک گھڑی کے اندر ہی آفتاب کی طرح ان کے چہرہ سے نور برسنے لگا یہ ہے یدِ بیضا[5]۔ کہ جس کو مَس بھی کر گیا۔ آفتاب بنا گیا۔

۱۵۶ ایک معمر بزرگ سانگلہ کی مسجد تعمیر کردہ حاجی محمد دین صاحب قادری گجراتی کے امام آئے آپ نے دریافت فرمایا۔ "کہ کیا کرتے ہو" انہوں نے کہا کہ مسجد کا امام ہوں لیکن دوسرے

---

[1] حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں مقیم تھے۔ وہیں مدفون ہیں۔ وقت کے نہایت جلیل القدر اولیاءاللہ میں سے ہیں۔ تاریخ وصال مئی ۱۹۳۶ء ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ

[2] وہ اللہ والوں کے پیشوا [3] حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ۔

[4] پہلے حسد سے اپنے دل کو صاف کرو۔

[5] سفید ہاتھ۔ موسٰے علیہ السلام کا ہاتھ جو معجزے کے طور پر آفتاب کی طرح چمکتا۔

ملاؤں کی طرح نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کیسے"۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو مسجد کے وظیفے[1] کھاتے ہیں۔ فرمایا "اگر کھاتے ہیں تو کیا مضائقہ۔ آخر آپ کیا کھاتے ہیں"۔ انہوں نے کہا، کہ حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ فرمایا تو پھر یہ کیا ہے؛ (مسجد ہی کا نہیں تو)۔

۱۵۷ زاں بعد آپ نے توجہ تو کسی اور طرف ظاہراً کر دی اور کسی اور سے مخاطب ہو گئے۔ لیکن چپکے سے اپنی شہادت کی انگلی ان کے قلب پر جا لگائی۔ ابھی سینہ سے مس ہی کیا ہو گا کہ انہیں حال (وجد) ہو گیا۔ پگڑی گر گئی۔ اور دیر تک سر پٹکتے رہے۔ یہ ہے توجہ اور یہ ہے تصرفِ قلبی[2]۔ کہاں تک ایسے واقعات لکھوں۔ بچشم خود سینکڑوں دیکھے۔ اللہ تعالےٰ حضور کو ملاءِ علیین[3] اور اپنے قرب میں منزلت عنایت فرما کر تا قیامت ان کے رُوحِ مبارک پر رحمت برسائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۸ یوں تو توجہ[4] حاضرانہ سے ہمیشہ سرفراز فرماتے۔ اور حاضری کے دنوں میں کبھی دل سے کبھی چشم مبارک سے۔ اور کبھی ہاتھ مُبارک سے کبھی مراقبانہ صورت میں توجہ فرماتے لیکن احباب کو غائبانہ[5] توجہ بھی فرماتے تھے۔ حضور کی خدمت سے واپسی کے بعد اتنا اثر ہو جاتا کہ بیان سے باہر ہے۔ اور حضور میں اس کے مقابلہ بہت کم اثر ہوتا تھا۔ یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی توجہات کا فیض روز افزوں ہو جاتا جیسا کہ ایک بزرگ قادری سے ایک (بزرگ) نے بیعت کی۔ اور بدستور حالتِ عیانشانہ میں رہے۔ کسی نے شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر کہا۔ کہ فلاں بزرگ زادے نے آپ سے بیعت بھی کی تھی۔ لیکن اس کی حالت بدستور ہے۔ آپ نے

---

[1] وہ روٹیاں جو اہل محلہ مسجد میں پہنچاتے ہیں۔ [2] تصرف قلبی۔ دل پر تصرف (یعنی دل کے حالات میں رد و بدل کی قوت)

[3] ملأ۔ جماعت علیین۔ بلند مقام والے۔ آسمان پر ایک مقدس مقام ہے۔ جہاں صالحین عالم کی روحیں جاتی ہیں۔

[4] توجہ۔ اس کے معنی ہیں متوجہ ہونا۔ شیخ کامل اپنے دل کی گرمی اور نور کو اپنے مخاطب پر القا فرماتا ہے۔ شیخ کا قلب منور اور جان پاک مُرید کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کے باطن کی گرمی مرید کے دل کو اور اس کے جسم کو تاثرات سے بھر دیتی ہے اور دل اور جسم کو جنبش دیتی ہے۔ ایسی صورت میں پیر کا قلب اس کے تمام حواس پر غالب ہوتا ہے۔ آنکھ سے متوجہ ہو گا تو آنکھ تاثر کر جائے گی۔ ہاتھ سے مس کر گیا تو ہاتھ کے ذریعے نورانی لہریں مرید میں سرایت کر جائیں گی۔ یہ گرمی نور اور جنبش، شیخ اور مرید کی قابلیت اور قوت کے مطابق ہوتی ہے۔

[5] غائبانہ توجہ سے مراد وہ توجہ ہے جو پیر اپنے اس مرید پر القائے توجہ فرما دے جو حاضر نہیں غائب ہے اور دور ہے پیر کامل کے قلب کی گرمی اور نور کی لہریں دور و نزدیک میں یکساں عمل کرتی ہیں۔

؏ بُعدِ منزل نہ بود در سفرِ روحانی

سر اٹھا، فرمایا۔ کہ ناگ (زہریلا سانپ) کے ڈسے کو ایک دن زہر چڑھ جائیگا (اثر ہو جائے گا۔)
چنانچہ شاہ صاحب تو وصال پا گئے۔ مگر بعد میں بزرگ زادے واقعی بزرگ ہو گئے۔

۱۵۹ اس خیال کی تائید برادر مکرم حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے بھی فرمائی۔ جب کہ میں نے اس کی شکایت ابتداً میں کی۔ کہ توجہ کا اثر مراقبہ میں مجھے بہت کم ہوتا ہے۔ جواباً آپ نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ گھر جا کر دیکھنا اور کہ حضور نے ابتداءِ زمانہ میں مجھے ایک بار توجہ فرمائی زاں بعد آپ نے حالت دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا انشاء اللہ ہماری توجہ خالی نہ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آخر کار بار آور ہوئی۔

۱۶۰ میں نے اپنے جدّ امجد[1] رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیال شریف[2] رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت[3] للّٰہ شریف رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید اور توسل رکھنے والے دیکھے۔ جنہوں نے اپنی طرف سے کوئی جد و جہد اس راہ میں نہ کی۔ لیکن ان کی صورت و سیرت اتنی دل پسند ہوتی ہے۔ کہ دل خود بخود کہہ دیتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ سے تعلّق رکھنے والا ہے۔ کیونکہ ہر بزرگ کی ایک نورانی (خاص) صورت نوعی ہوتی ہے۔ جس کا پَرتو اس کے تمام مریدوں پر ہوتا ہے اور بعینہٖ یہی صورت ہمارے قبلہ حضرت مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کی ہے کہ اسٹیشنوں پر۔ بازاروں میں، گھروں میں اور مسجدوں میں اپنی صورت نوعی (نورانی) سے بالکلیہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور دنیا کہنے والی ہوتی ہے کہ یہ میاں صاحب کے مرید جا رہے ہیں۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خصوصیت میں حضرتِ للّٰہ شریف رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلّہ ہیں۔ اور دیگر بزرگوں

---

[1] حضرت اعلیٰ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۵۔ رجب ۱۳۲۱ھ)

[2] حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ (وفات صفر المظفر ۱۳۰۰ھ)

[3] حضرت غلام نبی للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۱۔ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ)

سے ممتاز۔ کیونکہ حضرت للہ شریف والے کے مریدوں کے چہرے بھی بہت نمایاں نورانی دُھلے ہوئے دیکھے۔ جتنے بھی دیکھے اِس خاصہ میں یہ دونوں بزرگ اپنے مماثل[1] آپ ہی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہما اور اپنی پوری ہمت[2] مرید پر صرف فرماتے۔

۱۶۱ حضور غائبانہ توجہ بھی فرماتے۔ کئی بار آپ نے مجھ سے فرمایا۔ "کہ جاؤ مسجد جا کر کچھ کر لو۔ اسی طرح خیال کرنا کہ تم میرے سامنے ہو" اور حضرت صاحب کی مزار چھوڑ کر آنے کی کیا ضرورت،، میرا خیال وہاں بھی تمہاری طرف رہتا ہے" میں تو تم کو اپنے پاس جانتا ہوں" تم بھی اپنے پاس مجھے دیکھا کرو" اور قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں جب دل قریب ہو"۔ قریب ہونے سے کیا فائدہ جب دل قریب نہ ہوں" کبھی قریب ہونے میں وہ لطف نہیں رہتا۔ جو دُور میں تھا"

۱۶۲ ان بالا ملفوظات میں صاحب ہوش کے لئے بہت کچھ معانی اور بہت سے ہدایات ہیں اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ اپنے اپنے فہم طبیعت کے مطابق فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے"

ؔ۱ مماثل - ایک جیسے

ؔ۲ کامل شیخ اپنے مریدوں کو اپنے روحانی فرزند خیال فرماتا ہے۔ اور ان کو اپنی توجہات سے ہمیشہ نوازتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ توجہ بعض مرید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کُھل کر قبول کرتے ہیں اور بازی لے جاتے ہیں ۔ ، انہی مسلسل توجہات اور پُوری نگہداشت اور تربیت میں جزئیات کو بھی ملحوظ رکھنے کو ہمت صَرف فرمانے سے تعبیر فرمایا گیا۔

اویسیؔ[1] نسبت

۱۶۳ حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اویسی تعلقات بہت تھے۔ اور خاص کر آپؒ کو بھوہرہ شریف (مکان شریف) کے حضرتؒ[2] سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ اور اکثر غلاموں کو آنجناب کی مزار شریف سے فیض اٹھانے کے لئے ارشاد ہوتا تھا۔

۱۶۴ خوش قسمتی سے جب میں دوسری بار شوال ۳۴۳ھ میں حاضر ہوا۔ تو حسن اتفاق سے عرس مکان شریف کی تقریب پر حضور جانے والے تھے۔ قدم بوس ہوتے ہی فرمایا۔ مکان شریف عرس پر جانے کا ارادہ ہے۔ تمہاری کیا مرضی ہے۔ عرض کیا جس طرح حضور کا ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا ہے کہ تم بھی دیکھ لو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کتنے دوست حضور کے ہمراہ جانے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ آخر وہاں پہنچے۔ تو فوراً میاں محمد علی صاحب خیاط کو میرے اور پیر محمد لطیف صاحب کے ہمراہ کیا۔ کہ انہیں بھوہرہ شریف میں لے جاؤ۔ چنانچہ باوضو ہو کر فاتحہ کہا اور مُراقبہ[3] بیٹھے۔ لیکن اس وقت میری اتنی استعداد نہ تھی۔ مگر یہ سمجھ گیا کہ یہ میری عین سعادت ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر اللہ تعالےٰ کی ذات بابرکات نے شرقپور شریف پہنچایا۔ جب کہ یہ دولت نصیب ہونے کا وقت تھا۔ اور یہ ابتدا تھی آئندہ کی سعادت کی۔ اِس کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے آپ کو روحانی تعلقات

---

[1] حضرت اویس قرنیؓ سے یہ نسبت منسوب ہے کہ جیسے حضرت اویس قرنیؓ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ نسبت تھی۔ اسی طرح بعض سالکوں اور بعض بزرگوں کو بعض اہلِ قبور سے غائبانہ نسبت ہوتی ہے۔

[2] حضرت شاہ حسینؒ بھوڑے والی سرکار۔ (وصال ۱۲۴۴ھ)

[3] مراقبہ۔ خالی الذہن ہو کر متوجہ الی اللہ ہونا مراقبانہ صورت میں کچھ پڑھا نہیں جاتا بلکہ حصولِ فیض کی انتظار ہوتی ہے۔

تھے۔ اور ایسی ایک کو دوسرے سے محبت تھی۔ جیسے دو احباب زندہ میں ہوتی ہے۔ جب آنحضور رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ تعلق والے کا ذکر فرماتے۔ تو آپ کی آنکھیں اس طرف مشتاقانہ اٹھتیں۔ جیسا کہ کوئی مشتاقانہ نظر دیکھنے کے لئے اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ فرماتے کہ ہم تو آپؐ کو بشر[1] بھی کہتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی۔ کیونکہ درمیانی حجب روحانیت کے نور نے اٹھا دیئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک جمعہ کو وعظ کے اندر فرمایا۔ کہ ایک تین سو ہوتے ہیں۔ ایک چالیس ہوتے ہیں۔ اور ایک تین اور ایک ایک۔ اس ایک کی روحانیت سے ستر[2] درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک لطیف تر ہے۔ یعنی غوث[3] کی روحانیت سے آپ کا جسم عنصری ستر درجہ لطیف تر ہے۔ فتدبر[4] فی ذالک۔

۱۶۵ ہم خاکی۔ سیاہ دل کیا تمیز کر سکتے ہیں۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور یہ کیا ہیں۔ بلکہ اپنی طرح ہی ان کو بھی بشر کہتے جاتے ہیں۔ اور اپنی طرح ہی مردہ روح۔ صاحبؒ[5] مثنوی نے اس بارے میں خوب فرمایا ہے

بندگانِ خاص علام[6] الغیوب — در جہانِ جاں جواسیس القلوب

۱۶۶ حضرت جد امجد[7] رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ظاہری نسبت کے علاوہ اویسی نسبات کئی بزرگوں سے حاصل تھیں۔ سائیں گلاب شاہ صاحب رح مرحوم جن کا مزار شریف رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے کامل مجذوب[8] ہو گذرے ہیں۔
میراں سید[9] احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مزار مبارک بھیرہ) ضلع سرگودھا اور بادشاہ صاحب

ے۱ بشر اور نور کی بحث اس زمانے کا بڑا علمی جھگڑا ہے۔ اولیاء اللہ کا مسلک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں بیشک لیکن بشریت پر نور کا اتنا غلبہ ہے کہ حضورؐ حاضر، ناظر ہیں۔ ع ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے۔ ے۲ جسم اور روح کے فرق کو کون نہیں جانتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بھی اتنا لطیف ہے کہ غوثِ وقت کی روحانیت سے ستر درجہ جسم مبارک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لطیف تر ہے۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی لطافت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔
ے۳ غوث: روحانیت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور ایسے مدارج روحانی جن حضرات کے سپرد ہوتے ہیں ــــ وہ انسانوں کی دینی و دنیوی مشکلات میں مدد فرماتے ہیں۔ ے۴ آپ اس مقام پر غور کریں۔ ے۵ مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی مولانا روم ے۶ علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے روح کے عالم میں دلوں کے بھید جاننے والے ہیں۔ ے۷ حضرت مولانا غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ بیر بلوی۔
ے۸ مجذوب: سلوک اور جذب فقر کی دو نسبتیں ہیں۔ پہلی نسبت تشریعی یعنی ظاہر شرح کے امور سے متعلق ہوتی ہے اور دوسری نسبت تکوینی ہے۔ جو دنیا کے کارخانہ کی جان ہوتی ہے۔ ے۹ میراں سید احمد صاحب۔ مزار مبارک بھیرہ۔ مقبول خواص و عوام ہیں۔

(مقبرہ[1]) خوشاب سے رُوحانی تعلقات بہت تھے۔ حضرت قبلہؒ فرماتے "کہ یہ بزرگ ہمارے دوستوں سے ہیں"۔ اور ہمارے مخلصوں سے جو اِن کے مزارات پر جائے گا۔ اِن کے فیض سے محروم نہ آئے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی شرفیابی سے پیشتر یہ خاکسار بھی حضرت شاہ صاحب کی مزار پُرانوار پر نہایت ارادت مندی سے حاضر ہُوا۔ اور اسی طلب رسُول نگر میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حالانکہ یہ وہم گمان بھی نہ تھا۔ نہایت پستہ قد نحیف البدن چھوٹے قدم۔ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دئے۔ لیکن اپنی طبیعت کے مطابق میں نے اس خواب کو بڑی اہمیت نہ دی کہ خواب وخیال ہے۔ لیکن جب دوبارہ مزار پر حاضر ہُوا۔ تو بعینہٖ آپ کا جوڑا (جوتا) مبارک اور وہی نقشہ نظر آگیا۔ میں نے لوگوں سے حلیہ آپ کا دریافت کیا۔ تو بعینہٖ وہی صورت بتلائی جو میں نے دیکھی تھی۔ دونوں[2] بزرگوں کے کمال کا معترف ہوگیا کہ اپنے اپنے وعدے اور ارشاد میں پورے ہو اُترے۔ اس کے علاوہ مَیں نے بہت کم بزرگان سلف کی صورت عالم رویا[3] میں دیکھی۔ اور جو دیکھی بھی تو پورے یقین سے فیصلہ نہ کرسکا کہ کون تھے۔

۱۶۸ اس کے سوا حضرت قبلہ جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کو کئی ایک کامل مجذوبوں سے بھی فیض حاصل تھا۔ شادے خاںؒ[4] جو اپنے وقت کے یگانہ قطب مدار ہند تھے۔ اور ہندوستان سے آکر تحصیل خوشاب کے لق و دق ریگستان میں رہا کرتے تھے۔ ایک بار حضور اُن کی خدمت میں بھی تشریف لے گئے۔ اور کوئی گھنٹہ بھر مراقبانہ صورت میں دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ لیکن منہ سے کسی ایک نے بھی ایک لفظ نہ فرمایا۔ پھر چلے آئے۔

---

[1] خوشاب میں دریائے جہلم کے کنارے قبرستان کی شمالی جانب مزار مبارک ہے۔ ایک روضہ مبارک ہے اور روضہ میں دو قبریں ہیں۔ ساتھ ہی ایک عالیشان مسجد ہے۔

[2] اوّل حضرت خواجہ غلام مرتضےٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ، دوم حضرت سائیں گلاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

[3] خواب کی حالت۔

[4] شادے خانؒ مجذوب بزرگ تھے۔ ہڈالی ضلع سرگودہا میں قبر مبارک ہے۔

انہی مجذوبانہ اور اویسیانہ[1] نسبتوں نے آپ کو سالک مجذوب بنا دیا تھا۔ انہیں (نسبتوں) کے غلبے کی وجہ سے آپ کو یہ الفاظ کہنے پڑے۔ کہ نسبت[2] ایں فقیر ممزوجہ قلندریہ است لیکن حق یہ ہے کہ انہی مختلف نسبات کے امتزاج نے سونے کو کندن کر دیا۔

۱۶۹ اس کے بعد میں آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ آپ کے حضرت[3] صاحب فرمایا کرتے "کہ اویسی نسبت ایک عجیب نسبت ہوتی ہے۔ سو اس میں تین اشارے تھے ـــــ ایک اپنی نسبت۔ ایک جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کی اس نسبت کی طرف، اور ایک میری طرف۔ جیسا کہ آپ نے کئی بار تاکیداً فرمایا" کہ دادا صاحب کی مزار[4] کو نہ چھوڑنا۔ دادا صاحب کی مزار ہوتے یہاں آنے کی کیا ضرورت۔ (گویا میں آنے کی ضرورت سے خوب واقف تھا اور آں قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جانتے تھے۔ اپنی محبت اور میری تاریکیٔ دل سے بھی کامل واقف تھے۔) کتنا وہاں ٹھیرتے ہو اور کس وقت جاتے ہو اور کس وقت واپس آتے ہو"۔ میرا خیال تو ہے کہ تم وہیں جماعت کرایا کرو"۔ کبھی اندر بیٹھ گئے کبھی باہر"۔ کبھی مسجد میں کبھی مزار شریف پر"۔ زیادہ نہ سہی، ایک ربع پارہ مزار شریف پر اور امر و مناہی[5] کا خیال رکھ کہ تلاوت کر لیا کرو۔

۱۶۹ الف اس مقدس مزار کے علاوہ دو اور مزارات کا بھی ذکر فرمایا۔ ایک تو میراں صاحب کی بابت فرمایا"۔ بیربل سے مشرق کو میں نے ایک مزار بڑا برکت والا دیکھا اور ایک حضرت جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا ذکر فرمایا "کہ قادری[6] نسبت کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں"۔ وہاں دو مزار ہیں۔ ایک تو حضرت دادا صاحب کے

---

[1] یہ ایک ایسی نسبت ہے جس کی برکت سے صاحبِ نسبت تشریعی اور تکوینی دونوں نسبتوں کا مالک ہوتا ہے ایسا فقیر بے حد صاحبِ کمال ہوتا ہے [2] اس فقیر کی نسبت قلندری نسبت سے مرکب ہے [3] حضرت خواجہ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ [4] کاملین کے مزارات کے فیوض اظہر من الشمس ہیں لیکن تربیت یافتگان کے لئے اور صاحبِ استعداد سالک صاحبِ قبر کی نسبت سے پوری طرح مستفیض ہو سکتا ہے۔ [5] قرآن کریم پڑھنے میں یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے کرنے کا حکم دے رہا ہے اور اُس چیز سے منع فرما رہا ہے۔ پھر تاثیرات کا باب کھل جاتا ہے [6] کامل بزرگ صاحبِ مزار کی نسبت بھی محسوس کرتے ہیں اور قادری نسبت سلسلۂ قادریہ سے منسوب ہے اور اس مقدس سلسلے کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

دادا صاحب کا ایک اُن کے چچا صاحب کا۔ آپ کے چچا جو ایک مجذوب بزرگ تھے۔ اور دونوں کے نام علی الترتیب حضرت مولوی صدرالدین صاحب اور میاں وڈا صاحب لیکن مجھے صرف حضرت جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کی مزار سے اکتساب فیض کے لیے۔ ارشاد ہُوا کہ فاتحہ سے پہلے یا پیچھے خالی الذہن (النسبت) ہوکر بیٹھ[1] جایا کرو۔ اور سمجھا کرو کہ فیوضات سینہ میں آرہے ہیں اور ایسا ہی ہوتے ہوتے واقعی معلوم ہونے لگیں گے۔

۱۶۹ب چنانچہ پہلی شرف یابی سے آیا۔ تو حسب ارشاد جا بیٹھا۔ حیران ہوں بادِ نسیم کے جھونکوں کی طرح فیوضات وارد ہونے لگتے۔ اور میرے وجود کو آہستہ آہستہ جھولا دیتے۔ بعض مزارات پہ جا کر رقت طاری ہو جاتی۔ اکثر میں شام کے بعد بھائی مرحوم مولوی[2] محمد معصوم رح کی مزار پہ جایا کرتا۔ اور بھی بہت سے خاندانی وہاں مزارات ہیں۔ اور حضرت[3] کے والد بزرگوار کا مزار شریف بھی گل سرسبد کی طرح وہاں ہے۔ سورہ قاف (قٓ) فاتحہ کے لیے باآواز بلند پڑھنا۔ لیکن آئت آئت پر رقت ہے۔ اور آنسو۔ سبحان اللہ حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کی طفیل کیا کیا دیکھا۔

۱۷۰ چونکہ میں بے آرام ہوں اور صاحب عزیمت نہیں۔ اور ان امور کے لیے اوقات کی پابندی نہایت ہی ضروری۔ اس لیے دو ماہ کے بعد میری یہ حالت بدل گئی۔ تاہم اپنے جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار سے میں نے بہت کچھ اکتساب کیا اور جب کبھی کسی جگہ چند دن کے لیے چلا جاتا ہوں اور طبیعت[4] بحال نہیں رہتی تو اسی مزار پہ پھر اپنی اصلی حالت رجوع کرتی ہے۔ بلکہ سفر شرقپور جیسا مبارک سفر میرے لیے کوئی نہیں۔ اور قیام سے بھی بڑھ کر یہ سفر مبارک۔ لیکن

---

[1] مراقبہ کی یہی صورت ہے کہ خیالات سے پاک ہو کر متوجہ ہو جائے اور غالب خیال یہ رہے کہ انوار و فیوضات سینے میں آ رہے ہیں۔

[2] مولوی محمد معصوم صاحبؒ حضور قبلہ عالم دام ظلہٗ کے بڑے بھائی تھے بہت بڑے فاضل تھے۔ جوانی میں انتقال فرما گئے۔ (وفات ۱۴ صفر ۱۳۳۰ھ) [3] حضرت اعلیٰ امیر بلوی رح کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

[4] اس سے مراد قلبی کیفیت میں کمی محسوس کرنا۔

سچ تو یہ ہے کہ جمعیتِ[1] باطنی کا شیرازہ اس سفر مبارک میں بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ حضور کے فرمان سے پیشتر سفر میں بوجہ عدم تعلّقات طبیعت اچھی رہتی تھی اور گھر میں بوجہ تعلقات خانگی طبیعت پریشان۔ مگر اب یہ معاملہ برعکس ہے۔ کیوں ؟ صرف حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور تعمیلِ ارشاد کی برکت سے۔

الحاصل

۱۷۱ حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر مخلصین کو پاک لوگوں کے مزارات پُر انوار پر جانے، ان سے فیوضات باطنی کے حاصل کرنے کا ارشاد فرماتے۔ لیکن عوام طبقہ کی قبر[2] پرستی سے آپ ہمیشہ نالاں رہتے۔ بلکہ بزرگانِ سلف کے عرس[3] اور دیگر تقریبوں کو (عوام کے عقائد کو مدِّنظر رکھتے ہوئے) بنظرِ استحسان[4] نہ دیکھتے۔ چنانچہ باوجود روحانی گہرے تعلقات کے خود کوئی عرس کسی بزرگ کا اور کوئی نیاز گیارھویں بارھویں کی نہ فرماتے اور فرماتے " کہ اصل دین کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں مسلمان جا نکلے۔ اور کام تھوڑے ہیں کہ مسلمان انہیں چھوڑ کر ان میں جا گرے ہیں۔

تصوّرِ شیخ[5]

۱۷۲ آپ فرماتے " کہ میرے خیال میں اسم ذات[6] کا ہی تصوّر کافی ہے (جیسا کہ لکھا گیا) لیکن جب کبھی کوئی مخلص درد و محبت کی کمی کی شکایت کرتا آپ نہایت لطیف پیرایہ میں تصوّرِ شیخ

---

[1] اطمینانِ قلب اور یکسوئی کا قیام [2] قبر پرستی۔ اہلِ قبور کے فیوضاتِ باطنی اور برکات کا حصول فقر و تصوف کا ایک حصّہ ہے۔ لیکن عوام کالانعام کو ان فیوضات سے کیا غرض۔ وہ تو اپنے دنیوی مقاصد کے لئے قبور کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر اعتدال کا سوال بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہیں رہنے دیتے جس سے بجائے دینی فائدہ کے دین کا نقصان کر بیٹھتے ہیں

[3] اکثر مقامات پر لوگوں نے عرس کو میلے کی شکل دے دی ہے اور ہر قسم کی زیادتیاں عوام کرتے ہیں اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔

[4] پسند نہ فرماتے۔ اصل دین تو عبادتِ الٰہی ہے اس کی طرف تو توجہ نہیں اور تمام قوت رسومات پر خرچ ہو جاتی ہے۔

[5] سلوک کی حقیقت مادی دنیا سے الگ ہو کر تصورات کی دنیا میں جانا ہے اور سالک کے لئے محبت کا مظہر اول اپنے شیخ کا وجود ہے اس لئے اگر تصورِ شیخ میں پختگی آ جائے تو آئندہ منازل میں ہر تصور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے [6] اللہ اسم ذات ہے۔ اس مبارک اسم کا ذکر اور تصور اکسیرِ اعظم ہے اور روح کی زندگی۔ لیکن اس تصور کی پختگی سے پہلے پہلے اپنے شیخ کا تصور پختہ کر لینا حصول ذوق شوق اور اخلاص و محبت کے لئے ضروری ہے۔

کی طرف کنائے فرماتے۔

۱۷۳ چنانچہ کئی دوستوں سے فرمایا "مجھے اپنے پاس ہی سمجھا کریں"۔ "میں تمہیں[1] یہاں بیٹھے دیکھتا ہوں"۔ "تم بھی[2] مجھے گھر سے دیکھنے کی کوشش کرو"۔ گاہے گاہے فرماتے "میں نے کبھی کسی کو تصورِ شیخ کے بارے میں نہیں کہا"۔ لیکن بزرگ تو فرماتے تھے "تصور میں چنداں قباحت نہیں"۔ لیکن میں تو کسی کو نہیں کہتا"۔ "اور نہیں، درود شریف[3] کے وقت میرا خیال کر لیا کرو۔

۱۷۴ جب میں نے اپنی باطنی شکایت حضور کی خدمت میں کی" تو فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے حضرت صاحب[4] کی مزار کا خیال کر لیا کرو"۔ ضرور فائدہ ہوگا"۔

ذہنی[5] تربیت

۱۷۵ موجودہ دَور میں اس تربیت ذہنی کی طرف بہت کم مشائخ کا خیال ہے۔ اَور اَوْراد و اَذکار پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ اگر علمی حلقہ میں اس تربیت کو مکمل کیا جاتا ہے۔ تو اس میں صرف تصوّف کے باریک[6] مسائل کو فلسفیانہ[7] لباس میں ذہن نشین کرنا اس تربیت کی تکمیل سمجھی جاتی ہے اور حضرت امام مجدد[8] علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سمجھنے کو نصب العین قرار دیا جاتا ہے! ور اسی طرح یہ تربیت ذہنی ذہنی رہ جاتی ہے۔ نہ کہ ذہنی عملی۔ وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ حقیقتِ محمدی۔ حقیقتِ احمدی۔ دائرۂ محبتِ صرفہ۔ دائرۂ محبتِ عامہ۔ دائرۂ تعین اور لاتعین کی حقیقتوں اور ان کے تعینات میں ساری قوت صرف ہوجاتی ہے اور بس، ایک زمانہ تھا کہ سلف[9] صالحین پہلے تزکیہ[10] نفس پر عمر بھی

---

[1] کامل کی نگاہِ باطن جدھر توجہ کرے گی وہی صورت سامنے ہوگی کیونکہ روحانیت میں کمال کے بعد زمان ومکان کا بُعد کم ہو جاتا ہے [2] مرید اپنے مرشد کی طرف دھیان جمائے۔ جب مُرید کامل بن جائے گا تو اپنے مرشد کی سی تاثیرات پیدا ہو جائیں گی اور بُعد کم ہو جائے گا [3] درود شریف کے وقت رحمتِ الٰہی کی جھڑی لگی ہوتی ہے۔ اور تصور پختہ ہونے کا موقع ہوتا ہے اس لئے اس آسانی سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا [4] مزارات کے فیوض آزمانے والے تو خوب جانتے ہیں۔ لیکن چونکہ تصور کی پختگی اور عقیدت کی مضبوطی ہی ان فیوضات کا ایک سبب ہوتی ہے۔ اور حصولِ فیض ایک ذوقی احساس ہے۔ اس لئے قبر کا تصور بھی یکسوئی کے ساتھ بابِ فیض کھول دیتا ہے [5] ذہن کو صحیح راستے پر لگانا تاکہ دہمیات سے نجات ملے۔ اور حقائق کو دیکھنے کا عادی بن جائے [6،7] گویا عمل نہیں مجاہدہ نہیں بلکہ مسائل کی علمی تفسیر پر ہی اکتفا کی جاتی ہے [8] حضرت مجدد الف ثانی رح نے اپنی سیر الی اللہ کو جس طرح بیان فرمایا ہے اور جو طریق تربیت آپ نے مقرر فرمایا اور جو جو اصطلاحات آپ نے وضع فرمائے ان کی علمی تشریح ہی تکمیلِ فقر سمجھی گئی، حالانکہ وہ عملی اور مشاہداتی چیز ہے [9] گذشتہ بزرگان [10] اخلاقِ رذیلہ سے نفس کا پاک کرنا۔

صرف کرانتے اور زاں بعد طالب جب پایۂ تکمیل کو پہنچتا اور اسے ماذون[1] کیا جاتا۔ تو ایسے معانی اس کے سامنے رکھے جاتے تاکہ رشد[2] و ارشاد کے دوران میں اس سے خطا سرزد نہ ہو جائے۔ یا طالب کے تصور کو صحیح اور درست کرنے کے لئے آسان الفاظ میں ابتداءً ہر سبق کے پہلے کچھ اصطلاحات[3] سے فرما دیتے۔ لیکن اس وقت عجب حالت ہے۔ پہلے فریق کے پاس سوائے علمی مُوشگافی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ نہ اخلاق ہیں نہ عادات، نہ اذکار ہیں نہ اشغال۔ بلکہ سلفِ صالحین کی بُو تک ان سے نہیں آتی لیکن کمالات نبوت[4] کے مدعی۔ اور اپنے کمالات اپنی زبانی ہی ان کو سنانے پڑتے ہیں۔ اور بس۔ دوسرا گروہ بیچارہ اس سے بھی زیادہ قابل رحم۔ کہ سالوں سلوک مجددی کے طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ اور مصطلحات کو بھی یاد کیا۔ لیکن کسی ایک اصطلاح کا تصوّر بھی صحیح ان کے دماغ میں نہیں۔ میں نے کئی ایک سے مراقبہ کا تصوّر پوچھا۔ تو وہی اسم ذات کا ذکر بتلایا۔ اور ہر مراقبہ کی تصوّرانہ کتابی عبارت پڑھ کر قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر کرنے کو ہی وہ مراقبہ خیال کرتے ہیں۔

ع بہ بیں[5] تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

۱۷۶ کئی ایک دوستوں کی حالت ناگفتہ بہ دیکھی۔ لیکن کسی نے کہا۔ کہ مسمی[6] الباطن پر سبق ہے۔ کسی نے مراقبہ احدیت[7] فرمایا۔ اور لطف یہ ہے کہ ظاہری شریعت کے پابند نہیں۔ داڑھی ہے تو تراشیدہ۔ حرص[8] ہے تو کامل۔ خیالات[9] ہیں تو فاسدانہ۔ لیکن گھنٹوں مراقب نظر آتے ہیں۔ نام لے کر گنتا۔ لیکن یہ مقصود نہیں بلکہ ذہنیت کو درست کرنا مقصود ہے۔

ع[1] اِذن سے نکلا ہے جس کے معنی اجازت کے ہیں۔ ماذون (جس کو اجازت دی گئی ہو) یعنی خلافت عطا کی گئی ہو۔
ع[2] راہِ باطن کی طرف رہنمائی کرنا (اسی رُشد سے اسم فاعل مُرشد ہے یعنی راہنما)۔
ع[3] اصطلاح: کسی فن کو ظاہر کرنے والے مختصر الفاظ۔
ع[4] نبوت کا عکس ہے ولایت لیکن لفظی طور پر نہیں حقیقی کمالات ظاہری و باطنی ہوں ورنہ نفس کا دھوکہ ہے۔
ع[5] دیکھو راستے کا فرق کہاں سے کہاں چلا گیا۔
ع[6] سالک کا ولایت کبریٰ میں حقائق تعفات کی طرف متوجہ ہونا اور اس توجہ کی مشق کرنا۔
ع[7] ذات احد مطلق کی طرف خیال کر کے یکسو ہو جانا۔ ع[8] دنیوی لالچ خدا جوئی کی ضد ہے جب تک یہ نفسانی بلا دُور نہ ہو فقر میں قدم نہیں اُٹھتا۔
ع[9] خیال میں پاکیزگی ذکر کا اولین نتیجہ ہے، ورنہ یوں سمجھئے کہ ذکر نے اپنا مقام حاصل نہیں کیا جب ذکر ہی نہیں تو فقر و ولایت کہاں۔

۱۷۷ کچھ ایسے بھی صاحب اجازت نظر آئے۔ کہ ان بیچاروں کو سلوک[1] (سیرِ نفسی) کی غائت تک معلوم نہیں کہ آخر ہمارا مدعا اس سلوک سے کیا ہے؛ ایک بار ایک صاحبِ اجازت نے اپنی زبانی ذکر کیا "کہ ایک طالب سے مَیں نے پوچھا کہ قلب میں کچھ حرکت ہوتی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں بڑے زور سے۔ مَیں نے کہا کہ قلب[2] کا مکان کونسا ہے تو اس نے ناف[3] کے نیچے بتلایا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ کہ کہاں سے کدھر چلا گیا۔ آخر اس کو سمجھایا گیا؛ انتہی کلامہ[4]۔

۱۷۸ لیکن اس ہنسی سے بڑھ کر آپ کے صاحبِ ارشاد ہونے پر مجھے بہت ہنسی آئی۔ کہ اس بے چارے سالک ؎

"کہ سالک[5] بے خبر نہ بود زراہ و رسم و منزل ہا"

کو اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ طالب ایک مستعد طبیعت ہے اور پہلی بار ہی ذکر نے نفس پر جا کر خود بخود ضرب دی۔

۱۷۹ اس پر لطف ہے کہ دیگر طریقوں اور سلاسل کی نسبتوں پر پھبتیاں اڑائی جاتی ہیں[6]۔ اور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ خواجہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے سلسلہ کے سلف صالحین مثلاً خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کو مراتبِ ولایت سے بڑھنے نہیں دیا جاتا! اور خود کمالاتِ نبوّت کی مسند پر جا بیٹھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ۔ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ۔ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ۔ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ

---

۱ سلوک (سیرِ نفسی) سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جد و جہد کرنا نہ کہ اصطلاحاتِ تصوّف کی ترتیب یاد رکھنا یا یادداشت قائم کرنا۔ ۲ قلب بائیں پستان سے نیچے تین انگلی کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جو قلب کہلاتا ہے اور جسم کی صحت بھی اس کی صحت پر موقوف ہے اور روح کی درستی بھی اسی کی درستی پر موقوف ہے۔ ۳ چونکہ لطیفۂ نفس کا مقام ناف سے نیچے ہے اور مستعد اور متاثر سالک کا لطیفہ نفس ذکر سے متاثر اور متحرک ہوا اور وہ اصطلاحات جانتا نہ تھا اور قلب کا نام اور حرکت سنی تھی اس لئے مغالطہ کھا گیا ورنہ اس کی استعداد اور تاثر میں کوئی کمی نہیں۔ ۴ اس کی بات ختم ہوئی۔ ۵ سالک منزل کے راہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔ ۶ صرف مجددی سلسلے کی اصطلاحات یاد کر لینے یا کچھ کچھ تاثیرات معلوم کر لینے سے اپنے آپ کو کمالاتِ نبوت کا حامل سمجھ لیا جاتا ہے اور عظیم الشان اولیاء اللہ کو کم درجہ (اپنی جہالت سے) دیتے ہیں۔ ۷ یا اللہ ہم کو حق کی صورت میں حق دکھلائیے اور حق کی اطاعت کرنے کی توفیق بخشئے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھلائیے اور اس سے بچنے کی توفیق بخشئے۔ اور یا اللہ ہم پر تمام چیزوں کے حقائق کھول دیجئے اور ہمیں مسلمان کر کے ماریئے اور صالحین کے ساتھ ہم کو ملائیے۔

علیہ و آلہ وسلم کے صدقے لغزشوں سے پناہ دے - آمین ثم آمین - طرّہ[1] یہ کہ امام مجدد علیہ الرحمۃ کے صرف اسی فقرہ پر بھی توجہ نہیں۔ "محبت[2] شرط راہ است"۔ زبانی جمع خرچ کے حاصلات تو کچھ نہیں۔ البتہ محبت[3] میں استھلاک اور اضمحلال کچھ معنے رکھتا ہے۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

جائیکہ[4] زاہداں بہزار اربعیں رسند

مستِ شراب عشق بیک آہ میرسد

مولینا روم نے ایسی طبیعتوں کو سنگ پارس کہا ؎

"از محبت[5] مِس ہا زر می شود"

جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل چھوڑ نقل کے اُٹھانے کی بھی ہدایت فرمائی ؎

متاب[6] از عشق رُو گرچہ مجازیست

سلوک مجدّدیؒ

سلوک مجدّدی ایک نہایت لطیف[8] اور باریک ترین سیر کی پوری پوری تفصیل ہے - ہر کہ ومہ کی یہ طاقت نہیں کہ جس تحقیق اور روشنی سے حضرت امام[9] علیہ الرحمۃ نے سیر فرمایا اور جو اشیاء قبل وصول یا بعد وصول آپ نے دیکھی ہیں بعینہٖ ہر ایک آدمی دیکھ سکے - ہاں حضرت امام صاحب رح سے اگر کسی دوسرے درجہ کی استعداد والا اس راہ چلے تو بیشک دیکھ سکتا ہے -

---

۱ عجب بات

۲ محبت اس راہِ سلوک کی شرط ہے (یعنی بغیر محبت معرفت کا راستہ طے نہیں ہوسکتا)

۳ محبت میں فنا ہوجانا اور انانیت کا گم ہوجانا

۴ جہاں پر زاہد لوگ ہزاروں چلے کر کے پہنچتے ہیں عشق و محبت کی شراب میں مست ہونے والا ایک دفعہ آہ بھرنے سے وہاں پہنچ جاتا ہے

۵ محبت سے تانبا سونا بن جاتا ہے -

۶ محبت سے منہ نہ موڑ اگرچہ مجازی ہے - یعنی محبت اپنی ذات میں اکسیر ہے حقیقت کی طرف بھی یہی جذبہ پرواز کرے گا - یعنی طبع میں جذبۂ محبت ہونا ضروری ہے

۷ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رح نے جو تجدیدی کارنامہ کیا وہ یہی ہے کہ طریقت کو شریعت حقہ کے لباس میں دکھلایا اور آسان طریقہ وصول الی اللہ کا تبلایا -

۸ یہ سیر لطیف ترین سیر ہے - صرف اصطلاحات یاد کر لینے سے ایک اجمالی ذہنی خاکہ اس روحانی سیر کا حاصل ہوتا ہے -

۹ مراد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ -

جیسا کہ قیوم ثانی (خواجہ محمد معصوم) رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (ملاحظہ ہو سبع سیارہ[٭] مصنفہ حضرت غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) اور مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نشان کردہ اشیاء کو پا سکتا ہے۔ ہاں ہر سیّاح کے سفرنامہ کے اعجوبات ایک سمجھ دار گھر بیٹھے پڑھ کر لطف اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی حقیقت سیّاح کی نہیں ہوتی بلکہ اخبار بین کی۔ یا تصویر کے دیکھنے سے تمام خط و خال نظر آجاتے ہیں۔ لیکن تصویر کچھ اور ہے اور عین کچھ اور، تصویر کے دیکھنے والا عین کا روشناس نہیں ہو سکتا۔

۱۸۱۔ کوئی آدمی کسی حاجی کا سفرنامہ پڑھنے سے حاجی نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی کسی کا ادنےٰ خادم ادنےٰ طبیعت اپنے آقا کے ہمراہ اگر ساری دنیا بھی پھر آئے تو سیّاح کہلا سکتا ہے۔ گو تابع[١] متبوع کے ہمراہ ہو کر حاجی کہلاتا ہے لیکن تابع و متبوع (خادم و مخدوم) کے حج میں از روئے مشاہدات از روئے کیفیات اور از روئے ثواب اُخروی کتنا وسیع اور بلند فرق ہے۔ **فتدبّر[٢] فی ذالك فانه مزلة الاقدام الاذکیاء۔**

۱۸۲۔ سلوک مجددی پر سالک[٣] (مرشد) اگر یہ نظر رکھے کہ مراتب[٤] اور تعینات[٥] اور حقائق کو پیش کرنے سے طالب کی پوری قوت اور کامل توجہ اس سیر میں صرف ہو گی۔ تو پھر یہ سیر نہایت ہی مبارک ہے اور باسعادت۔ اگر صرف سند[٦] حاصل کرنا مقصود قرار دیا جاوے تو طالب کے لیے اس سے بڑھ کر سمِ قاتل کوئی نہیں۔ چونکہ اس وقت طبیعتوں کا میلان آرام طلبی کی طرف مائل ہے اور اسناد لینے کے درپے لوگ ہو گئے ہیں۔ اس لیے زمانہ موجودہ میں یہ طریقہ نہایت مضر ہو رہا ہے اور چونکہ سالک (مرشد) خود زیادہ غور و خوض سے کام نہیں لیتے۔ اور اپنی باطنی نسبت

---

١ تابع - اتباع (پیروی) کرنے والا۔ متبوع - جس کی اتباع کی گئی ہو۔

٢ اس مقام پر خوب غور و خوض کریں کیونکہ اس مقام پر بڑے بڑے دانا پھسل جاتے ہیں۔

٣ سالک - مرشد کامل

٤ مراتب - یہاں مراتب سے مراد توحید کے مراتب (تنزلی شانیں) ہیں۔

٥ تعینات - تمام مظاہر تعینات کہلاتے ہیں۔

٦ مراد خرقہ خلافت ہے۔ گویا یہ بھی کوئی علمی درس گاہ ہے۔ جہاں اصطلاحات یاد کر لینے سے سندیں مل جائیں گی۔ تصوف احوال و کوائف کی دنیا ہے اس پر جب تک بلند کوائف نہ حاصل ہوں گے۔ طالب کسی قابل نہ ہو گا۔ اور جب خود کسی لائق نہ ہو گا تو دوسروں کو کیسے کوئی مرتبہ قربِ الٰہی دلا سکے گا۔

٭ ملاحظہ فرمائیے صفحہ نمبر ۱۸۶

سے ان کی باطنی نسبت نہیں جانچتے۔ بلکہ طالب کے وہم وگمان[1] پر ہی اگلے سبق کا تصور دلایا جاتا ہے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ (چار پانچ سال) میں ولایت عُلیا[2] کی سند دے کر کمالاتِ نبوّت کی مسند پر بٹھا یا جاتا ہے۔ اور خود طالب بھی اپنی خامی کی طرف نہیں دیکھتا۔ اس لیے اس کے مضرات اس کے فوائد سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ بخلاف بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کہ سالوں بلکہ عمر بھر ایک ہی مقام میں طالب کی گذار دیتے۔ لیکن مقام تبدیل نہ فرماتے۔ تا ایں کہ اس کی اس مقام میں خامی نہ رہتی۔ بلکہ نہایت مستعد طبیعتوں کے بارہ چودہ سال صرف ہو جاتے۔ پھر بھی پیشوا فرماتے "ہر آن تحفظِ نسبت[3] ضروری است"۔ (ملاحظہ ہو کتب صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ طالب کی استعداد میں کمالات ولایت کا تحقق بدرجہ اتم پاتے نہیں۔ اور کمالات ولایت کا ملکہ پورا پیدا نہیں ہوتا اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اکل حلال[4] نہیں اور یہ ہے اور وہ لیکن کمالاتِ نبوّت جو کمالات ولائت سے بڑھ کر لطیف ہیں، اُن کا ملکہ کیونکر پیدا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کمالاتِ[5] نبوّت کا پہلا درجہ کمالاتِ ولائت ہے۔ اِس درجہ کے بغیر اس درجہ پر کامیابی کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہم نے کبھی سُنا نہیں کہ انٹرنس پاس کیے بغیر کوئی بی۔اے ہو گیا ہو۔ جبکہ پہلا درجہ دوسرے کے حصول کے لیے لازم کر دیا گیا۔ البتہ کسی دوسرے طریقہ سے معلومات میں بڑھ جانا کچھ اور معنی رکھتا ہے۔

۱۸۳ ہاں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کمالاتِ ولایت کا ظل[6] طالب کو حاصل کسی وقت ہو گیا اور ملکہ[7] کی بجائے حال[8] آیا ہو تو پھر اسی درجہ کے کمالاتِ نبوّت کا فیضان بھی وہی ہو گا۔ جتنی کسی کی فنا[9] اتم ہو گی اتنی ہی

---

[1] یعنی طالب جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اس کا اپنا خیال ہوتا ہے اور اپنا خیال اپنے متعلق مبالغہ سے خالی نہیں ہو سکتا اس لئے مرشد کامل طالب کے بیان سے اس کی حالت کا اندازہ نہ لگائے۔ بلکہ اپنے آئینہ دل میں اس کی تصویر دیکھے اور اس کو آگے چلائے [2] ولایت عُلیا یعنی ولایت کبریٰ [3] نسبت (یعنی تعلق باللہ کی کیفیت) کی حفاظت ہر وقت ضروری ہے [4] اکل حلال ۔ حلال کھانا۔ عام مسلمانوں کو ہر شبہ کے کھانے سے پرہیز کرنا لازم ہے لیکن راہ مولا کا سالک تو اوّل درجہ کا انسان ہے اسے اپنے کھانے پینے میں نہایت احتیاط برتنی چاہیئے۔ کیونکہ غذا کا اثر سارے جسم میں ہوتا ہے اور جسم کی ناجائز تربیت سے روح اپنا حقیقی جوہر کھو بیٹھتی ہے [5] جب انسان دنیا میں اپنی حقیقت کی طرف ترقی کرتا ہے تو اس پر عجائبات کا ایک باب کھل جاتا ہے قرب خداوندی محسوس کرتا ہے اور ولی اللہ کہلاتا ہے اور اس قرب اور دوستی کی انتہا نبوت و رسالت ہے [6] ظلّ ۔ سایہ، ولایت کا سایہ یہ کیفیت ذاتی نہیں ہوتی عکسی ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ذاتی محنت و مجاہدہ شامل ہو جائے تو یہ کیفیت قائم رہتی ہے [7] ملکہ ۔ عادت۔ یہاں مراد مقام ہے جو کسی فضیلت روحانی کو قائم رکھتا ہے [8] حال۔ جبکہ کوئی کیفیت روحانی اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو جائے تو اس کو حال کہتے ہیں [9] فنا۔ سالک کی طبیعت جوں جوں عالم روح کے اثرات قبول کرتی جاتی ہے توں توں مادی حالات سے اس کی طبع اٹھتی جاتی ہے اور مادی اثرات طبیعت پر اثر انداز نہیں ہوتے اسکا نام فنا ہے۔

ولی اللہ
حال
فنا

بقا[1] بھی۔

۱۸۴ اس لیے ہر اس طریقہ پر سلوک کے حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ کتب صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطالعہ سے ہر وقت اپنا موازنہ خود کرے۔ اور کسی کے کہنے کا اعتبار نہ کرے اور اپنے اندازہ کرنے میں نہایت احتیاط برتے۔ کیونکہ اس راہ میں بہت سے دھوکے[2] لگ جاتے ہیں۔ یہاں کا دھوکہ ہمیشہ کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا کثیر مشاہدہ کے بعد لکھا اور جو کچھ لکھا حقانیت کے اظہار کے لیے لکھا۔ ورنہ مجال دم زدن بھی اس خاکسار کو اس راہ میں نہیں۔

۱۸۵ ہمارے حضرت قبلہ رحمۃ اس تربیت میں درجہ کمال رکھتے تھے اور چونکہ مکاشفہ[3] اور اشراق کامل کے مالک تھے۔ اس لیے جو کمی آپ دیکھتے اسی کی طرف اشارہ فرماتے اور نہایت صحیح معیار پر لاتے۔

۱۸۶ اس کے بھی دو طریقے تھے۔ ایک مجلس شریف میں ارشادات بلکہ تمثیلات سے۔ اور دوسرا تعلیم یافتہ گروہ کے لیے مطالعہ کتب وغیرہ سے تھا۔

۱۸۷ اب پہلے طریقے کا خاکہ عرض کرتا ہوں۔

۱۸۸ **زہد[4] سے بچنے کی ترغیب:** ایک آدمی آیا۔ اور تلقینِ ذکر کے بعد عرض کی، کہ دعا فرماویں کہ دنیا سے الگ ہو بیٹھوں۔ فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ آخر قبر بھی تو دنیا میں ہو گی۔

۱۸۹ **بناوٹ سے نفرت:** ایک نے عرض کی کہ کوئی چِلّہ فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو چِلّہ کشی کو کبھی پسند نہیں کرتے۔

---

[1] بقا۔ فنا جب مکمل ہو جاتی ہے اور طبیعت عالمِ بالا کے تمام اثرات قبول کر لیتی ہے تو پھر احساسات میں عالم آب و گل کے قیام کی حکمتیں نمودار کر دی جاتی ہیں اور اب سالک دنیا کی طرف زندہ احساسات سے دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی زندگی اور اس دوسری بقا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی زندگی کے احساسات جوانی تھے اب احساسات خلافتِ الٰہیہ کے ہیں [2] سالک بشریت کے تقاضوں کے ساتھ خدا کی طرف چلتا ہے ان تقاضوں میں شیطانی قوتیں آسانی سے آ جاتی ہیں۔ رہنمائی کامل ہو تو غلط قوتیں کم اثر کرتی ہیں ورنہ دھوکہ لگ جانے کا اندیشہ غالب رہتا ہے [3] مکاشفہ و اشراق، ماضی حال اور مستقبل کی کیفیات کا مردِ کامل کے آئینۂ دل پر عکس ریز ہونا۔ اس کی بہت سی صورتیں اور بہت سی اقسام ہیں [4] زُہد کے معنی ترکِ دنیا کے ہیں لیکن جسمی ترک سے زیادہ معنوی ترک اسلامی زُہد سے مقصود ہے۔ یعنی حبِّ دنیا دل سے نکل جائے، جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۱۹۰ **فنائے دنیا کا نقشہ** ۔ مجھے پختہ مکانوں کا بڑا شوق تھا۔ اور اکثر خیال اسی میں ابتدا میں رہتا۔ ایک بار جو حاضر ہوا تو ایک برآمدہ کی تیاری ہوئی۔ مجلس میں فرمانے لگے کہ لقمان[1] کو کسی نے کہا کہ کیوں گھر نہیں بناتا۔ اُس نے مٹھی بھر مٹی لے کر چلتے ہوئے پانی میں ڈال دی اور کہا کہ کیونکر بناؤں۔ یعنی عمر رواں پر کیونکر بھروسہ اور قیام ہو۔

۱۹۱ **انگریزی اور بدیسی اشیا سے نفرت** : ایک بار مجھے آٹے کی مشین لگانے کا جنون سوار ہو گیا۔ حاضر ہوا تو کسی سے مخاطب ہو کر انگریزی کلوں کی بے انتہا برائی فرمائی۔ آخر فرمایا کہ ہمارے خراسوں کو بھی لوہے کی مشینوں نے بند کر دیا۔ جو دیکھو اسی خیال میں غرق ہے۔ لیکن مجھے بالکلیہ اپنا خیال نہ آیا۔ بلکہ سمجھتا رہا کسی غیر سے آپ مخاطب ہیں۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ درحقیقت مجھے ہی خطاب تھا۔

۱۹۲ **غصہ پی جانا ایمان کی نشانی ہے** : ہماری خاندانی ناچاقی حد سے گذر گئی۔ اور آپ ہمیشہ صلہ رحمی[2] کے ارشادات فرماتے۔ ایک بار مجھے بارہ دن اپنی ملازمت میں رکھا۔ گیارھویں دن آپ نے ایک مجلس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔ وَالْكَاظِمِينَ[3] الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ بھی مومن کا ایک نشان ہے۔ گو آپ ظاہر کسی دوسرے سے مخاطب تھے۔ لیکن میں تاڑ گیا روئے خطاب مَیں ہوں اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ کوئی صورت پیدا ہو تو یہ ارشاد بجا لاؤں۔ گھر آیا تو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمشیرہ[4] زادہ صاحب نے فریقین میں صلح کرا دی۔ اور آخری فیصلہ کے لیے میرے منتظر تھے۔ راستہ ہی میں چچا صاحب مذکور نے مجھ سے مل کر ماجرا

---

[1] ایک جلیل القدر ہستی جو اپنی حکمتوں سے اور حکمت کی باتوں سے مشہور رہے بعض لوگ ان کو پیغمبر کہتے ہیں اور بعض لوگ ولی اللہ۔ یہ وہی حضرت لقمان ہیں جن کے نام سے قرآن کریم کی ایک سورۃ، سورۂ لقمان کے نام سے موسوم ہے ۔

[2] صلہ رحمی ۔ اپنے خونی رشتوں کو جوڑنا ۔ اسلام میں اس کی بڑی تاکید ہے ۔ دنیاداری کا برتاؤ اپنے عزیزوں سے زیادہ ہوتا رہتا ہے اور دنیوی منافع بہت عزیز ہوتے ہیں ان کو چھوڑنا نفس پر بہت بھاری ہے۔ اس لئے باہمی لڑائی جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے ہیں جن سے جسم تو نقصان اُٹھاتا ہی ہے لیکن روح کو تو بہت ہی خسارہ ہوتا ہے اس لئے صلۂ رحمی فرائضِ اخلاقی میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تو تعریف یوں فرمائی کہ " جو تجھے نقصان پہنچائے تو اُسے نفع پہنچائے ۔

[3] اور غصے کو پینے والے اور انسانوں سے درگزر کرنے والے ۔

[4] مولوی غلام رسول صاحب ساکن سودھی بالا علاقہ سکون یکسر ضلع سرگودھا جو ایک باخدا انسان تھے اور نقشبندی سلسلہ میں خاندان موسیٰ زئی شریف کے متوسل اور حضرت خواجہ محمد سراج الدینؒ کے خلیفہ مجاز تھے اب ان کے دو صاحبزادے موجود ہیں۔ صوفی محمد حنیف صاحب جو بگار موڑھ شریف کے تربیت یافتہ ہیں اور صوبیدار محمد صدیق۔

بیان کیا اور فرمایا کہ تمہارا انتظار تھا۔ مَیں نے فی الفور کہا۔ کہ مجھ سے تو اس فیصلہ پر شرقپور شریف میں ہی دستخط کرا لیے گئے۔ سُبحان اللہ کشف دیکھو اور اصلاح دیکھو۔

۱۹۳ **خلاصہ سلوک** ۔ ایک صابری[1] خاندان کے معمر آدمی صوفیانہ لباس میں جمعہ کو بعد عصر آپ سے ملے۔ آپ کی طبیعت نہایت بشاش اور چہرہ مبارک مہتاب کی طرح دمک رہا تھا۔ کئی ایک سوال انھوں نے کیے۔ لیکن وہ اتنے صاحب فراست نہ تھے۔ آخر آپ نے صابرؒ کے یہ دو شعر نہایت ذوق شوق سے پڑھے اور فرمایا کہ یہ تو آپ کے صابر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ پھر اِدھر اُدھر کیوں پوچھتے پھرتے ہو۔ اِس پر عمل کرو ؎

ہو فنا[2] ذات میں کہ تو نہ رہے   تیری ہستی کی رنگ بُو نہ رہے

اِس قدر اُس میں ڈوب اے صابرؔ   کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

۱۹۴ **اعمال صالحہ دلیل سعادت ہیں نہ مقام تولد** ۔ ایک دن حاضر تھا۔ کہ بھیرہ کمیٹی کے پریزیڈنٹ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت حضورؒ نیچے کی منزل میں تھے۔ آپؒ کی نگاہ اُن پر پڑی تو بے چارے حیران سے رہ گئے۔ اور دوزانو بیٹھنا بھول گئے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا۔ کہ کہاں سے آئے۔ کہنے لگے کہ بھیرہ کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہوں۔ آپ نے جذب اور جوش میں آکر فرمایا کہ ڈنڈ ونڈ نہیں جانتا۔ پھر تو وہ سہم گئے۔ اور اپنا بچاؤ اس میں دیکھا کہ جی میری پیدائش عرب میں ہوئی۔ آپ نے آہستہ فرمایا کہ ہاں جنت[3] البقیع میں سے اونٹ بھی لدے ہوئے گزرتے ہیں۔

---

[1] یہ خاندان حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے پاک و ہند میں چشتی سلسلہ کے دو طرق مشہور ہیں۔ ایک نظامی اور دوسرا صابری۔ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ صابری سلسلے کے بانی ہیں اور آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے بھانجے اور خلیفہ ہیں۔ کلیر شریف (بھارت) میں آپؒ کا مزار مبارک ہے جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

[2] فنا۔ سالک جب ذکر و فکر کے ذریعے راہِ سلوک طے کرتا ہے تو کامل پیر کے اثرات اور ذکر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور احساسِ قرب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہستی اور انانیت اس نورِ مطلق کے قرب کی وجہ سے غیر محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔

[3] مدینہ شریف کا قبرستان جہاں جلیل القدر صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ کی قبور ہیں۔ مسجدِ نبویؐ کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مبارک قبرستان ہے۔

۱۹۵ **حسنِ سلوک کے لیے تنبیہ:** میاں رمضان نے کہا کہ جب مَیں اپنے بھائی سے جھگڑ کر حاضر ہُوا تو فوراً جاتے ہی فرمایا کہ کُتوں کی طرح پیسہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے لڑ کر آجاتا ہے۔

۱۹۶ **نسبتِ صدیقی کی حقیقت:** ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالرسول[1] صاحب قصوریؒ کے مجازوں سے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور باتوں کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ کے لطیفے[2] ہیں اور اُن پر کیا حالات وارد ہوتے ہیں۔ (اس سوال سے ان کو ایک خاص غرض کسی کے حال پر متوجہ کرنے کی تھی)، آپ نے ایک دو بار تو ان کو ٹال دیا۔ لیکن وہ نہ سمجھے۔ آخر آپ جوش میں آکر فرمانے لگے۔ سارا جسم[3] ہی لطیفوں سے پُر ہے۔ اور ایک ایک جگہ اُن کے جسم پر ہاتھ رکھتے تھے کہ یہ لطیفہ ہے یہ لطیفہ ہے، یہ ہے، یہ ہے، وہ کہتے جاتے کہ جی ہاں جی ہاں۔ آخر فرمایا لطیفوں سے کیا ہوتا ہے۔ نسبت[4] ہے تو صدیقی اور گھر ہے مال سے پُر، صدیقؓ صاحب نے تو ایک پیسہ بھی گھر نہ رکھا تھا۔ اس نسبت سے کیا فائدہ! اور وہ بیچارے حضرت کو بغل میں لیے ہوئے یہ ہی فرماتے جاتے تھے۔ کہ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ سبحان اللہ کتنی بلند بات فرما گئے، کوئی ایسا نظر آتا ہے؛

۱۹۷ **حسنِ معاملہ کی رہبری:** میرے نزدیک تو وہی اچھا ہے جو معاملات[5] میں اچھا ہے۔

۱۹۸ **دُنیا کی حقیقت:** فرماتے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ فرماتے۔ بُتوں[6] والے پیسوں نے ہمارے اندر بھی بُت پیدا کر دیئے۔

---

[1] حضرت عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ حضرت غلام محی الدین قصوری حنفوری کے صاحبزادہ ہیں اور آپؒ مادر زاد ولی اللہ تھے اور آپؒ کی قبر مبارک قصور شریف کے بڑے قبرستان میں ایک مسجد کے دامن میں ہے۔ (وفات ۲۱ محرم ۱۲۹۴ھ)

[2] نقشبندی مجددی سلسلہ میں مبتدی کو لطائف پر ذکر کی مشق کرائی جاتی ہے اور لطائف چھ ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔ قلب، روح، سِرّ، خفی، اخفیٰ، نفس۔ بدن میں ان کے الگ الگ مقام ہیں۔ اور ہر ایک پر ذکر کے حالات اور کیفیات الگ الگ ہیں۔

[3] ذکر کی مشق سلسلہ مجددیہ میں لطائف پر اس لئے کرائی گئی کہ یہ مقامات ذکر کی تاثرات قبول کرنے میں پوری طرح مستعد ہیں۔ ورنہ کامل استعداد کا سالک جب ذکر سے پوری طرح متاثر ہوتا ہے تو رواں رواں ذکر کرنے لگتا ہے۔ اور سارا جسم لطیفوں سے پُر نظر آتا ہے۔ مقصد تو ذکرِ کثیر سے ہے نہ کہ صرف لطائف کے ذاکر بنانے سے اور پھر علمی اصطلاحات کی یادداشت ہی کو مقصود بنانا ٹھیک نہیں۔

[4] نقشبندی سلسلے کی نسبتِ اعلیٰ صدیق اکبرؓ سے آئی ہے اور صدیق اکبرؓ نے خدا تعالیٰ کے نام پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر سب کچھ قربان کر دیا۔ اس لئے صدیقی نسبت حاصل کرنے والے کو فقر پسند ہونا چاہیئے۔ (بقیہ صفحہ ۷۹ پر)

۱۹۹ **عوام کی خدمت کے حقوق** - ایک بار حاضر ہوا۔ تو عوام کی خدمت کی ہدایت اِن الفاظ میں فرمائی۔ چچا کی خدمت کرنا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہر بڑے آدمی کو چچا کے برابر دیکھنا اور اس کی خدمت کرنا البتہ کام ہے۔

۲۰۰ **بزرگوں سے تحمّل اور رضا کے سبق** - میرے چچا کا برتاؤ بعینہٖ وہی تھا جو تمہارے چچا کا ہے لیکن گذر گئے اور وہ کہاں۔

ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ جب مخلصین نے مکان کی ضرورت ظاہر کی۔ اور مدت کے بعد آن زبدۃ الکرام[1] نے اجازت بخشی۔ تو آپ کے چچا صاحب نے لکڑی کے لیے درخت بہت کمزور عنایت کیے۔ مگر مخلصین نے لینے سے انکار کیا۔ اور مشورہ کیا کہ اپنی گرہ سے اور لکڑیاں خرید لاتے ہیں مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ "میں مکان بنوانا نہیں چاہتا۔ اگر چچا صاحب کی عطیہ لکڑیوں کو نہیں چڑھاتے۔" آخر وہی لکڑیاں استعمال کی گئیں اور اب تک مکان میں اُن کے نقص دکھائی دیتے ہیں۔

۲۰۱ **مسلمان تن آسان نہیں ہوتا** - جمعہ کے دن منچلے لوگ جامع مسجد میں گرمیوں سے گھبراتے تو آپ فرماتے متقدمین[2] تو اسلام پر اپنا خون بہاتے اور اُف نہ کرتے۔ لیکن اب مسلمان پسینہ بہنے سے بھی گھبراتے ہیں اور ایک گھڑی مسجد میں بہ آرام بیٹھ نہیں سکتے۔

۲۰۲ **نیازمندی اور اخلاص کا طریقہ** - ایک جوان خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے کھڑا کر دیا۔ اور اپنے چپّہ سے دونوں قدموں میں فاصلہ ناپ کر فرمایا۔ کہ نماز پڑھتے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) ۵ معاملات - لوگوں سے برتاؤ، میل جول اور لین دین۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا درجہ ہے اور ایک سالک مومن کے لیئے یہ دونوں پر پرواز ہیں۔

۶ دنیا کی محبت ہر بُرائی کی بنیاد ہے (حدیث) سلوک کا مقصد ہی یہی ہے کہ سالک اس حبِ دنیا کو دل سے نکال پھینکے اور اس کی بجائے حبِ مولا اور محبتِ آخرت کو جگہ دے۔

---

[1] زبدۃ الکرام - زبدہ، مکھن کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کا نچوڑ، اور کرام کریم کی جمع ہے یعنی بزرگوں میں چُنا ہوا اور منتخب بزرگ۔

[2] متقدمین - متقدم کی جمع ہے - اگلے لوگ، اسلام میں پہلے زمانوں کے بزرگانِ دین۔

دل میں کہا کرو کہ الٰہ العٰلمین۔ مَیں نے اپنا منہ تو تیری طرف کیا ہے۔ اب تو میرے دل کو بھی اپنی طرف پھیر دے۔ کیونکہ وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔

۲۰۳ **توجہ خاص پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔** اکثر فرماتے۔ مَیں نے سنا ہے کہ خانصاحب[1] حضرت صاحب زادہ یللّٰہ شریف والا کو توجہ خاص فرمایا کرتے۔ لیکن میں سمجھتا نہیں۔ کہ وہ توجہ خاص کیونکہ ہوتی ہے۔ وہ تو ایک ہے پھر نتیجہ کیا ہوا۔ کیا خان صاحب نے کوئی کسر اپنی طرف سے چھوڑی تھی۔ انتہی۔ واقف کار اس ملفوظ سے پورا پتہ لے سکتے ہیں۔ خانصاحب نے یہ بڑا کام کیا۔ کہ حالات مشائخ میں تمام مشکوٰۃ شریف بھر دی۔ انتہی۔ یعنی مقابلہ کر کے حالات دکھلائے۔

۲۰۴ **شیخ کے گلے لگانے پر نازاں نہ ہونا کوشش درکار ہے۔** اکثر مجھے مخاطب ہو کر فرماتے۔ کہ اگر میں تجھے گلے لگالوں تو کیا ہو جاوے گا۔

ان دونوں ملفوظات کا اکثر میں مخاطب ہوتا تھا۔ کیونکہ محبت اور شفقت جو از راہ جد امجد علیہ الرحمۃ اس خاکسار پر آنحضورؒ کو تھی۔ اس وجہ سے اکثر آپؒ سینہ مبارک سے مجھے شرف یاب کرتے اور اس آخری پنجسالہ میں سوائے اس خاکسار سیاہ کار کے کسی کو توجہ خاص بھی عنایت نہ فرماتے۔ ان ملفوظات کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کچھ فائدہ ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ مرشد کی عنایت دیکھ کر بے پرواہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سعی اور مجاہدہ اٹھانا چاہیے۔ بعینہٖ حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ اپنے ایک خاص مرید کو اپنی خاص تسبیح دے کر خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ یک تسبیح[2] خاص عمدہ فرستادہ شود لیکن بیش از من پرچا ئی نیست۔

---

[1] مولوی محمد حسن خان صاحب کوٹلہ کیرت پور ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں۔ حضرتِ اعلیٰ غلام نبی للّٰہیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں اور حالاتِ مشائخ نقشبندیہ کے مصنف ہیں۔

[2] (ترجمہ)
ایک خاص عمدہ تسبیح بھیجی جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک دلجوئی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

۲۰۵ **مشیت ایزدی کے مقابل کسی کا چارہ نہیں چلتا**۔ فرمایا کوٹ بھائیخاں کے دونوں رئیس چچا[1] بھتیجا دونوں حضرت صاحب کے ایسے مرید تھے۔ کہ راتوں غلہ بار کرا کر روانہ کر دیتے تھے کہ شاید پیر کے لنگر میں غلہ ختم نہ ہو۔ لیکن مسجد[2] کے کونے پر دونو جھگڑتے رہے۔

۲۰۶ کیا حضرت کے کمال میں کچھ گھاٹا تھا۔ یا اُن کے اخلاص میں اور دینداری میں۔ کیا ہماری مرضی ہے کہ اسلام پست ہو۔ اور فرنگیوں کی سلطنت رہے۔

۲۰۷ **عبادت پر تحریص** ۔ اکثر فرماتے۔ کہ ٹٹی جھاڑے سے بھی کم لوگ خدا کی اطاعت کو جانتے ہیں۔ گرمی ہو کہ سردی۔ بھوک ہو کہ پیاس۔ صحت ہو کہ بیماری۔ درد ہو یا بے آرامی۔ سب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ لیکن نماز کے لیے معمولی بہانہ ہاتھ آئے۔ تو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

۲۰۸ **اصل اتباع پر توجہ نہیں رہی**۔ ایک بار فرمایا۔ کہ پیر کی سنت[3] کے لیے تو لوگ انگلیوں پر پاخانہ لگائے پھرتے ہیں کہ پیر کی سنت ہے۔ لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی پرواہ نہیں۔

۲۰۹ **فقر درحقیقت اتباع سنت ہے** ۔ فرمایا کہ ہم فقیری فقوری کو نہیں جانتے۔ ہم تو صرف سنت[4] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانتے ہیں۔

۲۱۰ **صبغۃ اللہ کی ضرورت ہے اور بس**۔ ہمیں تو ایک ہی شجرہ[5] لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی ضرورت نہیں مسلمان[6] نہیں بنتے اور فقیر بنتے ہیں۔

۲۱۱ **قلبی صفائی کے حصول کا طریقہ**۔ ایک روز ایک نے عرض کیا کہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ فرمایا

---

[1] سردار شیر محمد خان اور سردار حاجی فتح محمد خاں مرحوم یہ دونوں صاحبان کوٹ بھائی خان نزد بیربل شریف ضلع شاہ پور کے رئیس تھے حضرت اعلیٰ بیر بلوی رح کے مرید مخلص تھے۔ [2] یہ نفس انسانی کی کمزوری ہے کہ بعض اوقات نہایت ادنےٰ چیز کے لیے اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے۔ [3] بعض مریدوں کو اپنے پیرو مرشد سے والہانہ محبت ہوتی ہے جو جنون تک پہنچ جاتی ہے لیکن یہی محبت اتباعِ رسولِ اکرم ص پر صرف ہو تو پھر کام بن جائے۔ [4] فقر کا ظاہر اتباع سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس اتباع سے خالی فقیری مقبول نہیں۔ [5] اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بزرگوں میں اپنے اپنے سلاسل کا شجرہ پڑھنا رائج ہے۔ حضرت میاں صاحب رح کی اپنی نسبت چونکہ بہت ہی بلند تھی اس لیئے وہ براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت جوڑنے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس کے لیئے اتباعِ رسالت ہی کام دیتی ہے۔ [6] یعنی اسلام کے ظاہر رسوم کو چھوڑ دیتے ہیں اور باطن کی اصلاح و تزکیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایسا فقر اسلامی فقر کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

ہاتھ بھی ہیں۔ اور پاؤں بھی ہیں۔ آنکھ بھی ہے منہ بھی ہے۔ پھر صفائی کس طرح داخل ہو۔ انتہی

کلامہ :۔ سچ ہے ؂

چشم بند[1] و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

۲۱۲ **یادِ الٰہی کا تخیل۔ باخدا بودن افضل است۔** فرمایا: بہر کارے[2] کہ باشی باخدا باش آپ باخدا بودن کو صرف پسند کرتے تھے۔ کسی خاص صورت۔ کسی خاص وضع۔ کسی خاص حیثیت سے تعلق نہ تھا۔

رشحات[3] میں ہے کہ ایک بزرگ کے مریدوں میں مباحثہ تھا۔ ایک فریق نماز کو افضل از ذکر کہتا تھا۔ دوسرا فریق ذکر کو نماز سے افضل گردانتا۔ فقیر صاحب گھر سے تشریف لائے۔ اور سن کر فرمایا کہ " باخدا[4] بودن افضل است۔

۲۱۳ **مستورات کو تلقین پردہ کے پیچھے کرنی چاہیے** } حاضر ہوا تو فرمایا۔ "میں ایک بار لنگے (ضلع گجرات) میں صوفی چراغ[5] دین سے ملنے کو گیا۔" "تو انہوں نے ایک طرف چارپائی رکھ دی۔ میں نے دریافت کیا۔" "کہ یہ کیوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے حضرت صاحب (بیربل والے) عورتوں کو وعظ سنانے کے لیے ایسا کرتے کہ وہ بھی محروم نہ رہیں" سبحان اللہ کیا عمدہ طریقہ ہے۔

۲۱۴ آپ سے میں یہ خبر سن کر حیران تھا کہ آپ نے اس ذکر کو کیوں دُہرایا لیکن گھر آیا تو احتیاط

---

[1] آنکھ بند کریں کان بند کریں اور منہ بند کریں۔ اور اگر (اس کرنے پر بھی) خدا کا بھید نظر نہ آئے تو پھر ہماری ہنسی اُڑانا۔

[2] جس کام میں بھی تو ہو اللہ کے ساتھ ہو۔ (یعنی معیتِ الٰہی ۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ) کا مراقبہ پختہ ہو جائے۔

[3] رشحات حضرت مولنا جامیؒ کی کتاب ہے جو تصوّف کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔

[4] خدا کے ساتھ ہونا (هُوَ مَعَكُمْ کا خیال پکانا) بہترین وظیفہ ہے۔

[5] صوفی چراغ دین مرحوم لنگے کھوجے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت اعلیٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضورؒ کے حالات ان کو یاد تھے اور ذوق شوق سے بیان کرتے تھے۔

کی تہ تک پہنچا۔ ان دنوں روضہ شریف کی مجاورہ کی بھانجی آئی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے رکن الدین[1] کا سبق پڑھنا چاہا۔ جھٹ حضرت مرحوم کی احتیاط کا خیال آگیا۔

۲۱۵ **مرید کو اتنی محبت پیر سے ہو کہ پیر مرید کا خواستگار ہو جائے۔** فرمایا کہ " یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ آجایا کرتے ہو۔ لطف تو یہ ہے کہ خود ہمیں یہ شوق[2] پیدا ہو جائے کہ صاحبزادہ سے گھر بیٹھے مل آئیں۔" زاں بعد فرمایا " کہ بابا[3] صاحب ہمارے گھر بہت آیا کرتے۔" میری والدہ صاحبہ نے میرے والد علیہم الرحمۃ سے فرمایا کہ باباجی کیوں زیادہ ہمارے گھر آتے ہیں۔

۲۱۶ اس پر باباجی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا۔ " کہ میں تو صرف اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے آیا کرتا ہوں۔ سبحان اللہ مرید ہو تو ایسا ہو کہ پیر گھر چل کر آوے۔

۲۱۷ **وسواس کی نگہداشت۔** اکثر اپنے مخلصین کو فرماتے " تیرا سینہ تیرے پاس ہے۔ پھر کیا ضرورت۔ یعنی جو کچھ فرمانا تھا فرما دیا۔ اب سینہ میں صفائی پیدا کرو، قوّتِ روحانی[4] پیدا کرو، تمام سلوک کی جڑ یہی سینہ ہے جو سینہ کو قابو کرے، وہ سمجھے کہ اب میں راہ راست پر چل رہا ہوں۔

۲۱۸ **وساوس کا علاج سورۃ ناس کا خاصہ۔** ایک بار ابتداءً مجھے بہت خیالات نے تنگ کر رکھا تھا۔ جہاں میں بیٹھتا خیالات اور وساوس سے تنگ رہتا۔ حاضر ہوا تو فرمایا۔ " سورۂ قل اعوذ برب النّاس کس مرض کی دوا ہے۔" زاں بعد جب مجھے خیال آتے تو میں یہ ہی پڑھنا شروع کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کے ارشاد کی برکت اور سورۂ ناس کی خاصیّت[5]

---

[1] رکن الدین فارسی زبان میں فقہ کی ایک کتاب ہے۔

[2] محبت دونوں طرف سے ہوا کرتی ہے۔ محبوب کی محبت ہی محب کی محبت کو قائم رکھتی ہے۔ مرید کی محبت ایسی ادائیں رکھتی ہو کہ پیر اپنے مرید کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو۔

[3] حضرت بابا امیرالدینؒ جو حضرت شرقپوریؒ کے پیر و مرشد تھے آپؒ کی بیعت حضرت قطب العالم امام علیشاہ صاحبؒ سے تھی آپ کا مزار مبارک کوٹلہ شریف ضلع شیخوپورہ میں ہے۔ (وصال ۹ ذیقعد ۱۳۲۳ھ)

[4] روح اور جسم متضاد چیزیں اکٹھی ہیں جسم کے ذریعے جو قوت زندگی بحال رکھنے کے لیے غذاؤں، دواؤں سے پیدا کی جاتی ہے وہ جسمانی قوت ہے۔ اور روح کی قوت عبادات، ذکر، فکر، یکسوئی اور روحانیت کے رشتے کی جانے والی ہر نیکی سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ بڑھتی ہے یہاں تک کہ جسمانی قوتیں روحانی طاقت سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔

[5] وساوس ناقص خیالات کو کہتے ہیں اور ابتداً یہی چیز روحانی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے اس کا اکسیری علاج خدا کی طرف دھیان لگانا ہے اور اس کی امداد پر بھروسہ کرنا ہے اور چونکہ سورۃ الناس میں یہی امداد اللہ تعالیٰ سے طلب کی گئی ہے اور خصوصاً وساوس شیطانی کے مقابلے میں۔ اس لیے یہ سورۃ اس مقصد کے لیے اکسیر ہے۔

سے کچھ مدّت کے بعد بالکلیہ بند ہو گئے۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

باخدا بودن ضروری ہے ۔ جب ابتداءً مجھے ذکر کے لیے تاکید تھی۔ ہر وقت ذکر میں مشغول رہنا۔ خواہ تصوّر[1] ذات بابرکات کا ہوتا یا نہ ہوتا۔ آپ نے فرمایا: صرف اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ؛ انتہی۔ میں نے بہت سے طالب ایسے دیکھے کہ عمر بھر ذکر میں گذر گئی ۔ لیکن اس سے آگے نہ بڑھے اور کچھ فائدہ بھی نہ ہُوا۔ کیونکہ حقیقۃ[2] الحقائق کا تخیل نہیں کرتے اور طوطے کی طرح صرف الفاظ کی قید میں رَٹ لگاتے رہتے ہیں۔

۲۲۰- زاں بعد آپ نے مواہب[3] الرحمٰن کے مقدّمے سے وہ جگہ دکھائی کہ جس میں لکھا تھا کہ اللہ کے لفظ کے حرُوف نہایت بابرکت ہیں۔ اور اس کے بے شمار برکات ہیں۔ لیکن خود ذات بابرکات (مسمی) کے بغیر اسم کا کیا فائدہ۔ اور اس کے مقابلہ میں اس کی کیا حقیقت؛ ؎

آسماں[4] نسبت بعرش آمد فرود ۔۔۔ ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

۲۲۱ **نفی درحقیقت توحید اثباتی ہے** ۔ ایک بار حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کلمہ شریف کی نفی[5] درحقیقت اثبات الا اللہ کی جڑ ہے۔ اس لیے نفی کے بعد وقفہ کچھ برا نہیں۔ کیونکہ اِس نفی کے اندر توحید ہے۔ بلکہ پہلے توحید کی رُوح آئی۔ تو اس کے بعد نفی کے وجود نے قدم رکھا۔ ورنہ اس نفی کی ضرورت کہاں تھی۔ اِس لیے بعض بزرگوں نے جو یہ تاکید فرمائی کہ نفی کو اثبات کے ساتھ پڑھا جائے۔ تاکہ وقتِ مرگ نفی پر دم نہ نکلے۔ اِس کی چنداں اصلیّت قرار نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ یہ نفی اور اثبات دونوں برابر۔ سبحان اللہ! کتنا لطیف اور باریک مسئلہ کس آسانی سے بیان فرمایا۔

---

[1] ذکر ابتدا ہے فکر کی۔ اور فکر بلند ذکر کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کا تصوّر ضروریاتِ فقر میں سے ہے کسی ذاکر کو اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو فقر کی بلندیوں پر وہ نہیں جا سکتا۔

[2] تمام حقیقتوں کی اصل حقیقت یعنی ذاتِ خداوندی۔

[3] مواہب الرحمٰن، تفسیر قرآن کریم ہے۔ چونکہ صوفیانہ مشرب کی تفسیر ہے اس لئے حضرت میاں صاحبؒ اسے پسند فرماتے تھے۔

[4] آسمان عرشِ معلّیٰ کے مقابلے میں اگرچہ پست ہے۔ لیکن ایک بلند ٹیلے کے مقابلے میں وہ بہت ہی بلند ہے۔

[5] علماء میں اختلاف ہے کہ لَآ اِلٰہ کے بعد اِلَّا اللہ بہت تیزی سے بلا وقفہ ملانا ضروری ہے کہ نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر لَآ اِلٰہ پر بغیر الا اللہ کے دم نکل گیا تو یہ خطرہ ہے کہ نفی پر خاتمہ ہو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلے کو واضح فرمایا ہے کہ ایسا ہو بھی جائے تو خطرہ نہیں کہ لا اللہ کی نفی ہی تو اِلَّا اللہ کی بنیاد ہے۔

تربیّت ذہنی کتابی

۲۲۲ دوسری شق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اکثر احباب۔ زائرین، مخلصین لکھے پڑھے لوگ ہوتے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قبلہ روحی[1] فداہ کو عقلِ کُل[2] اور اشراقِ[3] کامل دیا تھا۔ اس لیے جہاں کہیں کسی دیکھتے یا طالب کو جس کی ضرورت ہوتی۔ وہی اس کے پیش کرتے۔ کتبِ تصوّف، تفاسیر اور احادیث کا انبار ہر وقت سامنے لگا رہتا اور تمام کتب میں نشان رکھّے تھے۔ اور علامات صفحہ پر موجود ہوتیں۔ اپنے دستِ خاص سے کتاب کو کھولتے اور فرماتے کہ یہاں سے پڑھو بلکہ اگر کوئی خوانندہ بزور پڑھتا۔ کہ آپ کے کان میں آواز پہنچے۔ تو گاہ بگاہ آپؒ فرما دیتے۔ کہ "مجھے تو معلوم ہے۔ مجھے تو پتہ ہے آپ پڑھتے جائیں"۔ کبھی کبھی کسی اپنے حاشیہ نشین خادم سے سُنوا لیتے۔ اور ایک نشان کے بعد دوسرا نشان، پھر تیسرا۔ غرض ایک گھڑی میں وہ تمام سامان مہیّا فرما دیتے۔ جس کی طالب کو ضرورت تھی۔ اور جس کی تلاش کے لیے اسے بہت سا وقت اور بہت سی محنت درکار ہوتی۔

۲۲۳ علماء کی جماعت کی راہبری اکثر اسی طریقہ سے فرماتے۔ اور میری حاضری کے ایام میں اکثر دیکھا گیا۔ کہ پانچ چھ مولوی صاحبان اکثر روزانہ اکٹھے ہو جاتے۔ اور اس گروہ سے نہایت اخلاص مندی اور جان نثاری فرماتے۔ بلکہ کئی بار اس خاکسار نے دیکھا کہ گھنٹوں مغز ماری کے

---

[1] میری رُوح ان پر قربان ہو۔

[2] عقلِ کل۔ مراد طریقت اور شریعت کے تمام جزئی اور کلی امور کو پوری طرح سمجھنے والا۔

[3] اشراق۔ ذکرِ الٰہی سے اور تعلق باللہ سے جب سینہ روشن ہو جائے تو ماضی، حال اور مستقبل کے حالات سینے کے آئینہ میں منعکس ہوتے ہیں اور حقائقِ اشیاء کھُل کر سامنے آتے ہیں یہی اشراق ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو چمکانا۔

بعد جب آپ مایوس ہو جاتے۔ تو آپ فرماتے "میں نے تو مولوی[1] صاحب سے بہت کوشش کی۔ لیکن کارگر نہ ہوئی"۔ گو وہ رونے کے قریب ہو گئے"۔ لیکن رُوئے[2] تو نہیں"۔ گا ہے مولوی صاحبان کا کتاب کے ساتھ سلوک ناروا دیکھ کر تخلیہ میں فرماتے کہ افسوس۔ کتاب کا ادب تک نہیں کرتے، حالانکہ ان کا اثاثہ یہی ہے۔ مگر جب آرام پا کر طبیعت درست ہو جاتی پھر مولوی صاحبان کو وقت دیا جاتا۔ حالانکہ عوام سے ایک دو لفظ سے زیادہ اِن آخری سالوں میں نہ فرماتے۔ اور وہ اسی میں دم بخود ہو جاتے۔

۲۲۴ اکثر اعتدال[3] پسند طبیعتیں درست ہو کر نکلتیں۔ حالانکہ نصف کے برابر ایسے عالم ہوتے۔ جو حنفی مذہب[4] کو درست نہ جانتے۔ یا جانتے تو اپنے مذہب کو ترجیح دیتے۔ اور بعض اکھڑ طبیعتیں لاجواب ہو کر خاموش رہ جاتیں۔ ایک بار لاہور کے ایک بڑے[5] فاضل اور ایک بڑے کالج کے پروفیسر سے آپ نے کچھ بیان فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ تو حال[6] بیان فرما رہے ہیں ہم صاحب قال[7]، حال کو کیا جانیں۔ آپ کو جوش آگیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب یہ قرآن تمام قال ہی قال ہے[8]۔ اس پر وہ ایسے دم بخود ہوئے۔ کہ پھر نہ بولے۔ آپ کسی سے تکرار نہ فرماتے۔ نہ الجھتے بلکہ لطائف[8] الحیل سمجھاتے۔ اکثر عادت مبارک تھی۔ کہ استفسارانہ لب و لہجہ ہوتا۔ اور استقرائی[9] طریقہ سے چلتے۔ اور باطنی توجہ سے زیادہ کام لیتے۔ چنانچہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے۔ ایک بار فرمایا کہ آیۂ شریفہ اِنَّ[10] اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا : کے بعد آیۂ شریفہ۔ اِنَّ[11] الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

۱؎ علم ظاہر انکشافات علمی کے ساتھ ساتھ تکبر بھی پیدا کر دیتا ہے اور اس مرض کا ازالہ بہت مشکل ہے اور یہی کبر کے مقام پر پہنچ کر حجاب بن جاتا ہے اسی واسطے فرمایا گیا کہ "العلم حجاب الاکبر" علم ایک بہت بڑا حجاب ہے جب پردہ موجود ہے تو تاثیر کیسے ہو ۲؎ رقت قلبی روحانی اصلاح کا نشان ہے۔ جب تک دل کی سختی موجود ہے تب تک گریہ زاری نہیں ہوتی اور حضرتاعلیٰ شرقپوری کے کمالات میں یہ چیز سرفہرست تھی کہ آپکی ادنیٰ توجہ سے رقتِ قلبی پیدا ہو جاتی تھی ۳؎ فیض کے حصول کا دار و مدار طبیعتِ سالک پر ہے۔ متشدد عالم کے لئے راستہ بڑا دشوار ہے اور نرم طبیعت اعتدال پسند کی مشکلات سلوک جلدی حل ہو جاتی ہیں ۴؎ متشدد قسم کے علماء ہر طبقے میں موجود ہیں۔ بعض اہلِ حدیث کا تشدد علمی اتنا بڑھا ہوا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ پر کڑی نقطہ چینی کر گزرتے ہیں ۵؎ مولوی نجم الدین صاحب مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور ۶؎ حال۔ کیفیت کو حال کہتے ہیں۔ فقر و تصوف میں حال وہ کیفیت ہے جو سلوک الی اللہ کے راستے میں سالک اپنے احساس میں کوئی عجیب تبدیلی محسوس کرے یہ بلند کیفیت بدلتی رہتی ہے کبھی بلند کبھی پست لیکن کیف کا ذوق اور احساس ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ حال کے حامل صوفیائے کرام ہوتے ہیں ۷؎ قال۔ بات (قول) کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں علم ظاہر اور اس کا بیان اور اظہار اصحاب قال علمائے ظاہر کو کہتے ہیں، صرف علم والے کیفیاتِ روحی کو کیسے سمجھیں ۸؎ عمدہ طریقے سے ۹؎ سوال کا جواب خود مسئول اپنے سابقہ تجربات سے دے ۱۰؎ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۸۷ پر)

درود زادر زرا

علم حجاب ہے

اللہَ وَرَسُولَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ کیوں لائے ؛ یعنی اس کا تعلق خاص درود شریف کے مانعین کے حق میں ہے جو اپنی طرح ان کو بشر کہہ کر خطاب ندا یہ ناجائز کہتے ہیں۔

۲۲۵ ایک بار بندہ حاضر ہوا۔ تو آپ نے کشف المحجوب[1] سے کئی مقامات دکھائے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ ذوق حاصل ہو نہ ہو۔ آدمی اپنے مشاغل جاری رکھے۔ اور کہ اس وقت تک ایک ایسا گروہ ہے۔ کہ وجد[2] اور ذوق وشوق کا دعویٰ گیر ہو کر خلقت خدا کی گمراہی کا باعث ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲۲۶ ایک بار حاضر ہوا تو مواہب الرحمٰن کا مقدمہ دکھایا۔ کہ مسمّٰی[3] ہی کی ذات تصوّر میں رہے اور یٰاَیُّھَا[4] الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ الخ کی تفسیر شریف دکھائی۔ سبحان اللہ! جو بات اس مطالعہ سے کھلی وہ پہلے کبھی نہ کھلی تھی۔ حالانکہ متواتر زمانہ جنگ میں یہ آیۃ شریفہ پانچ چھ سال میرے زیر نظر رہی۔

۲۲۷ اخویم مولانا مولوی فخر الدّین صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے توحید کے بہت سے اشعار پڑھے۔ زاں بعد فرمایا۔ کہ صلوٰۃ (نماز) معکوسی[5] کیسے آپ کے خاندان میں ہے انہوں نے عرض کی۔ کہ میں نے آج تک کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی طریقہ معلوم ہے۔ اور نہ ہی کسی سے سُنا۔ اس کے بعد آپ نے مواہب الرحمٰن سے قُلْ[6] اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہُ الخ کی تفسیر کا نشان دکھا کر فرمایا کہ اس کو خوب مطالعہ کر لینا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۸۶) اے ایمان والو! تم بھی اُن پر درود وسلام پڑھو ۔ [11] بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں اُن پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مقرر کر دیا ہوا ہے۔

[1] حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا کتاب ہے تصوّف کی قدیم کتابوں میں ہے فارسی زبان میں لکھی گئی ہے اردو میں بھی ترجمہ موجود ہے۔

[2] وجد۔ پانے کو کہتے ہیں۔ بعض طبائع میں جب کوئی حال اثر کرتا ہے تو اُن کا جسم بے اختیار متحرک ہو جاتا ہے اور بے اختیار جھومتا ہے اور بعض کو اس حالت میں سخت تیزی آجاتی ہے [3] مسمّٰی۔ جس کا نام ہے یعنی ذات خداوندی مسمّٰی ذکر کے وقت ہمیشہ ملحوظ ہو [4] اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے ان کو دوست بنایا وہ انہی میں سے ہو گیا بیشک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا [5] صلوٰۃ معکوسی حضرت بابا شیخ فرید گنج شکرؒ نے مدت تک ریاضت کی کہ رات کو کوئیں میں اُلٹا لٹک جاتے اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے اسی کو صلوٰۃ معکوسی کہتے ہیں [6] آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست بنائے گا۔

برادرِ عزیز فرماتے ہیں کہ ایک نشان وقت کی تنگی سے سرسری دیکھا۔ اور کتاب واپس کر دی تھوڑی دیر کے بعد ایک خادم پھر کتاب لایا۔ اور اُس سرسری دیکھے ہوئے نشان کا ورق پکڑ کر کہا کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اس جگہ کو غور سے دیکھ لیویں نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ پھر میں نے غور سے دیکھا تو واقعی اتنا ہی غور طلب تھا۔ جتنا آپ نے فرمایا۔ نماز معکوسی کا پتہ بعد میں مقاماتِ[1] احمدیہ کی اس عبارت سے لگا۔" بابا[2] فرید قدس سرہٗ ہشت[3] سال صلوٰۃ معکوسی سر زیر و پا بالا در چاہ آویزیدہ میکردند و تمام شب بذکر و فکر بسر مے بردند وقت صبح خادم میکشید گویا آپ کا مقصود تھا۔ کہ بابا صاحبؒ نے کیوں یہ خلافِ سنت عمل کیا۔ سبحان اللہ! کس ادا سے سمجھا گئے۔ کہ بُرا معلوم بھی نہ ہو اور حقیقت کھل بھی جائے۔ اور کسی پر طعن تشنیع بھی نہ ہو یہ تھا طریقۂ تعلیم آپؒ کا، کہ اشاروں میں مشکلات حل فرما دیتے۔ اور یہ تھا کشف۔ کہ اسی وقت کتاب دوبارہ روانہ کی اور وہی ورق کہا جو رہ گیا تھا۔

۲۲۸ برادرِ عزیز فرماتے ہیں کہ مرأۃ المحققین[4] عنایت فرما کر آخری تین ورق پکڑ کر فرمایا۔ کہ ضروری بس یہی ہیں"۔

۲۲۹ چنانچہ اگر غور کیا جائے تو تمام تصوّف کا نچوڑ بس وہی وَرق ہیں اور بس۔ باقی سب اس کی تفصیل ہے۔

۲۳۰ انگریزی دان اصحاب کو اکثر مولانا غلام قادر[5] صاحب مرحوم بھیروی کے سلسلہ اسلام کی کتب کے مطالعہ کے لیے فرماتے۔ کیونکہ اِن لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں۔ اکثر قرآن مجید کے

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور مناقب اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب میں لکھی گئی۔

[2] بابا فرید رحؒ اللہ تعالیٰ ان کے بھید کو پاک فرمادے۔ پاکپتن شریف میں مزار، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید، اور ریاضات میں اپنی مثال آپ حضرت خواجہ نظام الدینؒ محبوبِ الٰہی اور خواجہ علی احمد صابرؒ کے پیر و مرشد تھے۔ (وفات ۵ محرم ۶۶۴ھ)

[3] آٹھ سال تک صلوٰۃ معکوسی، سر نیچے اور پاؤں اُوپر کر کے اور کنوئیں میں لٹک کر ادا فرماتے رہے۔

[4] مرأۃ المحققین۔ حضرت قیوم عالم خواجہ امام علیشاہ صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت قطب العالم شاہ حسینؒ بھدوے والی سرکار کے حالات میں لکھی۔

[5] مولنا غلام قادر صاحب رحؒ چشتی سلسلے کے بزرگ تھے۔ علم ظاہر اور تربیتِ باطن کا ایک خوبصورت مجموعہ تھے۔ آپؒ کے بہت مرید تھے۔ بہت کتابیں لکھیں۔ مسجد بیگم شاہی لاہور میں ہمیشہ قیام رہا اور یہیں آپؒ کی آخری آرام گاہ ہے۔

آخری پاروں کا ترجمہ یا کسی خاص تفسیر کا نام لے کر بھی ارشاد فرماتے۔ تفسیر مرادیہ[1] کا آخری پارہ صرف اسی غرض سے چھپوایا تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کے وصال کے بعد طبع ہو کر آیا۔ اور سجادہ نشین صاحب نے حسبۃً للہ[2] اپنے آقا کی مرضی کے مطابق مفت تقسیم فرمایا۔ سیرتِ نبوی پر زیادہ توجہ تھی۔ اور مختلف اصحاب کو مختلف کتب سیرت، ارشاد فرماتے اور پہلے خود کتاب بھی اکثر دکھاتے۔

۲۳۱ مخلصین جادہ[3] سلوک میں قدم استقامت دکھاتے۔ اور اپنے حال کو درست کر لیتے اور پابندِ مشاغل ہو نکلتے۔ تو حسبِ طبیعت اور حسب مذاق کتب تصوّف کے مطالعہ کا ارشاد فرماتے مثلاً ایک صاحب ذوق وشوق کے لیے مثنوی مولانا رومؒ وغیرہ عاشقانہ انتخاب فرماتے! ورصاحب سلوک اور استدلالی[4] طبیعت کے لیے کشف المحجوب، مکتوبات[5] حضرات نقشبندیہ یا حالات وغیرہ کی کوئی ایک کتاب تجویز فرماتے۔ جس سے طالب کی طبیعت دن بدن زیادہ موزوں اور صاحب حال وقال ہوتی جاتی۔

۲۳۲ ہاں گاہے گاہے ترتیب الٹ بھی دیتے تھے۔ مثلاً جب دیکھتے کہ آتش جذبہ زیادہ ہوگئی ہے۔ تو اُسے سرد کرنے کے لیے استدلالی اور تحقیقی کتب تجویز فرماتے! اور محقق اور صاحب تحقیق و فلسفہ کے لیے عاشقانہ کتب انتخاب فرماتے۔ کہ مطالعہ سے جذبہ کی آگ بھڑک کر فلسفہ کی دھجیاں اڑا دے! اور تن من عشق میں جل جائے۔ سبحان اللہ! کتنے صاحبِ نظر بلند تھے۔ آج کوئی بڑے سے بڑا فیلسوف بھی نفسیات کے اس نظریہ پر عمل آرا نظر نہیں آتا ہے۔

۲۳۳ چونکہ اس روسیاہ بدکردار کو ہمیشہ سے استدلال عقل اور فلسفہ سے واسطہ رہا۔ اور

---

[1] تفسیر مرادیہ۔ حضرت مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی کی تفسیر ہے۔ حضرت اعلیٰ شرقپوریؒ نے آخری پارہ کا یہ حصہ اپنے خرچ سے طبع کرایا۔ لیکن حضورؒ کے وصال کے بعد مطبع سے آیا حضرت ثانی صاحبؒ نے احباب میں تقسیم کیا۔

[2] حسبۃً للہ۔ محض اللہ کے واسطے۔

[3] جادہ سلوک۔ اللہ کی طرف چلنے کا راستہ۔

[4] استدلالی طبیعت۔ وہ طبیعت جو دلائل اور تمثیلات سے متاثر ہو۔

[5] مکتوبات وحالات مشائخ نقشبند۔ ان دونوں مضامین پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

طبیعت کا میلان بھی اسی طرف تھا اس لیے میری تربیتِ ذہنی اس طرح فرمائی۔

۲۲۴ (۱) شرفیابی پر حضور قبلہؒ نے حکایات الصالحین[1] اور مرأۃ المحققین عنایت فرمائیں۔ اور فرمایا کہ تفسیریں تو بہت دیکھی ہونگی لیکن تفسیر حسینی[2] کا مطالعہ کر لینا۔ چونکہ طبیعت سہل پسند نہیں اس لئے تفسیر حسینی کا مطالعہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اور حضورؒ کا مطلب بھی میں تاڑ گیا کہ اصل غایت صرف ان نکاتِ[3] سلوک کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جس کو صاحب حسینی (ملا علی کاشفی صاحبؒ) بعض مقامات پر عین تفسیر میں بطور معارف بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس گنہگار کا بد مذاق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سوائے اَبکار[4] افکار کے کچھ پسند نہیں آتا اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ تفسیر کے مطالعہ کو بھی طبیعت نے پسند نہ کیا۔

۲۲۵ حکایات الصّالحین جذبۂ محبت کو بڑھانے کے لیے عنایت کی ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے مترجم کو خدا غریقِ رحمت فرماوے کہ ترجمہ صاف اور سُلجھا ہُوا نہیں۔ اور نہ وہ روحانیت تھی۔ جو اصل کتاب میں ہوتی۔ اس لیے چند حکایات کے سوا میں نے اِس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہی دقّت کشف المحجوب کے ترجمہ میں بھی پیش آئی۔ لیکن اصل مِل جانے سے میری طبیعت خوب بیٹھی۔ بیان صاف اور روحانیت و محبّت سے پر ہے۔

۲۲۶ البتہ مرأۃ المحققین سے میں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اس کا مطالعہ کئی بار کیا ہر بار نیا لطف اس کے دیکھنے سے حاصل ہُوا۔ اور طبیعت میں خوب بیٹھی۔

۲۲۷ (۲) شرف سعادت کے دوسرے سال مکتوباتِ[5] حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمایا۔ جن کے مطالعہ نے مجھ میں اعراض[6] ماسوا پیدا کر دیا۔ کیونکہ حضرت مرحوم کے تمام مکتوبات میں

---

[1] حکایات الصالحین۔ اردو ترجمہ ہے ریاض الصالحین۔ مصنفہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

[2] تفسیر حسینی۔ ملا علی کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

[3] نِکات۔ نکتہ کی جمع۔ لطیف اور باریک علمی بات۔ ایک نقطہ ہے جس کی جمع نقاط ہے یہ وہی نقطہ ہے کہ جب دو خطوط ایک دوسرے کو کاٹیں تو تقاطع کے مقام پر پیدا ہو جاتا ہے

[4] اَبکار۔ بکر کی جمع معنی "اَن چھوئے"۔ افکار۔ فکر کی جمع (ابکار افکار، نئے اور عجیب و غریب فکر)۔

[5] حضرت اعلیٰ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات متاخرین اولیا اللہ کے مکتوبات میں نہایت بلند درجہ کے ہیں۔ بعض تو انوار مرتضوی (حضورؒ کے حالات میں ایک نہایت عمدہ کتاب مولوی حکیم عبدالرسول صاحب ساکن بھیرا نے لکھی) میں طبع شدہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔

[6] اعراض ماسوا۔ "ماسوا" اصطلاح تصوّف میں یہ ماسوا اللہ کا مخفف ہے یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اعراض۔ رُوگردانی اور بے توجہی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے منہ موڑنا۔

یہی رنگ زیادہ ہے۔ اور متأخرین میں میں نے کسی ایک بزرگ کے مکتوبات بھی اس درجہ کے نہ پائے۔ جن کی عبارت نہایت دلچسپ اور معانی اور حقیقت سے پُر ہو۔

۲۳۸ (۳) تیسرے سال کشف المحجوب کے مطالعہ کا ارشاد ہُوا۔ جس سے وہ مجہول[1] کیفیات بے نقاب ہوئیں۔ جو وقتاً فوقتاً وارد حال ہوتی تھیں جن کی صحت اور غلط ہونے میں تردد تھا۔ اور جن کی تمیز ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اصطلاحات صوفیہ کرام رحمہم اللہ اجمعین سے بھی واقف ہوگیا۔ اور اپنی کمیوں اور خامیوں کا صحیح اندازہ ہوگیا۔

۲۳۹ (۴) چوتھے سال بعض علمی اور حالی نسبتوں میں تردد پیدا ہوگیا۔ چنانچہ میں نے امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات[2] کا مطالعہ شروع کیا لیکن ساتھ ہی ایک غیر حرف شناس آدمی اپنے علاقہ کا جب حضور کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ تو فرمایا کہ ان سے جا کر کہنا کہ مکتوبات کا مطالعہ کرو۔ اور اسم ذات[3] پر بہت زیادہ توجہ کرو۔ اس سال کے اخیر میں جب خود حاضر ہُوا تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے ذریعہ ارشاد کیا کہ معارج[4] النبوت اور مدارج[5] النبوت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے انتہی، چنانچہ میں نے ان کی جگہ مواہب[6] لدنیہ کا مطالعہ شروع کیا۔ کیونکہ حضور کا مقصد سیرتِ نبوی سے واقف کرنا تھا۔ اور یہ کمی مجھ میں بہت نمایاں تھی۔ گو کہ صوفیائے کرام کے حالات سے واقف، اور اُن کی تصنیفات سے حظِ وافر اُٹھا چکا تھا۔ لیکن خود منبع نبوت سے بلا واسطہ اسوۂ حسنہ[7] کی سیرابی ضروری تھی۔ اور یہی کمی اکثر آج کل پائی جاتی ہے کہ اصل چشمۂ نبوت علیہ التحیۃ و السلام کی طرف صوفیائے عظام کی توجہ کم ہے۔ اور ہر فعل کو پیر کی سُنّتِ خیال کر کے عمل میں لایا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہی فعل براہِ راست سنّتِ نبوی علیہ التحیۃ والسّلام کی طرف منسوب کیا جائے

---

[1] مجہول کیفیات: وہ کیفیات جو واضح طور پر وارد نہ ہوں۔ اور سالک کو ان کے بارے تردّد رہے۔

[2] مکتوبات امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تین جلدوں میں ہیں اور اصل فارسی زبان میں ہیں اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری نے ترجمہ کیا تھا اور وہ طبع شدہ ہے اب دوبارہ شائع ہوا ہے۔

[3] اسم ذات: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں باقی تمام اسمائے گرامی صفاتی ہیں صرف "اللہ" ذاتی نام ہے۔ اور نقشبندی سلسلے میں یہی اسم مبارک ابتدا اور انتہا میں مرکزِ توجہ ہے۔

[4] معارج النبوۃ: حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر نہایت مبسوط کتاب ہے۔ فارسی زبان میں ہے ہر قسم کے تاریخی مباحث اس میں موجود ہیں۔ مُلّا معین کاشفی کی تصنیف ہے۔

[5] مدارج النبوۃ: حضور نورِ مجسم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت مقدسہ کی نہایت جامع کتاب ہے فارسی زبان میں ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

[6] مواہب لدنیہ: سیرت سید ولدِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت مبسوط کتاب عربی زبان میں ہے شیخ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

[7] اسوۂ حسنہ۔ یہ قرآنی اصطلاح ہے (بہترین نمونہ) حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ہر لحاظ سے بہترین نمونہ ہے۔

(اور ایسا ہی ہوتا ہے) تو اس کی اہمیت خدائے جل و علا کے نزدیک اور خلق اللہ کے نزدیک کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اسکی قربت میں کتنا بڑا بلند درجہ اور ثواب ملتا ہے۔ اور محبت و عشق کی شان کتنی بلند ہوتی جاتی ہے۔ گو ابتدا میں پیری پیر حاصل کر کے فنا فی الشیخ[1] کا لقب ملتا ہے لیکن کون اس حقیقت سے منکر ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا درجہ فنا فی الرسول[2] کا ہے اور یہی صوفیا کا آخری معیار ہے۔ مولانا مرحوم سوہادی[3] رح نے کیا اچھا کہا۔ ع "بقا باللہ[4] فانی فی النبی ہے"۔

فنا فی الرسول کے بعد بقا باللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے! ور اُسی کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[5]۔

۲۴۰ فنا و بقا کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔ لیکن شاہ کلیم اللہ[6] صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "کہ فانی سے[7] فنا ہونا فنا ہے! ور باقی سے باقی رہنا بقا ہے"۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں۔ کہ صفات ذاتی کو صفات نبوت علیہ التحیہ والسلام میں فنا کر دینا فنا ہے۔ اور اپنی ذات کو ذات حق جل و علا میں فنا کرنا اور (قائم کرنا) بقا ہے اور فنا مقدم ہے بقا سے۔ جیسا کہ علت مقدم ہے معلول سے۔

۲۴۱ یہاں پر یہ کہہ دینا بے جا نہ ہو گا کہ جب تک حالی کیفیت[8] کا قدم آگے نہ بڑھے تب تک علمی مطالعہ[9] کی طرف احتیاج نہیں بلکہ حالی کیفیات کے نشانات دیکھنے اور کھوج نکالنے کے لیے علمی مطالعہ اور انکشاف کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اس راہ میں علمی مطالعہ یا انکشاف بالذات کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

---

[1] فنا فی الشیخ۔ کامل پیر کے اثر سے انا میں کمی آجاتی ہے اور اس اثر اور ذکر و فکر سے انوار غلبہ کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ انانیت ختم ہو جاتی ہے اور پیر کا اثر اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ تمام تاثرات سالک کے اندر باہر اپنے پیر کی جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں [2] فنا فی الرسول: فنا فی الشیخ کے بعد طبیعت ترقی کرتی ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تاثیرات سالک پر جلوہ ریز ہوتی ہیں اور پھر اس کی موجودہ کیفیات حضور کی تاثیرات میں گم ہو جاتی ہیں اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں [3] مولانا محبوب عالم سوہادی رحمۃ اللہ علیہ سوہادہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے علم ظاہر اور حقیقتِ باطن اپنے پیر و مرشد حضرت اعلیٰ پیر بلوی رح سے حاصل کی، طبیعت میں بیحد سوز تھا اور اپنے پیر و مرشد سے عشق تھا، نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھیں اپنے پیر و مرشد کی حیات میں ہی انتقال کیا [4] بقا باللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہونا، سالک کو فنا کے بعد بقا کا مقام حاصل ہوتا ہے فانی فی النبی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہو جانے والا [5] آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا [6] شاہ کلیم اللہ جہان آبادی [7] فانی سے مراد ہے فانی سے فنا ہونا یعنی مادیات سے گزر جانا کیونکہ ہر مادہ فانی ہے۔ باقی سے باقی رہنا۔ عالم امر یا ذات و صفات الٰہی کے ساتھ واصل ہونا، روح خود بھی باقی ہے اور جب وجود کے ساتھ تعلق کے بعد اسکی بقا قابل رشک اور مقصود حیات ہے [8] حالی کیفیت۔ سالک جب راہ مولا میں چلتا ہے تو اس کو عجیب و غریب کیفیات حاصل ہوتی ہیں اور انہی کیفیات کا وارد ہونا حال کہلاتا ہے اور وہ کیفیت حالی کیفیت کہلاتی ہے [9] یعنی کتاب پڑھنے سے کوئی کیفیت نہ پیدا ہوتی ہے نہ بدلتی ہے۔

"کہ[1] از مطالعہ کتب ہیچ نکشاید"۔

۲۴۲ مکتوبات حضرت امام مجدد علیہ الرحمۃ کی طرف ہاتھ اور آنکھ اس وقت بڑھائی جاوے جب طبیعت کے جولان نے طبیعت میں گوناگون رنگ اور کیفیات پیدا کر دی ہوں۔ اور کہ پیر و مرشدان[2] تمام کی تفصیلات دکھانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اور کہ طبیعت اپنی بیچون دبے چگون کیفیات سے لبریز ہو کر دم بخود ہو کر کچھ تمیز نہ کر سکے۔ ورنہ مکتوبات کا مطالعہ بجائے فائدہ کے سخت نقصان دے گا۔ اور تمام حالی کیفیات، علمی و[3] ہمیات میں بدل جائیں گی۔ اور سالک کے لیے بجائے حقیقت کے مجاز چہرہ کشا ہو جائے گا۔

۲۴۳ حضرت امام علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات شریف دیکھنے کے لیے دو بلند استعداد دوں کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو حالی کیفیات نہایت ہی بلند ہوں، اور استعداد کامل ہو اور دوسری طرف علمی سرمایہ معقول[4] و منقول کافی و وافی ہو۔ تاکہ حسن حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے حضرت امام علیہ الرحمۃ نے دفتروں کے دفتر لکھے۔ وہ سالک پر بعینہٖ اسی صورت جلوہ گر ہو۔ ورنہ اس سے کم درجہ[5] کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی حالت کو درست کرتے رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ مجددیہ میں اس راہ کے چلنے والے کے لیے بہت کافی ذخیرہ موجود ہے متقدمین سے بڑھ کر متاخرین نے تفصیلات قلم بند فرمائیں۔ اور ہر ایک امر پر تفصیلی روشنی ڈالی اور متاخرین سے بڑھ متقدمین کی کتب سراسر روحانیت سے پر اور حالات سے لبریز۔ متاخرین سے مکتوبات حضرت غلام علی[6] شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مناقبات احمدیہ وغیرہ مناقبات اور مکتوبات اور ملفوظات کے

---

[1] کتابوں کے مطالعہ سے (باطن کا سلسلہ) کچھ نہیں کھلتا۔

[2] یعنی پیر و مرشد سالک کو حکم دیں کہ کتابیں پڑھ کر اپنی کیفیات کی تمیز اور تصدیق کرے۔

[3] حال کیفیت کے ظہور کا نام ہے اور کیفیت کا علم بلا ظہور علم کیفیت ہے جس کا صحیح اندازہ عالم کو نہیں ہوتا اور اس کا وہم اندازے بناتا رہتا ہے اگر کیفیات کی کثرت ہو اور حال زور پر ہو تو کیفیات کا علم فائدہ دے گا ورنہ صرف مطالعہ سے علمی اندازے کرنے کی طرف طبیعت مائل ہو جائے گی۔

[4] معقول۔ فلسفہ منطق وغیرہ۔ منقول۔ قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ۔

[5] کم درجہ کتب سے مراد ایسی کتب جو عام تعلیم یافتہ پڑھ سکے اور سمجھ سکے۔

[6] حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلویؒ نقشبندی سلسلے کے آفتاب ہوئے وفات ۱۲۴۰ھ میں ہوئی۔

ذخیرے موجود ہیں۔ اور متقدّمین کی اجمالی اور حالی کیفیات کے مطالعہ کے لیے رشحات[1] حضرات القدس[2] نفحات الانس[3] وغیرہ کتب سیرت و مناقبات کتنی ہیں۔

۲۴۴۔ حضرت[4] مرحوم و مغفور روحی فداہ کی وفات کے بعد مَیں نے رشحات اور مناقبات احمدیہ کا زیادہ مطالعہ کیا۔ رشحات سالک کے لیے ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جس سے ہر گھڑی اپنا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کئی بزرگوں کے حالات اور اُن کے رشحات (ملفوظات) نے مل کر کئی طبیعتوں کا آئینۂ کیفیات پیش کر دیا ہے! اور ہر طبیعت اور ہر حال و کیفیت کی بابت ضروری اجمال مل سکتا ہے۔ اپنے لیے مَیں نے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کو مفید نہ پایا۔

۲۴۵ (۵) پانچویں سال کے عین وسط میں جب کہ شعبان ۱۳۴۶ھ میں حاضر ہوا تو حاجی[5] صاحب موصوف سلّمہٗ ربّہٗ کی زبانی ارشاد ہوا: "کہ کتاب[6] الفتن مشکوٰۃ شریف دیکھ لینا"۔ میں حیران تھا۔ کہ یہ کیوں ارشاد ہوا۔ کتاب کھول کر دیکھی۔ سبحان اللہ یہ ایک آخری منزل تھی جس کی ضرورت اس موجودہ دَور میں نہایت ضروری قابلِ توجہ تھی۔ اس بات کی طرف کسی صوفی کی توجہ موجودہ دَور میں نہیں دیکھی۔ صاحبِ علم سے اس بات کی اہمیت پوشیدہ نہیں۔ اور تفصیل کے لیے موقعہ نہیں۔ اس کے علاوہ آتے ہی گھر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور کسی شرعی[7] مسئلہ پر علماء میں گفتگو علی الاعلان دنیاوی حیثیت سے ہو گئی۔ اگر میں نے اِس باب کا مطالعہ نہ کیا ہوتا۔ تو معلوم نہیں کتنوں کو کافر کہتا۔ کتنے لوگوں سے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ قائم کرتا۔ گو مَیں حق پر تھا۔ لیکن پھر بھی جماعت کی تفریق سے خائف اور ندامت آنکھوں میں، اور تو یہ زبان پر تھی۔

---

[1] رشحات۔ مولنا جامیؒ کی کتاب ہے فارسی زبان میں تصوّف کے حقائق ہیں۔

[2] حضرات القدس: ہر دو جلد مؤلفہ حضرت مولینا بدر الدین سرہندیؒ خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

[3] نفحات الانس حضرت مولنا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے 685 اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔

[4] حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

[5] حاجی صاحب سے مراد حضرت حاجی عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

[6] کتاب الفتن: فتنوں کا بیان (مشکوٰۃ المصابیح کا ایک باب ہے)۔

[7] شرعی مسئلہ میں دنیوی حیثیت سے گفتگو ہونا۔ علم جب تک فقر کے سانچے میں نہ آئے اس کے نقش و نگار نہیں کھلتے۔ اہلِ علم حضرات نے دین کی بڑی خدمت کی لیکن دنیا کی آمیزش نے بعض کے نمونے کو ناقص کر دیا جس سے دین کو نقصان پہنچا۔ ناقص علما کو دیکھ کر اہلِ دنیا حقیقی دین سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

مولانا جامی کی کتاب نفحات ہے۔ رشحات حضرت ملا علی بن حسین الواعظ الکاشفی کی کتاب ہے

اور ہر گھڑی وہی اِرشاد کا خلاصہ آنکھوں میں تھا کہ حضور اقدس علیہ السّلام کی ہدایات اِس زمانہ پُر فتن میں دیکھ کر حیران تھا۔ کہ تھے تو بشر[1] لیکن یہ کتنے دور کی کتنی واضح اور روشن تصویر کھینچ گئے
اَللّٰھُمَّ[2] صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

۲۴۶ اس قدم بوسی اور شرفیابی کے بعد، اگرچہ دوبار آپ کی حیاتِ طیبہ میں دردولت پر حاضر ہوُا۔ لیکن کوئی اِرشاد اس علمی تربیت کے بارے میں نہ فرمایا۔ البتہ اپنے پاس بالاخانہ پر بلواتے اور بعد فراغ طعام مصافحہ فرما کر مسجد جانے کے لیے ارشاد فرماتے۔

---

[1] حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات نورِ الٰہی کا ظہور ہے اور علماء حضرات نُور و بشر کے جھگڑوں میں پڑے ہیں۔ حضرت قبلہ و کعبہ دام ظلہٗ، نے "تھے تو بشر" فرما کر لطیف تعریض فرمائی ہے کہ بھلا بشر چودہ سو سال نہیں قیامت تک کے لئے اتنی عظیم پیشگوئیاں کیسے کر سکتا ہے اتنا انشراح تو نُور ہی کو ہو سکتا ہے جس کے سامنے کوئی مانع، مانع نہ ہو سکے۔

[2] اے اللہ تو درود و سلام بھیج ہمارے سردار مُحَمَّد النَّبِی (صلّے اللہ علیہ وسلّم) ازلی و ابدی علم والے پر اور آپؐ کی آل و اصحاب تمام پر۔

تربیتِ جلالی[1] و جمالی[2]

۲۴۷ آپ کی ذات بابرکات میں یہ صفت ممتاز تھی جس سے کسی دوسرے کو کم ہی حصّہ ملا ہوگا۔ آپؐ کا جلال کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتا تھا۔ اور جمال کسی کو ہٹنے نہ دیتا تھا۔ جو ایک بار حاضر ہوا پھر عمر بھر اسی دولت کا غلام ہی رہا۔ کبھی جلال[3] دل پر غالب ہوتا تو دل دھڑکتا اور کبھی جمال اپنا جمال[4] دکھاتا تو طبیعت بے اختیار جذبۂ الفت میں بے قرار ہوتی۔

۲۴۸ جو طبیعت خائف ہو کر سامنے ہوتی۔ تو آپؐ کا جمال اُس کی تواضع کرتا۔ اور جو صورت متکبّرانہ رنگ میں پیش ہوتی تو آپؐ کا جلال اُس کی مدارات کرتا۔ ادنےٰ و اعلےٰ کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی کہتر و مہتر آپ کی محبّت کے دعوے دار تھے۔ اور ہر ایک اپنے خیال میں رازِ الفت[5] کا مدعی تھا! اور حق تھا بھی ایسا ہی، کہ وہ سراسر محبّت تھے۔ اور سرِ چشمہ رحمت، جمال[6] آپؐ کا ذاتی تھا۔ اور جلال صفاتی، کون ہے، جو حاضر ہوا اور آپؐ کے جمال نے اس کے آنسو پھوڑ پھوڑ کر نہ گرائے۔ اور کون ہے، جو پیش ہوا۔ اور آپ کے جلال سے دم بخود نہ رہ گیا ہو۔ گھر میں بیٹھے خوف ہوتا کہ اب کیا پیش آئے۔ اور کالے کوسوں دور دل پھڑکتا کہ کب دیدار نصیب ہوگا۔ آپؐ کی اِس صفت نے آپؐ کے دمِ مسیحائی پر سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ[7] (حدیث قدسی) اور رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ[8]

---

[1]، [2] جلال ہیبت و شان و شوکت: اس سے مراد ہے ایسی تربیت جس سے شانِ بے نیازی کا ظہور ہو اور سالک کو تکالیف و مصائب کی آزمائشوں میں لا کر گرمی پہنچائی جائے جمال خوبصورتی اور حُسن کو کہتے ہیں یہاں ایسی تربیت مراد ہے کہ سالک ہر طرح کے آرام، راحت لذّات باطن سے سرفراز فرمایا جائے اور بغیر کسی آزمائش کے محبت کی اداؤں سے اس کی تربیت فرمائی جائے [3] آپؐ کی ہیبت سے لوگ خائف تھے اور بے تکلفی کا نام نہ تھا [4] آپؐ محبت اور اُنس میں بھی یگانہ تھے کہ جس نے ایک دفعہ دیکھ لیا وہ فریفتہ ہو گیا [5] ولایت کی کشش قبول کرنے والا اپنے اپنے درجے کا قرب اور حضوری پاتا ہے اور ہر درجے کے بعض راز ہوتے ہیں اور شیخ کامل اُن پر وہ راز کھولتا ہے نیز شفقت اور محبت کا پھیلاؤ اور تاثیرات بھی پوری پوری اپنایت پیدا کرتی ہیں اس لئے ہر شخص محبت کا اور قرب کا مدعی بن سکتا ہے [6] جمال ذاتی تھا، یعنی فی الحقیقت آپؐ محبت و الفت کا خزانہ تھے اور محبت کا دریا ہمیشہ جوش میں رہتا تھا اس لئے جو آیا سیراب ہوا۔ اور اپنی لطافتِ ایمانی اور مخلوق کی خیر خواہی اور اصلاح کی وجہ سے ناراض ہونا پڑتا اور یہ صفت جلال ذاتی جمال کے ساتھ مل کر سالک کا کام بنا جاتی [7] میری رحمت ہر چیز پر چھا گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک) [8] میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک)

کا پورا نمونہ اور پورا عکس آپ کی ذات بابرکات تھی۔

۲۴۹ ایک طرف حکومت کا ایک اعلیٰ افسر اپنے جاہ و جلال کے ساتھ پیش ہوتا ہے تو منہ پر طمانچے کھا رہا ہے اور دوسری طرف ایک غریب پھٹے پرانے لباس میں حاضر ہوتا ہے تو گلے لگایا جا رہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر گھڑی اور ہر آن یہ دونوں[1] رنگ بیک وقت ظہور پذیر ہوتے، ظاہر جلال ہے اور اندر جمال، اور شاذ و نادر اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب دیکھتے کہ چارہ گر کچھ نہیں ہو سکتا تو نرم مزاجی سے ٹال دیتے۔ لیکن اندر (باطن) بیتاب ہوتا۔ اور آپؒ کے جلال کی برق وہیں جلوہ پذیر ہوتی۔ جہاں بارانِ جمال کی رحمت اُس کے پَے در پَے ہوتی گویا رحمتِ الٰہی کی گھٹا ہوتی۔ کہ چمک دمک کر برس پڑتی۔

۲۵۰ آپؒ جب عام مجلس میں تشریف لاتے تو طبیعت شریف پوری مستعد ہو کر آتی اور اس وقت کی ہر ایک حرکت ہر ایک فعل مِن جانب[2] اللہ ہوتا۔ اور بِیْ یَسْمَعُ[3] وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ کا پورا نمونہ ہوتی۔ لیکن جب آپؒ اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے تو جمال ہی جمال رَہ جاتے اور حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہ وہی شبیرِ محمدؐ ہے یا کوئی اور بے کس و مسکین۔

۲۵۱ ایک بار حاضر ہوا۔ تو خادم نے حسب ارشاد آپؒ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اُوپر بلا لو۔ حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ رُو مائل بہ قطب تشریف رکھتے ہیں۔ اور اِردگرد پانچ چھ لڑکے، آپ اُن کو مواہب الرحمٰن دکھا اور سُنا رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ اس کے مصنّف نے عنایہ[4] شرح ہدایہ بھی لکھی۔ چونکہ وہ بچے تھے۔ وہ عنایہ اور ہدایہ شریف کو کیا جانیں۔ آخر خواجہ[5]

---

[1] یعنی ایک ہی مجلس میں متکبر کے ساتھ سختی اور متواضع کے ساتھ محبت و نرمی ہوتی تھی۔

[2] اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

[3] مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

[4] عنایہ شرح ہدایہ۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح ہے۔

[5] خواجہ دین محمد صاحبؒ فیض پور کے رہنے والے تھے اور حضور رحمۃ اللہ کے ہمہ وقتی دربان تھے۔

دین محمد صاحب سے کہا کہ عنایہ کی جلدیں لے آؤ اور وہ لے آئے۔ اور لڑکوں کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ یہ کتاب بھی اسی مصنّف کی ہے۔ سُبحان اللہ! چونکہ مَیں نے پہلے حضرت کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے حیرت کے سوا مجھے کچھ ہوش نہیں کہ اتنے بلند پایہ کا ولی ہے۔ اپنے وقت کا غوث[1] اور زمانہ کا قیوّم[2] پھر اس بیکسی میں مجلس افروز۔ کہ دیکھنے والا حیرت میں آجائے۔ کہ وہ کیا تھے۔ جن کو نیچے کی منزل میں دیکھا تھا۔ اَور یہ کیا ہیں جو بالاخانہ میں نظر آ رہے ہیں۔ اور یہ نقشہ مرتے دم تک میری آنکھوں سے نہ جائے گا۔

۲۵۲ ساتھ ہی آنحضرت (روحی فداہ) رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس جلال وجمال سے واقف بھی تھے۔ اور حسب موقعہ استعمال فرماتے۔ گاہے گاہے بعض خادموں کو جذبۂ الفت بے اختیار کر دیتا تھا۔ تو آپؒ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا[3] کے مطابق اپنے مجذوب کو سخت عتاب فرماتے۔ اور دربار سے نکال دیتے اور فرماتے، "تم کیوں آئے! تمہارے آنے کی کیا ضرورت! گھر میں بیٹھے رہا کرو" "مجھے ایسا آدمی پسند نہیں جو بے فائدہ پھرتا رہے"۔ "مجھے ایسوں سے الفت نہیں"۔ یہ الفاظ اور آپؒ کا یہ طرز آتش محبّت[4] پر تیل کا کام دیتا اور جذبۂ الفت ومحبت کی آگ طالب کی چوٹی سے جا نکلتی اور فنا کی آخری سرحد پر طالب بلا مجاہدہ[5] یک دم جا پہنچتا۔ اور پیر مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے عکسی نور سے منوّر ہو بیٹھتا اور نمونہ ؎

من تو شدم[6] تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

ہو نکلتا۔ عادات، اخلاق سے بڑھ کر صورت پر جا نقشہ جمتا۔ ہاں! جس کو جذبۂ الفت کم ہوتا

---

[1] غوث: اولیاء اللہ میں سب سے بلند درجہ غوث ہے۔
[2] قیوّم: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض اولیاء اللہ کو اس صفاتی نام کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی برکات کے قیام کا اور اسکی شریعت طریقت کے قیام کا ذریعہ بنتے ہیں۔
[3] ایک دن چھوڑ کر زیارت کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔
[4] محبت کو آگ فرمایا ہے اور الحق بشریت کے خس وخاشاک کو جلانے کے لیے اس آگ کی ازبس ضرورت ہے۔
[5] کامل پیر کا کمال تو یہی ہے کہ شفقت اور محبت سے جس کی تکمیل چاہی اُسے آناً فاناً فنا کی چاشنی سے آشنا کرایا اور بڑے بڑے مجاہدوں سے جو کام ممکن تھا وہ صرف نظر کیمیا اثر سے کر دیا۔
[6] میں تُو بن گیا اور تُو میں بن گیا (یعنی ایک ہو گئے) میں جسم بن گیا اور تُو جان بن گیا۔ تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تُو اور ہے۔ مکمل شعر یوں ہے:
؎ من تُو شدم تُو من شدی من تن شدم تُو جاں شدی ؎ تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

غوث
قیوم

اس کے ساتھ دوسرا جمالی سلوک کیا جاتا۔ اپنے پاس بٹھاتے گلے لگاتے، محبت بھرے آہستہ آہستہ طمانچے لگاتے، گاہے دباتے، نرم اور نمکین تلطف فرماتے۔ یہاں تک کہ آنسو پھوٹ آتے اور ہر گھڑی وہی نقشہ طالب کی آنکھوں میں جم جاتا اور منزلِ ریاضت[1] پر کمر چسپت ہو نکلتا۔ اور وہ حالت ہوتی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن[2]۔ سچ تو یہ ہے کہ ؎

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔

کئی ایک واقعات اپنی نظر سے دیکھے۔ ایک دو واقعات مثالاً عرض کیے دیتا ہوں ورنہ اس شمعِ ہُدیٰ پر پروانہ ہائے محبت کی کمی نہ تھی۔

۲۵۳ میاں احمد دین سکنہ بھربار ضلع شاہ پور میرے قریب کے رہنے والے اور مجھ سے تقریباً اڑھائی سال پہلے حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اس درجہ پہنچ گئے تھے کہ ایک بار جب وہ اپنے پیر و مُرشد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ اور مجھے اس وقت تعلق کہیں پیدا نہ تھا۔ گاڑی میں سوار ہوا تو گاڑی میں موجود تھے، عجیب کیفیت سے لبریز بیٹھے تھے۔ مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنی حالت میں پھر بیٹھ گئے۔ میں بار بار اُن کا چہرہ دیکھتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ الٰہی یہ کیا دولت ہے جو انہیں نصیب ہے اور جس سے یہ کیفیت مستانہ میں بیتاب غرق ہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہ کاش کہیں میرا بھی ایسا تعلق ہوتا۔ تو میں بھی اس لذّت سے شناسا[3] ہوتا۔

۲۵۴ جس کسی نے ان کا چہرہ دیکھا، وہی ان کی اس حلاوت کا مُقر ہے اور ان کے اس جمال

---

[1] ریاضت ہی سلوک اور تعلق باللہ کی سرزمین ہے۔ ریاضت کے بغیر احوال کا پیدا ہونا اور پختہ ہونا ممکن نہیں۔ نفس پر ریاضت مشکل ہے محبت کی چاشنی آجائے تو یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

[2] نہ ٹھہرنے کی جگہ نہ چلنے کے پاؤں۔ یعنی مجبور ہو جانا۔

[3] شناسا۔ واقف۔ طالبِ مولا کے لئے یہی طلب ہی منزل مقصود کی سواری ہے جتنی یہ طلب زیادہ ہو گی اتنی منزل قریب ہو گی۔

کا معترف[1] لیکن دربار حضرت قبلہ روحی فداہ میں یہ حالت ہے کہ آتے ہی دھتکارے جاتے ہیں۔ مگر پروانۂ محبت کا یہ حال ہے۔ کہ سینکڑوں میل واپس آکر دوسرے دن بلا زادِ راہ پھر پا پیادہ شرقپور شریف کا راستہ لے لیتا ہے۔

۲۵۵ دوسری بار جب حضور قبلہ روحی فداہ مجھے اپنے ہمراہ مکان شریف لے گئے۔ تو میاں احمد دین وہاں موجود تھے اور حضرت نے انہیں ارشاد فرمایا تھا۔ "کہ روضہ شریف میں رہو۔" اور عرس کے بعد حضور نے اپنی جیب خاص سے پانچ روپیہ کرایہ دے کر براستہ نارووال رخصت فرمایا۔ لیکن جب ہم شرقپور شریف واپس گئے! اور چند دن گذر گئے۔ تو وہ مردِ خدا ابھی گھر سے پاپیادہ پھر پہنچ گیا۔ خادموں نے اسے کہا کہ حضرت میاں صاحب کے سامنے نہ ہونا۔ آپ ناراض ہوں گے۔ مرحوم بیچارہ بلا شرف زیارت شرقپور شریف کی دیواروں سے بغل گیر[2] ہوتا ہوا واپس چلا آیا۔

۲۵۶ ایک بار جمعہ کو حاضر ہوئے، اور کھانے بیٹھے ہی تھے کہ حضور بالاخانے سے تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر خادم سے فرمایا کہ اسے نکال دو۔ میاں احمد دین حضرت میاں صاحب کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اور زبانی عرض کرتے جاتے۔ کہ کتے[3] کو کہاں تک دھتکار گے ابھی پھر واپس آجائے گا۔ حضور کی محبت بھی بیتاب[4] ہو گئی۔ اور اپنے دستِ مبارک سے پکڑ کر پھر دسترخوان پر بٹھا دیا۔

۲۵۷ ایک ایک ماہ میں کئی بار گھر پہنچ کر پھر حاضر ہو جاتے۔ گھر میں زادِ راہ (کرایہ) نہ ہوتا، تو پا پیادہ ہی چل دیتے۔ وقت ناوقت جب کبھی خیال آجاتا تو چل دیتے۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا

---

[1] طالبِ مولا پر محبت اور عشق کے ذریعے ایک جاذب کیفیت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ جو اسے دیکھتا ہے وہ سرشار ہو جاتا ہے۔

[2] محبوب کے در و دیوار بھی محبوب ہوتے ہیں اور اس کے مکان اور شہر کا تصور اور مشاہدہ بھی روح افزا ہوتا ہے اور جاں فزا۔

[3] جب کامل کی نظر کی تیزیوں سے فنا کی دولت حاصل ہوتی ہے تو اپنا آپ نہایت حقیر نظر آتا ہے۔ اور کمتر سے کمتر چیز سے کمتر دکھائی دیتا ہے۔ اسی واسطے اکثر متوسلین اپنے آپ کو بزرگوں کا سگِ دربار کہتے سنے جاتے ہیں۔

[4] محبت کی تاثیریں دو دھاری تلوار کی طرح دونوں طرف گھائل کرتی ہیں محبوب کی محبت ہی صاحبِ محبت کو اپنے محبوب کا محبوب بنا دیتی ہے۔

کشتی کا موقعہ نہ ہوتا۔ تو چھلانگ مار کر دریا میں کود پڑتے۔ غرض کوئی رکاوٹ یا مانع اس مرد عاشق کے سامنے حائل نہ تھا۔

۲۵۸ ایک بار حاضر ہوئے تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے۔ "کہ مرید صادق[1] وہ ہے۔ جو اپنی جان و مال پیر پر نثار کر دے۔" گھر آئے، تمام زیور، تمام برتن، تمام پارچہ جات لے کر الگ الگ گٹھڑیاں باندھ کر احباب سے کہا کہ آج حضور کی خدمت میں جانے کا ارادہ ہے۔ چونکہ یارانِ طریقت اُن پر فدا تھے۔ اور اُن کے ہمراہ پیر و مُرشد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونا سعادت عُظمیٰ جانتے تھے، اس لیے سب احباب ہمراہی کے لیے تیار ہو گئے گھر بلایا، اور ان کو ایک ایک گٹھڑی حوالہ کی لیکن اُن کو کچھ نہ بتلایا۔ سب ٹٹولتے تھے۔ لیکن کسی کو مجال[2] دریافت نہ ہوئی۔ حاضر ہوئے تو خادم نے سب حوالے کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں یہ تمام اشیائے لائے، تو میاں احمد دین نے عرض کی، کہ حضور جان تو پہلے حاضر تھی۔ مرید صادق[3] بننے کے لیے یہ کمی تھی سو حاضر ہے۔ آپ نے (حضرت قبلہ روحی فداہ) نے فرمایا۔ "اوہو تم نے سمجھا نہیں کوئی اپنے بیٹے سے بھی مال لیتا ہے۔" جاؤ زیور اپنے گھر میں دینا کہ وہ ہماری بہو ہے۔" "اور برتن اور پارچہ جات والدہ کو کہ وہ ہماری ہمشیرہ ہے اُس کے حوالے کر دینا۔" "ایسی اشیاء کی یہاں کچھ ضرورت نہیں۔" سبحان اللہ۔ مرشد ہو تو ایسا غنی اور مرید ہو تو ایسا با اخلاص۔[4]

این سعادت[5] بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ[6] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہی تعبیر ہے۔

۱۔ حقیقی محبت اکثر اوقات ایسے کام کرواتی ہے جو بے محبت انسان کے لیے حیرت کا سبب بنتے ہیں۔

۲۔ صداقت اور اخلاص کا ثبوت قربانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یہ قربانی اکثر اوقات تو محب کے اپنے عمل اور ارادے سے وقوع میں آتی ہے لیکن کبھی کبھی محبوب بھی استقامت دیکھنے کے لیے یا جلتی پر تیل گرانے کے لیے خود آزمائش فرما لیتا ہے۔

۳۔ ذکر و فکر اور عشق و محبت سے جب نیا انسان بنتا ہے تو پچھلی تمام آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اب محبت کے شہنشاہ کی حکومت اور اس کا اپنا رعب داب ہے۔ کسی کو کیا مجال کہ منہ کھولے۔

۴۔ قربانی دراصل جذبہ کراتا ہے۔ بس قربانی کا جذبہ ہو اور جذبے کا اظہار ہو جائے مقصود یہی ہے۔

۵۔ یہ سعادت مندی زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اپنی عنایت نہ فرما دے۔

۶۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے بخش دے اور اللہ تعالیٰ بہت عظیم فضل و کرم کا مالک ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا[1] - ہر چہ داری خرچ کُن در راہِ اُو، کی -

۲۵۹ اس پروانہ محبت کو ایک طرف تو دردِ محبت[2] اور آتشِ عشق کھائے جاتی تھی اور دوسری طرف مجاہدہ و ریاضت[3] اُسے گھائل کرتی جاتی۔ یہاں تک کہ بتیس تینتیس برس کی عمر میں وہ ساٹھ سالہ معلوم ہوتے تھے۔ اور حرارتِ قلبی نے دق کا لباس لے لیا! ور چارپائی پر جا مصلّےٰ بچھایا۔ اگرچہ باطنی حرارت ظاہر میں نمودار ہو گئی تھی[4]۔ لیکن تنورِ عشق دم بدم تیز ہوتا جاتا۔ دو بار چارپائی ہی پر منزلِ عشق طے کر کے ایک بار مکان شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شرقپور شریف اور زیارت کے بعد چھٹے یا ساتویں روز وہ پروانۂ محبت ہمیشہ کے لیے آتشِ عشق میں جل گیا۔

۲۶۰ وقتِ نزع کسی نے پوچھا کہ اس وقت کچھ طلب ہے۔ ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اللہ۔ کیا یہ وہی عکس نہیں۔ اَللّٰھُمَّ[5] بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کا۔

۲۶۱ گاڑی میں جب بیہوش ہو گئے تو والدہ نے ہوش آنے پر کہا، بچہ! ہمارا واپس ہونا بہتر ہے۔ تو کہا! کیوں شرقپور شریف مرنا کچھ بُرا ہے، میں تو کبھی واپس نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہو گا، دیکھ لیا جائیگا آگے ہی جائیں گے۔

۲۶۲ اب اس مردِ خدا کی حالت دُوسرے پہلو پر دیکھو کہ حاضری سے پیشتر۔ چور[6]، پکا بے دین دنیا کے تمام فسادات کی جڑ، لیکن طبیعت نے اتنا پلٹا کھایا کہ جس جس کا مال اپنی عمر میں چرایا تھا۔ اُس کے پاس گئے۔ اپنے قصور کا اعتراف کیا بخشش کے طالب ہوئے اور قیمت مال پیش کی۔ اکثر اُن کی حالت کو بدلے ہوئے دیکھ کر احباب کہتے کہ ہم نے تمہیں پہلے ہی بخش[7] دیا ہے لیکن

---

[1] جو بھی تیرے پاس ہے اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دے جب تک اُس کے راستے میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو گے نیکی کو نہیں پاؤ گے۔

[2] محبت روح کی شفا اور جسم کی بیماری ہے اور محبت بیماری سے کہیں زیادہ جسم کو کمزور اور ناتواں کرتی ہے۔

[3] مجاہدہ بھی اس لئے ہے کہ حیوانی قوتیں کمزور ہو جائیں اور روح کا نکھار ظاہر ہو۔

[4] یعنی ذکر و فکر کی گرمی نے جسم کو ایسا جلایا کہ ظاہر میں تپ دق کی صورت بن گئی۔

[5] حضور سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت یہ کلماتِ طیبات فرمائے تھے۔
"الٰہی! میں رفیقِ اعلےٰ سے ملنا چاہتا ہوں"۔

[6] پہلی حالت کا نقشہ ہے۔ اس کی رحمت ہو جائے تو ایک چور نہیں کئی چور قطب بن جاتے ہیں۔

[7] صحیح توبہ کے وقت وہ مطلق کریم تو کیوں نہ بخشے مخلوق بھی سچی توبہ سے متاثر ہو کر اپنے حقوق بخش دیتی ہے۔

وہ کہتے مفت تو کوئی نہیں بخشتا، قیمت لے لیں اور میرا گناہ بخشیں۔ لیکن وہ باصرار واپس کرتے۔ مگر مرحوم کہتے کہ نصف تو لے لو۔ ورنہ دل سے تم بخشتے نہیں۔ چنانچہ مجبوراً انہیں یہ قیمت واپس دیتے۔

۲۶۳ اُن کے گاؤں کا حال نہایت ابتر تھا۔ اور علاقہ کے تمام گاؤں اور شہروں سے بدتر۔ کئی عالم بھی وہاں تھے۔ اور بہت سے واعظ باکمال بھی ہو گذرے۔ لیکن کسی کا اثر گاؤں والوں پر نہ ہوا۔ تا اینکہ میاں احمدالدین نے اپنا منوّر چہرہ خلقت کے سامنے پیش کیا اور شریعت حقّہ کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ بڑے بڑے اکابر جن کے بارے کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ فِی کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکَابِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا، ان کی حقانیت پر سرِ تسلیم خم کرنے لگے۔ فاتحہ خوانی میّت پر حقّہ نوشی کا رواج تھا، لیکن جب وہ مجلس کے سامنے ہوتے تو حقّہ الگ کر دیا جاتا بلکہ بہت سے موقعوں اور تقریبوں پر حُقّہ الگ کر دیا گیا۔ اُن کے گاؤں میں شیعہ مذہب نے قدم جمانے شروع کیے تو اسی مجاہد نے اُن کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اِکّے دُکّے کے سوا کوئی بھی تشیع خیال کا نہ رہا۔ شادی پر ڈھول باجے کی رسم تھی! اور لڑکیوں کو غیر محرم ڈولی میں اٹھا کر لے جاتے۔ لیکن میاں احمدالدین اُس گھر میں نہ جاتے جہاں یہ رسومات قبیحہ ہوتیں۔ خواہ کتنا ہی قریبی تعلق رشتہ داری ہوتا۔ اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی جماعت مرتب ہو گئی۔ کہ اِنَّ رَبَّکَ[۲] یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ اس جماعت کا ہر ایک فرد اپنے پیشوا کے رنگ میں نظر

---

[۱] ہر ایک گاؤں میں وہاں کے لچے اور غنڈے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں چالیں چلتے ہیں۔

[۲] تیرا رب (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے کہ آپ تقریباً دو حصے رات یا ایک تہائی کھڑے رہتے ہیں، اور ایمانداروں کا ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

آتا، وہی حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نشست و برخاست وہی طرزِ گفتگو، وہی لباس، دیکھنے والا خیال کرتا کہ یہ صوفی لوگ لاہور یا اس کے مضافات کے رہنے والے ہیں۔ ہر ایک قوم (کہتر و بہتر) سے جماعت بھرپور تھی۔ لیکن غیریت اور ذات پات کا خیال اُٹھ گیا تھا۔ اور اصحابِ صُفّہ[1] رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح ایک ویران مسجد میں شب و روز بعد فراغت کار بار دنیوی موجود رہتے۔ جن کے صدر نشین وہی ہمارے میاں احمد الدین ہوتے اور شب و روز اپنے خیال الفت میں مستغرق رہتے۔

۲۶۴ عوام الناس کو تو زجراً زبان سے امورات قبیحہ یا خلافِ سنّت سے منع فرماتے۔ لیکن خواص اور لکھے پڑھے بزرگوں کے سامنے حسب استعداد کچھ کتابوں کا مطالعہ کر کے اُن کے سامنے لے جاتے۔ اور کہتے کہ یہاں سے مجھے سنائیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ پڑھنے والا ان کا مطلب تاڑ جاتا اور اپنی غلطی پر متنبہ ہو جاتا۔

۲۶۵ ایک بار ایک علمائی گھرانے کی شادی پر ڈھول بجایا گیا۔ گو اس وقت بیمار تھے لیکن اپنے کوٹھے پر چڑھ کر علی الاعلان[2] اُن کے اس فعل کا استحقار کیا۔

۲۶۶ وفات سے چند روز پیشتر جب قدرے آرام ہوا تو غسل کر کے جامع مسجد میں جمعہ کے لیے گئے۔ جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جو نظر کی تو سب کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت میاں صاحب بذاتِ خود تشریف لے آئے۔ سبحان اللہ۔ اسے ہی فنا فی الشیخ[3] کہتے ہیں۔

۲۶۷ آخری زیارت کے لیے جب چارپائی پر حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی والدہ کو

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنوا دیا تھا۔ اور بہت سے درویش صحابہؓ رات دن وہاں رہتے تھے اور ان کا کام سوائے ذکر و فکر کے اور کوئی نہ تھا۔ ان کی گذران صاحبِ استطاعت صحابہؓ کی داد و دہش پر تھی۔ گویا ان کا وجود اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور ذکر و فکر کا شغل یہی خانقاہیت کی بنیاد تھی۔ جو خود مسجد نبویؐ میں رکھی گئی۔ افسوس کہ آج بعض علما غلط فہمی کی وجہ سے خانقاہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

۲؎ علی الاعلان۔ کھلم کھلا۔ شریعت مطہرہ کی پیروی اشد ضروری ہے خصوصاً ان لوگوں کیلئے جن کو ہر زمانے میں عوام سند پکڑتے ہیں اور وہ دین کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔

۳؎ فنا فی الشیخ۔ اپنے پیر و مرشد میں گم ہو جانا۔ سالک کے جذباتِ محبت جب کام کرنا شروع کر دیتے ہیں تو انوارِ محبت اور انوارِ تصور سالک کے وجود پر پیہم عکس ریز ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ اندر باہر ظاہر و باطن پیر و مرشد کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور "گا نٹہ" "ھُو" ہو جاتا ہے۔

فنا فی الشیخ

فرمایا کہ اب اِن کو جلدی گھر ہی لے چلو۔ تنور گرم ہے"۔ اب پانی بھی چھڑکا تو آتش تنور اور بھڑکے گی اور حرارت بڑھے گی"۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرما دے۔ طوالت ضرور ہو گئی، ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم[1]

۲۶۸ دوسرا جوان نور محمد بٹالوی[2] حضور کی خدمت کے قیام کے وقت دیکھا۔ ایک ہی ہفتہ میں معلوم نہیں کہ چار یا پانچ بار آیا۔ لیکن پہلے دن کے سوا پھر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دو بار مجھے یاد پڑتا ہے، کہ کھانا تک بھی نہ کھلایا گیا اور نکال دیا گیا۔ خادم ہی فرما دیتے کہ حضور تمہارے رہنے سے سخت ناراض ہیں، اپنے کام میں جا کر مشغول ہو جاؤ۔

۲۶۹ جمعرات کو حاجی صاحب (سلمہٗ ربہٗ) نے اس کو رخصت کیا۔ اور پھر جمعہ کی اذان کے وقت لاہور سے ہی پھر واپس آ گیا۔ یہاں تک کہ حضور تشریف مسجد میں لے آئے۔ تو بیچارہ گھبرایا ہوا بھاگتا ایک کونہ میں جا پناہ گزیں ہوا کہ حضور کی نظر نہ پڑے۔ لیکن جب آپ نماز میں شاغل ہو گئے۔ تو نہایت دردمندانہ نگاہ سے حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تھا۔ لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے! اور یہ نمازِ عشق[3] ادا کر رہا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے

تجھ کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں

بعد نماز جمعہ کے چلا گیا۔

۲۷۰ ہفتہ کو پھر اٹاری سے واپس آ گیا۔ اور لطف یہ کہ پریشانی نام تک نہیں۔ خادم کچھ بھی کہیں۔ کچھ کسی سے شکایت[4] نہیں۔ اپنے حال میں مست۔

---

[1] یہ حکایت پُرلطف تھی اس لیے میں نے اسے کچھ لمبا کر لیا۔

[2] نور محمد بٹالوی۔ بٹالہ کا رہنے والا ایک صاحب اعلیٰ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تو عشق و محبت کی یہ کیفیت تھی حضورؒ کے وصال کے بعد بھی شوقِ دید میں مست ہے قبلہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب کرمانوالا کی خدمت میں حاضری دیتا ہے، لاہور میں مقیم ہے۔

[3] محبت تیز ہو جائے تو اس کی لذت میں عقل کی پابندیاں چھوٹ جاتی ہیں اور سوائے محبوب اور محبت کے کچھ اور نہیں سوجھتا۔ حدودِ شرعیہ کا ایسے موقعوں پر نگاہ رکھنا بڑی ہمت ہے اور ہر کہ و مہ کا کام نہیں ایسے موقعوں پر حدود کو ملحوظ رکھنے والے ہی صاحبِ کمال بنتے ہیں۔

[4] محبت کے دیوانے محبت میں فنا ہو جائیں تو ان کو راستے کی مشکلات کا احساس نہیں رہتا اور بشریت کی انانیت بھی نہیں ستاتی۔ کوئی کچھ کہے یہ اپنے حال میں مست ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر ہنستے ہیں یہ لوگوں پر ہنستے ہیں۔

۲۷۱ ایک دن صبح کو حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ تم چلے جاؤ۔ کہا بہتر۔ بعد میں کیا دیکھتا ہوں۔ نہایت اطمینان سے غسل کیا! اور پھر درود شریف میں مشغول ہوگیا۔ زاں بعد تلاوتِ قرآن میں بیٹھ گیا، اتنے میں دس گیارہ بجے کا وقت ہوگیا۔ اور گرمیوں کے دن تھے۔ جون تھا یا جولائی میں نے کہا کہ تمہیں رخصت تو ہوگئی تھی، ابھی یہیں ہو! بے چارہ کہنے لگا کہ اب تیار رہوں۔ کھانا اتاری جا کر کھاؤنگا۔ میں نے کہا کہ "کچھ یہیں ہی پڑھ لوں"۔

۲۷۲ مجھے چونکہ ایسے پروانہ ہائے عشق سے نہایت محبّت ہے۔ اس لیے ان کے حال و قال سے مجھے بڑا لطف آتا ہے اور جب کبھی کوئی مِل جائے۔ تو میں غنیمت جانتا ہوں اور اس کے احوال پر رشک کھاتا ہوں۔

۲۷۳ نور محمد سے میں نے تعلق اور بیعت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضور مکان شریف[1] تشریف لے گئے اور عرس پر میں بھی حاضر ہوا کہ کسی بزرگ کی زیارت کر آؤں۔ جب میں نے حضرت قبلہ میاں صاحب روحی فداہ کو دیکھا، آپ کی صورت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں دُور سے آپ کی طرف دیکھتا پھرتا تھا۔ اچانک حضرت میاں صاحب بمعہ ایک خادم میرے پاس سے گزرے اور دبی زبان سے فرما گئے کہ "ہمیں ایسے آدمی پسند نہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنا کاروبار چھوڑ دیا! اور اسی حال میں پھرتا ہوں۔ یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اور گھر میں رہ نہیں سکتا جب رخصت ہوتا ہوں تو کبھی لائل پور، کبھی لاہور، گاہے اس جگہ سے گاہے اس گاؤں سے، پھر بے تاب ہو کر آ نکلتا ہوں۔

---

[1] مکان شریف۔
جس کا دوسرا نام ہے رَتڑ چھتڑ۔ یہ ایک گاؤں ہے دریائے راوی کے کنارے ضلع گورداسپور میں۔ یہ پاک سرزمین وہ ہے جہاں حضرت غوثِ زمان امام علی شاہ صاحب اور حضرتِ اعلیٰ شاہ حسین بھورے والی سرکارؒ مدفون ہیں۔ تقسیم ملک میں وہ ہندوستان میں چلا گیا۔

۲۷۳ الف اور سب سے بڑھ کر تعجب یہ کہ میاں صاحب یا آپ کے خادموں کی عدمِ التفات پر کوئی شکایت نہیں۔ بلکہ اپنے حال میں مست، بینائی[1] اسے کہتے ہیں۔

۲۷۴ ایک بار سید نور الحسن[2] صاحب جو آپ کے خلیفہ تھے۔ بموجب ارشاد عالی گھر میں نہ جاتے تھے اور شرفِ سعادت کو آپ کے ارشاد سے مقدم جانتے تھے۔ جناب حاجی صاحب اور دیگر احباب نے باصرار شاہ صاحب سے کہا کہ آپ (یعنی قبلہ میاں صاحب) آپ کے قیام سے سخت ناراض ہیں، آپ ضرور چلے جائیں۔ تو شاہ صاحب نے کہا، کہ میں تو چلا جاؤں گا لیکن میرے جانے کے بعد آپ لوگوں پر ہی حضرت ناراض ہوں گے۔ آپ کو کیا معلوم، کہ وہ کس زبان اور کس دل سے فرما رہے ہیں۔ میرے تعلقات میں آپ لوگ نہ آیا کریں۔

۲۷۵ بخدا یہ بات شاہ صاحب[3] کی مجھے بڑی ہی پسند آئی۔ کہ رازہائے[3] الفت کے سینوں میں کسی دوسرے کی گنجائش کہاں! معشوق کے ناز کو عاشق ہی کچھ جانتے ہیں۔ دوسرے بے خبروں کو اس سے کیا خبر۔

۲۷۶ لیکن شاہ صاحب اگر تربیتِ جلالی[4] کھا جاتے اور قرب پر دوری اور وصال پر ہجر کو اختیار کرتے اور[5] بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید۔ پر عمل پیرا ہو جاتے۔ تو آج شاہ صاحب اپنی آخری سرحد پر ہوتے! اور اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے سفرۂ کرم سے وہ کچھ ہضم کر اٹھتے جو کسی دوسرے کو کم نصیب تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب کی طبیعت سوز و گداز سے پُر تھی۔ صرف ایک ٹھوکر کھانے سے کام بالا تر ہو نکلتا! اور وہاں پہنچتے جہاں دوسروں کی

---

[1] محبت کی بیقراری درد کی بیقراری کی طرح اپنی طرف ایسا مشغول رکھتی ہے کہ دوسری کسی کیفیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

[2] سید نور الحسن شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ حضرت علی کے وصال کے بعد نشر قیومی سلسلہ آفتاب ماہتاب بنے اور حضرت اعلیٰ کی نسبت کا خوب ظہور ہوا۔ [illegible]

[3] فی الحقیقت صاحبِ محبت مرید اپنے محبوب ... کامل پیر و مرشد سے وہ راز و نیاز اور ایسے تعلقاتِ خصوصی رکھتا ہے جو دوسروں کے خیال میں بھی نہیں آسکتے اور بسا اوقات محبت متعدی ہو جاتی ہے اور پیر اپنے مرید سے محبت فرماتا ہے۔ ؎ تراز من اگر بر سینہ داغ است ۔ نہ پنداری کہ زاں داغم فراغ است

[4] جلال رعب داب کو کہتے ہیں اور عظمت و شان بھی اس کے معنی ہیں لیکن تصوف کی اصطلاح میں راہِ مولا میں جو تنگیاں اور تکالیف، دوریاں اور فراق کی قیدیں اور مختلف قسم کے امتحانات ہوتے ہیں یہ سب یار کا جلال کہلاتے ہیں اور سالک کو مصائب دے کر اللہ تعالیٰ تربیتِ جلالی فرماتا ہے۔

[5] مکمل شعر یہ ہے ؎ بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید ۔ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

ترجمہ: اگر تجھے اپنا مربی فرمائے کہ تو اپنے مصلے کو شراب سے رنگین کر دے تو ایسا کر دے کیونکہ سالک (کامل پیر) منزلِ حق کے طور طریقے اور رسوم جانتا ہے۔

نظر نہ پہنچی۔ تاہم سوز و گداز نے ان کا پایہ بہت کچھ بلند کر رکھا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی سے پوری توقع ہے کہ کسی دن یہ جوان اپنی جوانی پر پہنچ کر خلقت کی ہدایت کا باعث پورا پورا ہوگا۔ اور اپنے جمال سے اور اپنی طاقت سے کیئوں کو گردانیاں[1] دیگا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَلَا تَنْقُصْ[2]۔

۲۷۷ کاش میری طبیعت میں بھی اس کا خمیر دیا جاتا۔ تاکہ میں بھی اس زُمرہ میں شامل ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر سکتا۔ لیکن ؎

ندادند در دستِ من اختیار[3] ۔۔۔ کہ من خویشتن را کنم بختیار

تاہم دعا ہے۔

۲۷۸ الٰہی دل پاک احمد کا صدقہ ۔۔۔ نبی مکرم کے گنبد کا صدقہ

تیرے دردوالوں کے مشہد[4] کا صدقہ ۔۔۔ محبت عطا کر محمدؐ کا صدقہ

تپش دے خلش دے غم جان گسل دے ۔۔۔ میرے دینے والے مجھے درد دل دے

۲۷۹ کسی دوست کو اس ناز اندازانہ سلوک سے تردد اور دقّت نہ ہو بلکہ نہایت ہی خوش نصیب انسان ہے۔ جسے برگزیدہ[5] انسان کی نازبرداری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی قسمت میں مجنون بننا کہاں؛ اس جفائے ناز کی لذّت وہی جانے جسے یہ نصیب ہو ؎

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

۲۸۰ خود حاجی عبدالرحمٰن صاحب خلیفہ جناب حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ متواتر چھ سال سرزمینِ یثرب[6] میں آوارۂ دشتِ محبّت رہے۔ اب بھی ان کے سینہ سے بوئے کباب آتی ہے، گو وہ

---

[1] گردانیاں دینا۔ چکر دینا، مراد وجد کا پیدا کر دینا۔ یہ ایک پیش گوئی تھی جو بالکل حق ثابت ہوئی اور دنیا نے حضرت نور الحسن شاہ صاحبؒ کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ کئی محبت کے متوالے اس دربار کے چکر کاٹتے رہے۔

[2] یا اللہ تو زیادہ سے زیادہ عنایت فرما اور کمی نہ فرما۔

[3] میرے ہاتھ میں قضا و قدر نے اختیار نہیں دیا کہ میں اپنے آپ کو خوش نصیب بنالوں۔

[4] مشہد۔ جائے شہادت یعنی قبر مبارک؛ جاں گسل۔ جان کو توڑنے والا۔ محبت کی آرزو بارگاہِ لایزالی سے بہترین آرزو ہے اور بہترین دُعا۔

[5] کسی کامل سے قریب کا رابطہ سعادت عظمٰی ہے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو یہ دولت مل جائے۔

[6] یثرب: مدینہ شریف۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہتے تھے۔

خاموش نظر آتے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر محبت و درد کی ہنڈیا جوش کھا رہی ہے۔ اپنے درد سے نڈھال نظر آتے ہیں اور اس درد محبت نے ان کو حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں درجہ صدیقیت[1] دلایا۔

۲۸۱ جمالی تربیت[2] لینے والے زیادہ تھے۔ اور خود میرا نصیبہ بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ غیر مذاہب لوگوں کے ساتھ ایسے طریقہ سے حضور پیش آتے کہ دیکھنے والا حیرت میں آ جائے۔ لیکن حضور کو یہ حصہ خُلق براہِ راست حضور انور (بابی انت[3] و امی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ملا ہوا تھا۔ اِس لیے اُس کی نظیر اولیائے[4] عظام کے حالات میں کم ملتی ہے۔

۲۸۲ آپ کو جب کبھی وقت نا وقت کسی غیر مذہب والے کے آنے کی اطلاع پہنچتی، تو فی الفور تشریف لاتے۔ بسا اوقات جب آپ کمزوری یا علالتِ طبع کی وجہ سے نیچے تشریف نہ لا سکتے اور مخلصین انتظار میں بیٹھے گھنٹوں گذار دیتے تو اچانک کسی غیر مذہب کی آمد ہلال عید[5] سے بھی بڑھ کر ہوتی۔ کیونکہ تمام خدام، تمام زائرین کو یقین ہوتا کہ اب آپ ضرور تشریف لائینگے خواہ طبیعت مبارک پر کتنا ہی شاق ہو۔

۲۸۳ چنانچہ آپ تشریف لاتے تو نہایت محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے! ور معانقہ[6] کرنے تک پرواہ نہ فرماتے۔ کبھی اِسے دباتے۔ کبھی اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے۔ کبھی اس سے دو چار ہوتے۔ خصوصاً سکھوں[7] کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور سکھوں کو بھی آپ سے خاص اُنس تھا اکثر حضور رحمۃ اللہ علیہ ان کی توحیدی محبت کا ذکر فرماتے۔

---

[1] صدیقیت: صدیق ہونا یہاں مراد ہے ایسا قرب اور ایسی مقبولیت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سرور کائنات علیہ السلام سے تھی اور اصطلاحِ قرآنی میں نبی کے بعد صدیق کا لفظ اولیاء اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے [2] جمال: جلال کے مقابلے کا لفظ ہے۔ خوبصورتی کے معنی دیتا ہے۔ اور مراد راحت، آرام اور شفقت ہے۔ تربیت جمالی، ایسی تربیت جس میں تکالیف نہ ہوں اور آسانیاں سب موجود ہوں [3] میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ فقرہ صحابہ کرام کی زبان پر ہر وقت ہوتا تھا جب وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے [4] ہر ولی کی خصوصیت الگ الگ ہوتی ہے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت اخلاقِ عالیہ میں غیر مسلموں پر مہربانی کی خصوصیت واضح خصوصیت ہے اور یہ درجۂ رحمت بعض کاملین کو عطا ہوتا ہے [5] انتظار کے بعد حاصل ہونے والی خوشی کو ہلال عید سے تشبیہ دیتے ہیں [6] معانقہ: گلے ملنا۔ [7] سکھ: متحدہ پنجاب میں ایک قوم تھی جو سکھ کہلاتی تھی۔ اب وہ مشرقی پنجاب میں آباد ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں کا ایک حصہ ہے۔ لیکن توحید پرست ہیں اور بدن کے تمام بال قائم رکھنا ان کی ظاہری خصوصیت ہے۔ ان کی ڈاڑھی مونچھ سر کے بال ہمیشہ جوں کے توں قائم رہتے ہیں۔

صدیقیت

۲۸۴ ایک بار حاجی صاحب نے بموجب ارشاد عالی میری حالت مجھ سے دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اور تو میں کچھ اب نہیں چاہتا۔ البتہ درد و محبّت کی کمی اپنے میں بہت محسوس کرتا ہوں۔ اور اس درد کی خواہش ہے ؎

کفر کافر را و دین دیندار را ذرّۂ دردے دلِ عطّار را[1]

۲۸۵ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا ”کہ ایک بار میں امرتسر گیا۔ تو چند سِکھ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ تمہاری چُپ (خاموشی) ہمیں کھائے[2] جاتی ہے۔ ”تم کچھ بولو!“ مَیں نے ان سے دو چار باتیں کہیں۔ تو وہ زار و زار رونے لگے۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ ان کو اپنے گورو[3] کے ساتھ محبت ہے اور ہمیں گورو سے محبت نہیں۔ ورنہ میں یہاں کتنی باتیں کرتا رہتا ہوں“۔

۲۸۶ آپ کو ان کا جذبہ محبت بڑا پسند تھا۔ جو دوسرے مذاہب کے لوگوں میں کم ہے۔ اسی وجہ سے آپؒ ان لوگوں کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ جذبۂ اِنسانیت اور جذبۂ سُنت[4] آپ کو اپنے طریقۂ مخصوص میں مجبور کرتا! اور ہر ایک آنے والے کو کچھ نہ کچھ نقد، آٹھ آنے یا روپیہ عنایت فرما کر فرماتے۔ یہ تمہاری روٹی ہے۔ کیونکہ جو بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اپنے آقائے نامدار سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح بلا کھلائے یا پلائے رخصت نہ فرماتے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ ؎

وَصَلَّی اللہُ عَلٰی نورٍ کزو شد نورہا پیدا[5]
زمیں در حبِّ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا

---

[1] کافر اپنے کفر میں ہے اور مسلم اپنے اسلام میں۔ لیکن عطّار (خواجہ فرید الدین عطّارؒ) کو تھوڑا سا دردِ دل چاہیئے۔

[2] ذکرِ خفی میں توجہ الی اللہ کا عکس جب سالک پر چھا جاتا ہے تو سالک پر محبت نثار ہوتی ہے اور ہمنشین کا جذبۂ باطن بھی بیدار ہو جاتا ہے۔

[3] سِکھوں کو گورو نانک صاحب سے بے حد محبت ہے۔ اور یہ چیز ان کی اتباع سے واضح ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہلِ محبت کو پسند فرماتے تھے۔

[4] حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور اپنے بیگانے سب پر یہ ابرِ کرم برستا تھا۔ اس واسطے غیروں پر شفقت کرنا بھی سنت ہے۔

[5] اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اس نورِ مجسّم پر جس سے نور پیدا ہوئے۔ زمین اُن کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان اُن کے عشق میں سرگرداں ہے۔

۲۸۷ ایک بار گنہگار حاضر تھا۔ کہ ایک ہندو بابو حاضر ہوئے جو عملہ ڈاک خانہ میں سے تھے۔ آپ تشریف لائے۔ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حال واحوال دریافت فرمائے۔ کوئی تکلیف تو نہیں! کون افسر ہیں، اور کیسا۔ پھر فرمایا۔ آج کیوں آئے۔ عرض کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ تو آجاتا ہوں۔ آپ اپنے دستِ مبارک سے حسب معمول دبانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا "اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں فرمایا" اگر اسی طرح ہر وقت رہے تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ لوگوں کو لوگوں سے معاملہ کم ہے۔ بیٹھے لکھتے رہے اور تو ہی تُوں[1] کرتے رہے"۔

۲۸۸ ایک بار ایک ہندو معمر[2] آئے۔ تو آپ نے کچھ نقدی روٹی کے لیے عنایت فرمادی۔ وہ بے چارے آپ کی کرم بخشی اور مہمان نوازی سے ناواقف تھے۔ وہ انکار کرتے اور آپ اصرار فرماتے۔ پھر خادم سے آں قبلہ حاجات نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ برضرور لے لیں لیکن وہ سمجھے کہ شائد آپ ناراض ہیں کہ ہمارا یہ بھی قبول نہیں فرمایا۔ الٹا اپنے پاس سے کچھ دیتے ہیں۔ آخر بہ ہزار دقت اُن کو نقدی دی گئی کہ یہ تمہارے لیے برکت ہے اور یہ حضور کا خاصہ ہے، ناراض نہیں۔

۲۸۹ ایک بار ایک جوان کشمیری کو رخصت فرمایا اور آپ بھی اوپر جانے لگے۔ جوان کی طبیعت بھر گئی۔ آپ نے چہرہ کو دیکھ کر فرمایا "اچھا دو تین دِن اور یہاں رہ لو"۔ حضور تو تشریف لے گئے۔ لیکن یہ جوان اِس درد سے پھُوٹ[3] پڑا کہ گویا پانی کا بھرا گھڑا ہاتھ سے

---

[1] توں ہی توں: اللہ تعالیٰ کا تخاطب ہے کہ تو ہی ہے اور باقی کچھ نہیں۔ غیر مسلم بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں تو ہی تو کا ورد تبلا کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا خلاصہ ورد کے طور ان کو عنایت فرمادیا یہ ہے اصل تبلیغ اسلام جب وہ کامل کے انفاسِ قدسیہ سے اثر لے کر تو ہی تو پکاریں گے تو توحید اور اسلام ان کے رگ و ریشہ میں سما جائے گا۔

[2] بوڑھا ہندو: اولیاء اللہ کے پاس غیر مسلم کیوں آتے ہیں؟ دراصل توحید میں جذبِ کامل موجود ہے جب کوئی بندہ حقیقی توحید سے سرشار ہوجاتا ہے تو وہ کشش اور جاذبیت میں مقناطیس کا ایک پہاڑ بن جاتا ہے۔ ہر چیز کشاں کشاں آرہی ہوتی ہے۔ اور وہ مرکزیت کے فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے اور ہر متنفس اس کشش سے متاثر ہوتا ہے۔

[3] اولیاء اللہ کی پہلی نظر کے مختلف خواص ہوتے ہیں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے جذب میں ہمہ وقت قلب کی تاثیرات غالب تھیں سعادتمند لوگوں پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

گر پڑا۔

۲۹۰ ایک نوجوان سیّد عالمِ دیوبند سے فارغ التحصیل گجرات شہر کے رہنے والے حاضر ہوئے۔ اور زائرین میں سے دو آدمی ایک سید صاحب اور دوسرے مولوی صاحب بھی اُن کے ہمراہ جامعہ مسجد شرقپور میں ہو گئے۔ یہ دونو بزرگ میرے بھی واقف تھے۔ آپس میں بے تکلّفانہ باتیں رات کو کرتے رہے۔ مجھے بھی بلایا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی مجلسوں[۱] اور محفلوں کا انجام ایسے مقام پر کیا ہوتا ہے اور میں خود دل میں کڑھتا تھا کہ ان کو اتنی ہوش نہیں۔ مگر چونکہ وہ سیّد زادے[۲] تھے۔ اور یہ مولوی، اور اپنے اپنے زعم میں کچھ تھے بھی، میں نے کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں تھا کہ اب دیکھئے صبح کو کیا پیش آئے۔ صبح کو حضورؒ نے بلا دریافت رخصت فرمایا۔ گو اُن میں سے ایک کی درخواست تحریری گذری اور مدّت کے آنے جانے والے تھے۔ لیکن کچھ بھی التفات نہ فرمائی۔ اور مولوی صاحب جو کئی دن میرے ہمراہ حضورؒ کے خاص مہربانیوں کا مَورد ہو چکے تھے۔ اور آپ نے کئی بار خلوت میں ان سے باتیں کی تھیں۔ مگر اب کے نام تک دریافت نہ فرمایا۔ بلکہ توجہ تک نہ کی۔ تیسرے جوان ایک دو بار آئے تھے۔ اور اس مرتبہ کوئی عالمِ رویا کا واقعہ دیکھ کر آئے تھے۔ ان کی طبیعت بھر آئی۔ آپ نے اُن کا چہرہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ اچھا تم کسی قدر ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ بالاخانہ پر بلا کر کچھ فرمایا۔

۲۹۱ ایک دفعہ کئی آدمی لودھیانہ کے آئے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی۔ پھر فرمایا۔

۱؎ اصلاحِ قلب کے مقصد کے لیئے اسی مقصد کی ضروریات درکار ہیں۔ خاموشی ۔ تنہائی ۔ ذکر و فکر۔ مجالس اور محافل، گفتگوئیں اور بے تکلفیاں نقصان دیتی ہیں۔

۲؎ حضرت امام غزالیؒ تکبر کے اسباب میں ایک سبب بیان فرماتے ہیں کہ متکبر اپنے خاندان اور نسب پر فخر کرتا ہے اور یہ مادہ فطرت میں موجود ہے اور اس کی اصلاح سے کام بنتا ہے اور ایک قسم تکبر اپنے علم پر اترانا بھی ہے اور بغیر اصلاحِ قلبی کے بظاہر ایک فضیلت یعنی علم اس طرح ایک رذیلت بن جاتا ہے۔

۳؎ عارف کامل پر ان کی بے راہ رویوں کا عکس پڑ رہا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اور سفر کی تمام محنت اکارت گئی۔

کہ کیا کام کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ سفید باف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو عجب بات ہے، ایک طرف سے نال ڈالی تو یا رحیم کہا۔ دوسری طرف ڈالی تو یا کریم۔ اور دیر تک اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے رہے۔ اور زبان سے یا رحیم یا کریم[1] کہتے رہے۔ سُبحان اللہ! عجب حال تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ ہاتھ زبان کے ساتھ برابر چلتے تھے اور معلوم نہیں، خود حضور کس عالم[2] میں تھے۔

۲۹۲ ایک بار دو آدمی جوان خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ایک کو فرمایا کہ کیوں آئے؟ اُس نے عرض کی کہ گنہگار ہوں۔ آپ نے فرمایا "کہ آئندہ گناہ نہ کرنا۔" اس نے کہا کہ آئندہ کے لئے تو گھر میں ہی توبہ کر کے آیا۔ میں تو گذشتہ گناہوں کے لئے حاضر ہوا ہوں اس پہ آپ نے فرمایا؛ تم نے مجھے کیا سمجھا! لیکن خوشی سے چہرہ مبارک سُرخ تھا۔ اس نے عرض کی کہ "شبیر[3] سمجھ کر آیا"۔ بس پھر کیا تھا۔ چہرہ مبارک روشن تر ہو گیا۔ گویا بدرِ منیر ہے۔ مگر چونکہ وہ دل سے کہہ رہا تھا۔ اس لیے خلاف عادت زبان مبارک سے کچھ بھی نہ فرمایا بلکہ مہر پدری کی طرح برس پڑے اور نہایت محبت سے تلقین ذکر فرمائی۔

۲۹۳ غرض آپ کی طبیعت مبارک نہایت طینت شناس تھی، اور ہر ایک طبیعت کے جزوی[4] فرق کو بھی واگذار نہ کرتی۔ وہی سلوک ہوتا جو عین طبیعتِ طالب اور زائر کے مطابق ہوتا۔ اب میں اِس حُسنِ سلوک اور مہربانی ہائے فراواں، اور کرم ہائے شاہانہ کا ذکر کرتا ہوں جو اِس بے مایۂ ہیچ میرز کے ساتھ آں عالی جناب قدوۃ[5] السالکین زبدۃ العارفین نے ابتداء سے لے کر انتہا تک فرمائے۔

---

[1] یا رحیم یا کریم کا وظیفہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض زائرین کو فرماتے۔ اور حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سنت میں میرے قبلہ وکعبہ بھی بعض مریدین کو یہی وظیفہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ عموماً ایک ہزار کی یا گیارہ سَو کی تعداد ہوتی ہے۔

[2] ولی اللہ کا ظاہر، باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ ظاہر کیفیت سے پُر ہو تو باطن مشاہدہ کے بام پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

[3] دل سے نکلے ہوئے تعریفی کلمات بعض اوقات اولیاء اللہ کی شفقت کو کھینچ لاتے ہیں۔

[4] جس طرح مادی حسن جزئیات سے بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح باطنی کیفیت کا کمال بھی روحانی جزئیات سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور جزئیات کا چھوٹے سے چھوٹا فرق بھی صاحبِ کمال کی نظر میں ہوتا ہے۔

[5] سالکین کا رہنما۔ عارفوں کا خلاصہ۔

۲۹۴ حُسنِ قسمت سے ملا تھا ہم کو استادِ شفیق
صُلحِ کُل، آزاد، خوشدل، مہربان، بے حد شفیق

ایک طرف تو آوارۂ دشتِ تلاش ٹھوکریں کھاتا چشمۂ آبِ حیات[1] پر پہنچا۔ اور دوسری طرف سے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبّت خاندانِ مرتضوی[2] کے حالات اور واقعاتِ خاندانی سن کر اندر ہی جوش کھا رہی تھی۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت جدِ امجد رحمۃ اللہ علیہ سے جو محبّت اور اخلاص تھا اُس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو آپ سے گہرا تعلّق تھا۔ بات بات پر حضرت جدِ امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے اور ہر ایک امر میں آپ کو نظیراً پیش فرماتے۔ کئی مخلصینِ حضور جب علاقہ شاہپور میں کسی وجہ سے آئے، تو حضرت جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ انور پر حاضر ہو کر مزار بوس ہوئے۔ کیونکہ آپ ایسا ارشاد فرماتے تھے۔

۲۹۵ ایک بار صوفی ابراہیم[3] صاحب نے حضرت جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے بیان کیا۔ کہ صوفی چراغ الدین[4] صاحب ساکنہ لنگے ضلع گجرات کو آپ کے بہت سے واقعات اور حالات یاد ہیں، اور نہایت درد سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے صوفی صاحب کا پتہ لیا اور قصور[5] شریف سے سیدھے درسِ میاں وڈا[6] صاحب تقریباً بارہ بجے رات کو پہنچ گئے۔ خود حضور تو باہر ایک تالاب پر تشریف فرما ہو گئے اور صوفی صاحب کو بلوایا۔ صوفی صاحب حیران، کہ الٰہی! کیا ماجرا ہے؛ کہ آدھی رات کو یہ بزرگ تشریف لے آئے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میں نے بھائی محمد ابراہیم صاحب سے سُنا ہے کہ آپ کو حضرت صاحب بیر بل والا کے بہت سے حالات یاد ہیں، میں صرف اُن کے سُننے کے لئے آیا ہوں۔

---

[1] ولی اللہ کو چشمۂ آبِ حیات کہنا کتنی خوبصورت تمثیل و تشبیہ ہے واقعی روحانی زندگی کا احساس اور روح کی بیداری کامل مرشد کی تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔
[2] حضرت خواجہ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اور آپ میرے قبلہ و کعبہ محبوب الٰہی حضرت محمد عمر صاحب دام ظلّہٗ کے جدّ امجد ہیں۔ بیر بل شریف میں روضہ مبارک ہے۔ آپ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ تھے اور علم و عمل کا ایک نہایت خوبصورت مجسّمہ ایک جہان نے آپ سے علم و عرفان کا فیض پایا۔
[3] صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری مصنف خزینہ معرفت حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اُنس تھا اکثر آپ کی خدمت میں تشریف لاتے میاں صاحب بھی اُن پر بے حد مہربان تھے۔
[4] صوفی چراغ دین صاحب موضع لنگے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔
[5] قصور۔ مشہور قصبہ ہے ضلع لاہور کی تحصیل ہے لاہور سے ۳۴ میل کے فاصلے پر جانبِ جنوب واقع ہے۔
[6] حضرت محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مغلپورہ لاہور میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ (وفات ۱۰۸۵ھ)

۲۹۶ صوفی صاحب کو اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ سے جو محبّت تھی، وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ لفظ لفظ پر صوفی صاحب کے آنسو گرتے تھے[1]۔ اور حضرت میاں صاحب جذبۂ محبت سے تڑپتے تھے۔ غرض صبح صادق تک یہ دونوں پروانہ ہائے محبت، ذکرِ حضرت صاحب سے جلتے اور تڑپتے رہے اور نورِ ظہور ہونے سے بیشتر ہی الگ الگ ہو گئے اور کسی کو پتہ تک نہ لگا کہ رات کیسی کٹی! سوتے یا تڑپتے۔

۲۹۷ ایک بار آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح موضع لنگے خوجے ضلع گجرات میں بھی صوفی صاحب کے پاس جا پہنچے اور اپنی پیاس بجھا کر واپس ہوئے۔ خود حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی میں نے وہ حالات حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے سنے۔

۲۹۸ جن کو میں خود نہ جانتا تھا اور نہ کسی سے سنے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت صاحب کس طرف اور کس رُخ بیٹھا کرتے؟ میں نے عرض کی شمالاً۔ آپ نے فرمایا "مجھے تو خیال ہے کہ شمالاً[2] و مغرب کے رُخ ہوتے تھے۔ چنانچہ جب میں نے میاں کرم الدین[3] صاحب سے (جو ایک مدّت آپ کی خدمت میں حاضر رہے تھے) دریافت کیا۔ تو بعینہٖ اُسی طرح بتلایا۔

۲۹۹ جب کبھی کوئی حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت مہربانی فرماتے۔ اور اکثر ان الفاظ سے پوچھتے کہ "تم نے اِن آنکھوں سے[4] حضرت صاحب رحؒ کو دیکھا؟" "بھلا جب تم نے اُن کو دیکھا ہے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت"۔ اکثر گلے لگا لیتے، حالانکہ اس آخری زمانہ میں مصافحۂ[5] عوام سے بھی پرہیز فرماتے۔

۳۰۰ ایک تو یہ محبّت تھی۔ اس پر واقعات اور اختلافاتِ خاندانی کی اطلاع نے حضور

---

[1] محبت اور جدائی جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ذکر محبوب رقتِ مجسم بن کر چھا جاتا ہے۔

[2] عارف کامل کے سامنے بعض مطلوبہ واقعات کی تصویر آ جاتی ہے۔

[3] میاں صاحب پنڈی لالہ ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں حضرت اعلیٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید اور خادمِ لنگر پھر حضرت ثانی صاحب حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی۔ تا آنکہ میرے قبلہ و کعبہ حضرت مرشدنا محمد عمر صاحب مدظلہٗ العالی نے خرقۂ خلافت عنایت فرمایا اور پنڈی لالہ میں ہمیشہ مقیم رہنے کا حکم دیا۔

[4] حضرت خواجہ غلام مرتضٰے رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کمال محبت و عقیدت تھی جس کا اظہار آپؒ ہمیشہ فرماتے۔

[5] حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظاہر تکلفات اور رسوم سے بے حد پرہیز فرماتے اور اس خیال سے کہ عموماً لوگ دست بوسی کرتے ہیں مصافحہ سے حتی الوسع پرہیز فرماتے۔

کی طبیعت اور آپ کی محبّت کو اور بھی جوش دے دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ سرچشمۂ محبت جو مدت سے ابل رہا تھا۔ صرف دیکھنے پہ امنڈ آیا۔ اور ندی نالے کی طرح نہیں، بلکہ سمندر کی طرح موج زن ہو گیا۔ آخر اپنی وسعت بے انداز سے میری حقیر ہستی کو پہلی نظر سے فنا[1] کر گیا اور کھا گیا۔

۳۰۱ گو تمام کاملین سراسر محبّت[2] ہوتے ہیں اور ہر ایک مخلص اور عقیدت مند خیال کرتا ہے کہ مجھ ہی سے آپ کو خاص محبّت[3] ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی ذات بابرکات کی بابت خیال کرتے کہ آں رحمۃ للعالمین[ص] کو مجھ سے ہی محبت ہے۔ لیکن اگر آپ کی ذات سرمایۂ سعادت کو کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص محبت ہوتی تو رحمۃ للعالمین[ص] لقب کیوں کر پاتے۔

۳۰۲ مگر جو لوگ اس آخری دور میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اُن کو میرے پچھلے بیان کی تصدیق خود بخود ہو جائے گی۔ میرا اپنا ضمیر تو یہی کہتا ہے کہ حضور کو جو محبت (بوجہ آبا و اجداد رحمۃ اللہ علیہم کے) اس روسیاہ نالائق، ہیچمدان، ہیچمیرز سے تھی۔ کسی دیگر کو اس سے بہت کم حصّہ[4] ملا۔ ہاں میں خود شور زمین کی طرح تھا کہ متواتر بارانِ رحمت کے باوجود پھر بھی سرسبز نہ ہوا۔ مگر بارانِ محبت کی کمی نہ تھی۔ جب کبھی آپ کی نظر اُٹھتی۔ تو محبّت بھری اُٹھتی۔ درد بھری ہوتی۔ جب کبھی دستِ التجا بارگاہِ الٰہی میں اُٹھاتے تو انہیں الفاظ سے اُٹھاتے۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ ایک بار نہیں۔ بلکہ ابتدا میں تو گیارہ گیارہ بار اس آیت شریف کا تکرار فرماتے۔ دستِ سوال دراز ہوتا[6] اور نظر مبارک التجا سے پُر۔ آسمان کی طرف

---

[1] فنا اصطلاحِ تصوّف میں وہ کیفیت ہے کہ سالک ماسوا اللہ کے خیال سے برطرف کر دیا جاتا ہے اور دنیا کی ہوا و ہوس اور ہونے نہ ہونے کا خیال غیر مؤثر بن جاتا ہے اور خوشی غمی کے اسباب کی تاثیرات جاتی رہتی ہیں، کامل پیر کی پہلی نگاہ نے اکثر اوقات مستعد مرید کو فنا کی کیفیت عطا فرما دی

[2] کامل پیر کی خصوصیتیں اوّل درجے پر وہ کیفیت ہے جو جاذبیت کی ابتدا ہے یعنی محبت اور اس کے بغیر نہ کوئی کامل بنتا ہے نہ سالک۔

[3] مرید کی ہر کیفیت اپنے پیر کا انعکاس ہوتی ہے اور چونکہ وہ عکس اپنی استعداد کے مطابق ہر مخلص مرید لے رہا ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو وہ منفرد سمجھتا ہے۔

[4] خود حضرت (میرے پیر و مرشد مصنف مدظلہٗ) کی ذات سراپا محبت ہے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قبولِ محبت کی ایسی بلند استعداد والا کوئی دوسرا نہیں ملا اس واسطے اپنی محبت کا تمام خزانہ ادھر منتقل فرما دیا ۵ میں اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

[6] دُعا میں محویت ہو تو ہاتھ بے اختیار پُر اُمید سوالی کی طرح آگے بڑھ جاتے ہیں دستِ سوال دراز سے یہاں مراد ہاتھ اُٹھے ہوتے نہیں بلکہ ہاتھ لمبے ہو جاتے مخلص دُعا کرنے والا اس کیفیت اور حالت کو خوب سمجھتا ہے۔

گاہے بلند اور گاہے قلب مبارک پر اور کبھی کبھی پہلی قدم بوسی ہی میں میرا ہاتھ پکڑ بہ التجا بارگاہِ ایزدی میں فرماتے - اور آخر ایام میں تین مرتبہ[1] تکرار آیت شریف فرماتے - آخر ذیقعد ۱۳۴۶ھ میں حاضر ہوا - آپ کی طبیعت مبارک نہایت کمزور تھی - آپ مالش کرا رہے تھے - دونوں چارپائیوں میں فاصلہ ذرا زیادہ تھا - آپ نے ہاتھ مبارک بڑھایا اور فرمایا - چارپائی بہت دور رکھی گئی ہے - پھر فرمایا "حوالہ بخدا[2]! سبحان اللہ! آپ کی نگاہ محبت میرے سر و چشم کو بوس رہی تھی" اور میری نگاہِ نیاز آپ کے قدموں کے بوسے[3] لے رہی تھی - یہ وہ کیفیت ہے جو نہ زبان پر آسکتی ہے نہ قلم پر - ؎

نہ بھولا ہوں نہ بھولوں گا حشر تک میں کبھی دل سے
مزے جو جو ارے قاتل! تیری تلوار میں آئے!

۳۰۳ ابتداءً تو مجھے آپ کی اس دعا کا پتہ نہ معلوم ہوا - لیکن دوسری تیسری مرتبہ یہ راز خود بخود دل پر کھل گیا کہ اہل بیت کی شمولیت کا فخر الحمد للہ حاصل ہو گیا - اکثر بزرگان سلف کا یہی طریقہ چلا آیا کہ جس کو تلقین فرماتے - پہلے اُس کو اپنی فرزندی[4] میں لیتے چنانچہ رشحات[5] میں جا بجا اسی طرح مذکور ہے - آپ کا بھی یہ دستور بعینہٖ تھا - بات بات پر فرماتے کہ "اپنوں سے توبہ نہیں کہا گیا" "اپنوں کے لئے تو اجنبیت نہیں" چنانچہ ذکر گذر گیا کہ جب میں نے مسجد میں اعلان سنا کہ آپ کو خطوط کے ذریعہ تکلیف نہ دی جائے - کیونکہ فرصت کم اور نظر مبارک اور دماغ مبارک کمزور، تو میں نے بھی کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ نہ کیا اور حاضر ہوتے ہی وجہ دریافت فرمانے کے بعد قاری صاحب سے فرمایا - "کہ اپنوں کے لئے تو یہ نہیں کہا گیا"

---

۱ آیت سے مراد وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہ الآیۃ ہے (ترجمہ: میں اپنے اس مقصد کو خدا کے حوالے کرتا ہوں)
اوّل تو یہ آیت اپنی خاص نسبت کی کسی خاص شے کو اللہ کے سپرد کرنا -
دوم تین مرتبہ ایک کلمے کو دُہرانا سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے -

۲ اللہ کے حوالے - اگرچہ یہ جملہ عام استعمال ہوتا ہے لیکن اولیاء اللہ اسے جب استعمال کریں تو معانی خاص ہو جاتے ہیں -

۳ محبت کی نیاز اور محبت میں جدائی کی کیفیت کا بیان کیا خوب ہے -

۴ کامل مرشد اپنے مخلصین کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور جسمانی اولاد بیشک مادی وراثہ پاتی ہے لیکن روحانی اولاد روحانی وراثہ اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتی ہے ۵ مولانا جامیؒ کی کتاب ہے جو تصوف کے حقائق اور احوال پر مشتمل ہے -

علی بن حسین الواعظ الکاشفی کی کتاب ہے

۳۰۴ پہلی حاضری پر جب واپس روانہ ہوا تو حاجی صاحب کو میرے ہمراہ موٹر پر بٹھانے کے لئے روانہ فرمایا اور کرایہ موٹر بھی عنایت کیا۔ میں نے ہر چند حاجی صاحب سے عرض کی کہ آپ تشریف لے جاویں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ آپ دریافت فرمائیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ موٹر چلنے کے بعد جاؤں گا اور آپ کو اطلاع کروں گا۔

۳۰۵ دوسری بار حاضر ہوا تو عشا کے وقت رخصت کے لئے طلب فرمایا۔ قاری صاحب بھی موجود تھے۔ پہلے کچھ دیر آپ مراقب[1] رہے۔ زاں بعد چپکے سے میری چادر کا دامن پکڑ کر کچھ باندھنے لگے۔ میں نے معذرت کی۔ فرمایا کہ اب کے تو جانے دو۔ پھر نہ سہی۔ لیکن میں برابر معذرت کر رہا تھا۔ اتنے میں قاری صاحب بولے کہ حضور کی جس طرح مرضی ہے اسی طرح خوشی سے تم قبول کرو۔ مجھے اس سے سخت ندامت آئی کہ نذر و نیاز تو پیش نہیں کی۔ الٹا باندھ لے چلے۔ مگر خیال تھا کہ ایک دو روپے ہوں گے تبرک[2] ہی سہی۔ لیکن بوجہ ندامت دو دن تک کھول کر نہ دیکھا کہ کیا ہے۔ آخر مجھے خیال آیا کہ کہیں گر ہی نہ جائے۔ میں نے دیکھا تو ایک نوٹ دس روپے کا شکن دے کر ایک روپے کے برابر کر لیا گیا۔ اور ایک روپیہ۔ ایسا حیران کہ کیوں نہ اسی وقت دیکھ لیا۔ اور آپ سے معذرت کرتا۔

۳۰۶ اس کے بعد بھی کئی بار کرایہ موٹر حاجی صاحب کو آپ دے دیتے اور حاجی صاحب عین وقت روانگی میرے حوالے فرماتے۔ آخر میں نے حاجی صاحب سے التجا کی کہ مجھے اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ لنگر کی خدمت تو ہم سے[3] قبول نہ سہی۔ لیکن الٹا ہم نقصان بھی لنگر کو دیں تو ہماری کتنی برائی اور رسوائی ہے تب جا کر میری عرضی منظور ہوئی۔

---

[1] مرشد کی بڑی عنایت توجہ ہے۔ اگرچہ وہ ہر آن مرید کو پہنچتی ہے تاہم ارادہ اور کوشش سے جو توجہ ہوگی وہ کچھ اور ہوگی۔ مرید کے ظرفِ کامل کی ضرورت ہے۔

[2] تبرک کے لفظی معنی برکت حاصل کرنا ہے۔
اور بزرگوں سے نسبت رکھنے والی ہر چیز بابرکت ہوتی ہے۔
اس لیئے اس کا جو حصّہ بھی جس کے پاس ہوگا موجبِ برکت ہوگا۔

[3] اگرچہ رزق منجانب اللہ ہوتا ہے لیکن اسبابِ ظاہر بھی ذریعہ ہیں۔
بزرگوں کا لنگر خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس چلاتی ہے تاہم مریدین کا لنگر کی خدمت کرنا لنگر کے لیئے ایک ظاہر سبب بن جاتا ہے۔

کریم النفسی[1] کی ایسی پاک مثال زمانہ حاضرہ میں کہاں ملتی ہے۔ موجودہ وقت کے بزرگوں میں یہ صفت کہاں خواہ وہ غوث ہوں یا قطب۔

۳۰۷ زاں بعد کئی بار میں نے اپنا نذرانہ حاجی صاحب کی معرفت پیش کیا۔ لیکن کبھی منظور نہ فرمایا۔ بلکہ آپ فرماتے کہ اِن کو دیں نہیں تو لیں کیونکہ، وہ گھر بھی[2] ہمارا یہ گھر بھی ہمارا۔

۳۰۸ الغرض شعبان ۱۳۴۵ھ کو میں حاضر ہؤا۔ تو میرے پاس کئی سو کی رقم تھی جو کہیں سے مل گئی تھی۔ مَیں نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ نہ تو قرضہ لیا گیا۔ نہ لوٹ گھسوٹ کا مال ہے۔ آپ ضرور اَیسے قبول فرمائیں گے۔ موقعہ لے کر بالاخانہ پر حاضر ہؤا۔ صرف ایک خادم میاں ابراہیم صاحب حاضر تھے۔ میں نے چپکے سے ایک سو کا نوٹ آپ کے زانو مبارک کی طرف سرکا دیا۔ لیکن آپ تاڑ گئے۔ ہاتھ مبارک سے پکڑ لیا اور کھول کر ملاحظہ کیا۔ اس کے بعد میری طرف بڑھا کر فرمایا کہ لے لو۔

۳۰۹ میری آنکھیں پہلے ہی نیچی تھیں اور شرمندہ تھا۔ آپؒ کے اس کہنے نے میری آتش محبّت پر تیل[3] کا کام دیا۔ میرے آنسو پھُوٹ آئے۔ اور ساون گھٹا (برکھارُت) کی طرح برسنے لگے۔ لیکن میں نے ہاتھ نہ بڑھایا۔

۳۱۰ اور زبان سے بے اختیار کہتا جاتا تھا۔ قبول فرمائیے ایسے تو آپ منظور فرما دیں لیکن آپ بدستور انکار فرماتے رہے۔ اور جھٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر کئی نوٹ نکال لئے۔ ایک نوٹ اور ایک روپیہ لے کر میرے ہاتھ دیا کہ زیادہ نہ سہی یہ تو ضرور لے لو۔ ضرور لے لو۔

میاں ابراہیم[4] صاحب نے میری نذر قبول فرمانے کے لئے میری سفارش کی تھی۔

---

[1] کریم النفسی: فطرۃً سخی ہونا۔ تمام صفات فطرت میں ہوتی ہیں جب کوئی صفتِ خیر تربیت پا جائے تو اس کا کمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ ولایت اور سخاوت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ولی اللہ سخی ہوتا ہے۔

[2] مخلص مرید دل کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اور قلباً ہر چیز قربان کرتا ہے جس کے نتیجے میں مرشد کامل کی رُوحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ مادی شفقتیں بھی مرید کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔

[3] محبّت اگرچہ خود رقت ہے۔ تاہم محبوب کی بعض ادائیں کھا جاتی ہیں اور محبت کے دریا میں طوفانی لہریں اُٹھتی ہیں۔ (یعنی محبت کی آگ بھڑک اُٹھی)۔

[4] میاں محمد ابراہیم قصوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضور اعلیٰ پیر بلوی خواجہ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحبؒ کے دوست اور معتمد علیہ۔ آپ خزینہ معرفت کے مصنف ہیں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

لیکن کارگر نہ ہوئی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اس مایہ ناز ہستی کی کریم النفسی کی اتنی بلند پروازی ہے کہ ہمارے خیال میں بھی نہیں۔ آخر اصرار و انکار کی نوبت مبالغہ تک پہنچ گئی اور مجبور ہو کر میں نے آپؐ کے ہاتھ مبارک کے دئیے کو مٹھی میں لے لیا۔

۳۱۱ اسی کشمکش میں آپؐ نے فرمایا "کہ ہندو بھی تو فرزند[1] قبول کردہ کے گھر سے پانی نہیں پیتے۔ ہم مسلمان ہو کر بھلا کیونکر یہ اٹھا لیں"۔

سبحان اللہ یہ ہے یگانگت۔ یہ ہے تعلق ذاتی اور محبت ذاتی اور یہ ہے اخوتِ دینی یہ ہے رشتہ طریقت اور تفسیر مَنْ لَمْ یَرْحَمْ[2] صَغِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔

۳۱۲ کیا کوئی اب ایسی مثال ہے۔ جس سے میں اپنی اشک شوئی کر سکوں اور وہ گلاب کہاں جس سے میں اس گل کی بو سونگھ[3] سکوں۔ رومی علیہ الرحمۃ تو فرما گئے۔ ؎

بوئے گل را از کہ یابم از گلاب

لیکن گلاب کہاں؟

۳۱۳ اس کے علاوہ کئی بار حاجی صاحب کی معرفت میں نے اپنی نذر قلیل پیش کی۔ لیکن ہر بار ہی واپس لاتے۔ اور فرماتے کہ حضرت قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔ کہ اس کی ضرورت نہیں۔ ان کا ہمارا[4] تعلق کچھ اور ہے۔ لین دین میں کیا رکھا ہے۔

۳۱۴ لیکن دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھئے۔ جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ وقت ناوقت۔ آپ اطلاع پانے پر فوراً نیچے[5] تشریف لاتے۔ تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد سفر کا حال ان الفاظ دریافت فرماتے تھے کہ گھر سے کب چلے، کتنے دن ہوئے، کہاں ٹھیرے۔ کس راستہ آئے، اگر سفر یک[6] روزہ کر کے خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت ہی خوش ہوتے ایک دو بار

---

[1] انسانی صفاتِ اعلیٰ ہر جگہ پھیلی پڑی ہیں حکمتِ علمی اور حکمتِ عملی کی جو چیز جہاں سے ملے وہ مومن کا ورثہ ہے۔ غیرت ایک اعلےٰ جوہر ہے۔ متبنّیٰ کے گھر سے کچھ نہ لینا۔ یہ اس لیئے کہ کہیں یہ گمان نہ پیدا ہو کہ متبنّیٰ فطرتِ انسانی کی تسکین کے لیئے نہ بنایا گیا تھا بلکہ ذاتی خدمت کے لیئے یہ کام ہوا تھا۔ اور غیرتِ بلند اس کو قبول نہیں کرتی۔

[2] ترجمہ: جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے پوری حدیث شریف یہ ہے مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَلَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔ (جس نے ہمارے بڑے کی عزت نہ کی اور جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں)۔

[3] پورا شعر یوں ہے ؎ چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب ؎ بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

ترجمہ:۔ جب موسمِ گل چلا گیا اور باغ خراب حالت میں ہو گیا تو میں پھول کی خوشبو کہاں سے حاصل کروں — ہاں گلاب سے یہ خوشبو مل سکتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

بلا رفیق حاضر ہوُا ۔ تو نہایت ہی خوش ہوُئے ۔ فرماتے کہ انسان اکیلا آیا (اکیلا ہی جائیگا) اکیلا ہی آنا جانا اچھا ہے ۔ لیکن زیادہ موقعہ یکہ تنہا حاضر ہونے کا نہیں ملا ۔ تاہم کبھی ملال نہ فرمایا ۔ کیونکہ اکثر مَیں سفر میں بیمار ہو جاتا تھا اور رفیق کے سوا سفر نہ کر سکتا ۔

۳۱۵ لیکن عجب بات یہ ہے کہ رفیق یا خادم سے بھی وہی سلوک فرماتے جو اس کے ساتھی یا مخدوم سے کرتے ۔ کھانا ایک دلاتے ۔ مصافحہ ایک جیسا کرتے ۔ اکٹھا کھلاتے اکٹھا بلاتے بلکہ توجہ تک برابر فرماتے ۔ چنانچہ اکثر احباب یہ موقعہ تلاش کر کے میرے ہمراہ ہو جاتے ۔ چنانچہ پہلی توجہ پر ہی میاں دوست محمد صاحب کا کام بالاتر فرما دیا ۔ جس پر مجھے تو درشک آتا تھا ۔

۳۱۶ پنجاب بھر میں یہ صفت گمُ ہے کہ خادم مخدوم کے ساتھ ایک سلوک کیا جائے ۔ البتہ افغانوں کی تہذیب اور مہمان نوازی اتنی بلند ہے ۔ کہ خادم مخدوم سے ایک سلوک کیا جائے ۔ لیکن حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تمام اوصاف چوٹی کے اللہ تعالےٰ نے جمع کر دئے تھے ۔ اور وہ اس صفت خاصہ میں نہایت امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔

۳۱۷ ہمیشہ مجھے الگ کھانا دلایا جاتا ۔ جس میں خاص لوگ شامل ہوتے عام طور دستر خوان پر دو قسم کے گوشت ہوتے ۔ اور کھانا کھلانے کے لئے اکثر اوقات خواص سے سرفرازی بخشی جاتی ۔ اور رخصت کے دن تو خاص بالاخانہ پر نہایت مکلّفانہ دعوت فرماتے ۔ اور اکثر اہتمام بنفسِ نفیس فرماتے باوجودیکہ چائے کو پسند نہ فرماتے ۔ کہ فرنگی تہذیب کا گہوارہ ہے ۔ تاہم دعوت میں چائے کی دیگچی گھر سے لاتے اور بڑے پیالوں میں عنایت فرماتے ۔ پرچ پیالی کو کبھی استعمال نہ فرمایا ۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۲۰)

۴ حقیقی نسبت اور کامل تعلق کے حصول کیلئے ظاہر کے تکلفات ضروری ہیں ۔ اگر حقیقی تعلق قائم ہو جائے تو یگانگت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تاہم نذر نیاز اور تحفہ تحائف محبت کو بڑھاتے ہیں ۔

۵ یہ مراقبہ صورت میں تو مراقبہ ہے لیکن دراصل سالک کو توجہ دینا ہوتا ہے تاکہ راستے کی پراگندگی دُور ہو جائے ۔ میرے قبلہ و کعبہ حضرت مرشدم دام ظلہٗ کا بعینہٖ یہی دستور مبارک ہے کہ حاضری پر تھوڑی دیر مراقبانہ صورت میں ہو جاتے ہیں جس سے طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور پھر دریافتِ حال فرماتے ہیں ۔

۶ یک روزہ سفر سے دُوسرے مفاسد و موانع مقصدِ اعلیٰ کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں اور اصل مقصود ہی کے لئے سفر ہوتا ہے ۔

۳۱۸ آپ کو فرنگیانہ[1] تہذیب سے سخت نفرت تھی۔ اور ہر نئی چیز کو بدعت خیال فرماتے نہ ان وہابیوں کی طرح۔ کہ نیک اُمور اور دینی معاملات اور عبادات میں تو بدعات[2] کا انبار لگا دیتے ہیں کہ تسبیح بدعت ہے چٹائی بدعت ہے۔ حوض بدعت ہے۔ مینار بدعت ہیں مسجد کی موجودہ صورت بدعت ہے۔ پابرہنہ مسجد میں داخل ہونا بدعت ہے جوتے کے بغیر نماز ادا کرنی بدعت ہے لیکن تمام دنیاوی امور، دنیاوی امور کیا۔ بلکہ دینی امور میں سوائے نماز باقی بدعات کی کچھ پروا نہیں۔ نہ بدعاتِ[3] افعال کی نہ اقوال کی۔ نہ لباس کی نہ مکان کی۔ لاکھوں فیشن موجود۔ لیکن بدعت کا کہیں نام نہیں آتا۔ مگر آپ تھے سچے عاشق سُنّتِ[4] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور خَیْرُ الْقُرُوْنِ[5] قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ کے سچے فرمانبردار ہر نئے فیشن نئی طرز کو آپ بُرا جانتے تھے۔ چنانچہ ایک روز بالاخانہ پر آپ تشریف رکھتے تھے۔ اور باتوں باتوں میں فرمانے لگے۔

۳۱۹ کہ ایک دوست کو میں نے ایک ایسی دیگچی لانے کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ تمام لاہور میں ایسی نہیں ملی۔ میں نے حیران ہو کر سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کا فیشن نہیں رہا۔ البتہ ایک معمولی سی دیگچی تھی۔ وہ میں نہیں لایا۔ وہ بے ڈھبی سی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ ہمیں فیشن سے کیا۔ وہی لے آ۔ چنانچہ وہ لایا۔ اور بہت سستی بھی مل گئی کیونکہ اس کا فیشن نہ تھا۔ اور کوئی اسے خریدتا نہ تھا۔ آپ حسبِ عادت تبسم بھی فرماتے اور کہتے جاتے۔ واہ فیشن کو کیا کرنا ہے۔ ہمیں تو کام لینا ہے۔ الٹا فیشن سے خارج اشیا ہمیں سستی مل جاتی ہیں۔ اور خادم سے کہا لاؤ ان کو دکھاؤ کہ اس میں کیا قباحت[6] ہے۔

---

۱ انگریز نے پاک و ہند میں ڈیڑھ سو سال حکومت کی اور اسلام دشمنی کے بڑے بڑے ثبوت دیئے۔ اس کی انگریزی تہذیب نے اسلامی تہذیب کو سخت نقصان پہنچایا۔

۲ سنت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل اور ہر حکم کا نام ہے اور بدعت، سنت اور تقاضائے سنت کے خلاف کام کرنے کو کہتے ہیں۔

۳ افعال کی بدعتیں؛ مثلاً۔ طرح طرح کے اور نئی نئی قسم کے کھانے کھانا۔ لباس اپنی مرضی کے پہننا اور دنیاوی ترقی کے لئے اپنی مرضی کے مطابق ہاتھ پاؤں مارنا ——— یہ سب بدعت کے لفظی معنوں کے لحاظ سے اسی مفہوم میں داخل ہیں۔

۴ سنت کا عشق؛ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر عادت حضورؐ کے ہر کام کا عکس دنیا میں دیکھ کر خوش ہونا۔ حضرت میاں صاحبؒ لباس، خوراک شکل و صورت میں ہر آنے والے سے بلکہ ہر مسلمان سے سنت کی پیروی دیکھنا چاہتے تھے۔

۵ ترجمہ؛ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں۔

۶ قباحت۔ برائی۔

لیکن برابر تبسم زیر لب تھا۔

۳۲۰ مقولہ مشہور ہے۔ ہر جا کہ گل[1] است، خار ست۔ اور اس کے مطابق تمام بزرگوں کی خدمت میں کوئی نہ کوئی سخت طبیعت خادم ہوتا ہے۔ جو آنے جانے والوں کے لئے باڑ کا کام دیتا ہے یا کانٹا بن کر نشتر کا شگاف کسی دل پر کر دیتا ہے تاکہ مواد فاسد[2] (خودی تکبر وغیرہ) خارج ہو جائے اور حکیم روحانی کے آنے سے پیشتر غلیظ مادے نکل جائیں تاکہ اسے زیادہ دقت نہ ہو اور آتے ہی مرہم محبت رکھ کر چاق چو بند کر دے۔

۳۲۱ ہمارے حضرت کا دربار بھی اس کلیۂ رحمانی[3] سے خالی نہ تھا۔ ایک بار میں بیٹھا تھا۔ اور خادم کھانا کھلا رہا تھا۔ ایک دو آدمی میرے ہم وطن روشناس بھی حاضر تھے۔ حضور نے ان کو بالا خانہ پر طلب فرمایا جب وہ واپس آئے تو میں نے خادم سے کہا کہ ان دونوں نے کھانا کھانا ہے۔ خادم نے ان سے دریافت کیا تو وہ سمجھے نہیں۔ انہوں نے سر ہلایا تو میاں خادم میرے سر ہو گئے اور مجھے بہت کچھ ڈھیٹ بنایا۔ کئی لوگ اور میری جان پہچان والے بھی تھے۔ اس وجہ سے مجھے سخت غصہ آیا۔ ندامت بھی ہوئی۔ اور یقین بھی تھا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ لیکن خاموش اندر ہی اندر کڑھتا تھا۔ کہ یہ کیسا بے مروّت انسان ہے۔

۳۲۲ اتنے میں خواجہ دین محمد صاحب[4] آئے اور میرے سامنے کھانا رکھوا دیا۔ گو میں کھانا تو کھانے لگ گیا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اس کے ہاتھ سے کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس خیال کے آتے ہی۔ ایک منٹ کے اندر حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ادھر ادھر نظر پھیر کر مجھے کھانا کھاتے دیکھ کر فرمایا۔ "کہ ان کو کھانا تو اوپر کھلانا تھا۔ کس نے ان کو دے دیا۔ پوچھتے نہیں"

۱؎ جہاں کہیں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹے ہیں۔

۲؎ انسانی دل میں بعض بے حد غلط اور ناقص مواد موجود ہیں۔ جن کا اخراج ضروری ہے اور وہ اس صورت میں ہے کہ ناقص جذبات کے خلاف سامنے آجائے مثلاً تکبر ذلیل ہو جائے دولت کا گھمنڈ خاک میں مل جائے۔

۳؎ خدائی اصول: یہاں مراد پہلے نشتر پھر مرہم۔ پہلے سختی سہی جائے پھر عزت افزائی ہو۔

۴؎ یہ حضرت اعلیٰ کے دربان اور لنگر کے پاسبان تھے۔ آنے جانے والوں کی اطلاع دینا ان کا کام تھا فیض پور کے رہنے والے تھے۔

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ندامت سے میرے آنسو پھوٹ آئے اور زباں پر یہ مصرع جاری ہو گیا ؎

بہرِ یک[1] گل منتِ صد خار می باید کشید

کوئی گھنٹہ بھر میری یہی حالت رہی۔ اپنی خامی پر[2] نظر تھی کہ کتنا پست فطرت واقع ہوا ہوں کہ سینکڑوں چھوڑ ایک کانٹے کی بھی برداشت ایسے گل کے لئے تجھے نہیں ہو سکتی تو تو محبت[3] کا دعوے دار کیسا ہے۔ اور کیونکر منزل مقصد پر پہنچ سکتا ہے۔ ۳۲۳

۳۲۴ اس کے بعد حضور نے بالاخانہ پر ہی میرا کھانا مقرر فرمایا۔ عین وقت پر صبح کے لئے بالاخانے پر بلواتے۔ اور اپنے سامنے کھانا دلواتے۔ چنانچہ آخری دن حضرت بابا[4] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے بھی تشریف رکھتے۔ اور بابا امام دین زرگر اور دوسرے مولوی دین محمد زرگر بھی موجود تھے۔ دستر خوان بچھا تو حضور قبلہ روحی فداہ نے تین الگ برتن صاحبزادہ صاحب کے سامنے کر دیئے۔ اور بابا جی اور مولوی صاحب کو اکٹھا کر دیا۔ اور تین برتن سالن کے ان کے سامنے رکھ دیئے۔ اور ان کے دائیں جانب میں تھا تین برتن میرے سامنے سرکا دیئے۔ اور فرمایا "یہ دونوں (مولوی جی اور بابا جی) آپس میں اکٹھے ہو جائیں"۔ اور یہ دونوں (صاحبزادہ صاحب اور بندہ) الگ الگ"۔ "اگلے زمانے میں اکٹھا کھانے سے برکت ہوتی تھی۔ اور ایک دوسرے کا نیک اثر سرایت کرتا تھا۔ لیکن اِس وقت نیک[5] اثر کم ہے" "اور بد زیادہ" "بدی کا اثر ہو جاتا ہے" "نیکی کا نہیں ہوتا"۔ اندازہ کیجئے کہ حضرت کا یہ توازن کتنا صحیح ہے اور آپ کتنے باریک بین تھے۔

۳۲۵ یہ واقعہ عین وسط پانچویں سال کا ہے۔ اس کے بعد حضور کی طبیعت بحال نہ رہی

---

[1] ایک پھول کے لئے سو کانٹے کا احسان اٹھانا پڑتا ہے۔

[2] فطرت کے جوہر مختلف ہیں صبر و تحمل نہایت ہی بیش قیمت جوہر ہے۔ اور چونکہ راہِ مولا میں جلال کی تلوار بھی لٹک رہی ہوتی ہے اس لئے صبر و تحمل ہی سے یہ راستہ طے ہو سکتا ہے ورنہ تو اس دشوار گذار وادی میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

[3] محبت اور محنت میں ایک نقطے کا فرق ہے اگرچہ محبت خود بخود ایک محنت ہے لیکن محبت کے راستے کے کانٹے برداشت کرنا بھی بڑی محنت ہے فرق یہ ہے کہ محبت خود ایک لذیذ اور دلچسپ محنت ہے۔ اور کانٹوں کی برداشت ایک ناگوار اور دردناک محنت ہے اور مجاہدہ کے بعد ہی مشاہدہ کا حصول ممکن ہے۔

[4] بابا صاحب سے مراد حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد ہیں۔ کوٹلہ شریف ضلع شیخوپورہ میں مزار مبارک ہے۔

[5] طبائع میں اتحاد اور یگانگت ایک نعمت ہے جب محبت ہو تو ہر چیز میں اتحاد پسند ہوتا ہے۔ لیکن یہی ایک چیز اس دور میں کم ہے اتحاد کم اور اختلاف زیادہ۔ اس لئے کھانے پینے میں بھی اختلاف پسند ہے۔

لیکن عجب یہ ہے کہ اُس خادم کے ہاتھ سے کھانا حضور کی زندگی میں پھر نصیب نہ ہوا۔

۳۲۶ حضور کا یہ کمال تھا کہ جس طرف آپ کا خیال[1] گیا وہی خدائے تعالےٰ کو منظور ہو گیا۔ جو منہ سے بے اختیار یا با اختیار نکل گیا وہی ہو کر رہا۔

۳۲۷ میں اکثر بیمار رہتا تھا۔ اور تاپ تلی (طحال) کی بیماری بچپن سے چلی آتی تھی۔ اسی سال بیماری کی وجہ سے چوتھے ماہ کے بعد حاضری اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اتنی جرأت تو تھی نہیں کہ بلا دریافت حضور کی خدمت میں کچھ عرض کر لیتا اور ساتھ ہی جانتا بھی تھا کہ

بن[2] مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک

رہ رہ کر خیال آتا کہ حضور کو کسی طرح اطلاع[3] پہنچتی تو میری یہ مصیبت دور ہو جاتی۔

۳۲۸ حسنِ اتفاق سے احباب سے جب میرا حال دریافت فرماتے تو آپ کے گوش گذار ہوتا کہ بیمار رہے۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کچھ بیمار رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایک مدت سے بیمار چلا آتا ہوں۔ آپ کو شفقت آ گئی۔ فرمایا۔ "کیا بیماری ہے؟" میں نے عرض کیا کہ تلی۔ آپ نے فرمایا "کچھ علاج بھی کیا؟" میں نے کہا۔ کہ بہتیرے۔ پھر فرمایا۔ "نوشادر کیسا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ میرا پھیپھڑا کمزور ہے کھٹی چیز نقصان دیتی ہے۔ فرمایا۔ "کچھ دوا کر لینا۔ اور پندرہ دن کے بعد مجھے خط لکھتے رہنا۔ یا عبدالرحمٰن (حاجی صاحب) کو لکھ دینا۔ ہاں اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنی صحت کے بارے میں لکھنا"

۳۲۹ آپ کے اس ارشاد کو اپنے لئے آیۂ رحمت[4] سمجھ کر میں نے عرض کیا کہ اکثر بیماری میں گذر رہی ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ صحت بخشے۔ فرمایا "خود بھی بیمار رہتا ہوں۔

---

[1] کامل ولی اللہ جب اپنے حال میں ہوتا ہے تو اس کی ہر حرکت اور ہر سکون منجانب اللہ ہوتا ہے۔

[2] صبر اور برداشت کا وقت ہمیشہ زیادہ تو نہیں ہوتا۔ اور صبر کا نتیجہ کامیابی اور کامرانی ہے۔ اور بے صبری کا نتیجہ بسا اوقات محرومی ہے۔

[3] اطلاع سے رحم و شفقت جوش میں آ جاتی اور توجہ فرماتے مصیبت کٹ جاتی۔

[4] ولی اللہ کی رحمت اور اس کی شفقت فی الحقیقت حق کی مہربانی ہے جو یہاں عکسی صورت میں ظاہر ہے۔

۳۳۰ بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگ ولی اللہ اپنے کراماتؔ کو اس طرح چھپاتے ہیں۔ جس طرح عورت اپنے حیض کے چیتھڑوں کو چھپاتی ہے۔ واقعی ایسا ہے۔ لیکن آبدار تلوار[۲] کے جوہر بھلا کب میاں میں چھپ سکتے ہیں جب سونتیں گے تو ایک ایک جوہر چمک اٹھے گا اور تمام جوہری جوہر ہو جائیں گے۔

۳۳۱ میری یہ مرض موروثی تھی اور میرے والد علیہ الرحمۃ کو بھی زمانہ طفولیت میں اس نے سخت تکلیف دی تھی۔ بہتیرے علاج ہوئے۔ لیکن ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر سخت نڈھال ہو گئے۔ اور حیاتی سے مایوس، تو حضرت قبلہ جدّامجد علیہ الرحمۃ نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی، اور اُسی وقت فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری دعا[۳] مستجاب فرما کر شفا کلی عنایت فرمائی۔ اب کوئی معمولی علاج کیا جاوے۔ چنانچہ اُسی دن سے افاقہ ہو گیا۔ اور والد علیہ الرحمۃ کو پھر یہ عارضہ عمر بھر نہ ہوا۔

۳۳۲ یہ کرامت[۴] نہ کہی جائے تو کیا کہی جائے۔ جس کے آج لاکھوں منکر ہیں کہ یہ ایک وہم ہے۔ مانا کہ وہم بھی کام کرتا ہے۔ لیکن کسی مریض کو کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم یہ وہم پیدا کر کے اچھا تو کر دکھائے۔ اور اتنا جلدی اور اتنی تھوڑی تسلی سے اور اتنے اطمینان سے۔

۳۳۳ جس خادم کا میں نے ذکر کیا وہ روشن دین تھے۔ اور وہ اسم بامسمّیٰ تھے۔ خُلق تو وہ تھا۔ لیکن پیر و مرشد کے عکسی نور نے چہرہ کو اتنا روشن کر دیا تھا۔ کہ انسان دیکھتے دیکھتے تھکتا نہ تھا۔ نہایت براق اور روشن۔

۳۳۴ یہ کسے طاقت ہے کہ صورت کو بدل دے۔ اور اتنا روشن کر دکھائے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ ان کے چہرہ کو دیکھ کر۔ رشک کھاتا تھا۔ اور جانتا بھی تھا کہ صرف نظر مسیحا[۵]

---

[۱] اولیاء اللہ کی کرامات ان کی عزت افزائی کے لیئے قدرت کا عجب کرشمہ ہوتا ہے ادھر فنا کی کیفیت یہ چاہتی ہے کہ نہ ہم ہیں نہ ہمارا کوئی کمال ہے۔ یہ سبب اسی کی جلوہ فرمائی ہے اور خرق عادت نفس اپنی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے۔ بس اسی خطرے سے بچنے کے لیئے کرامات چھپائی جاتی ہیں ——!

[۲] جب بقا کی کیفیت غالب ہوتی ہے اور نفسی خطرات سے نجات مل جاتی ہے تو پھر کرامات کا ظہور از خود ہوتا رہتا ہے۔

[۳] اولیاء اللہ کے لطیف احساسات آسمانی فیصلوں کا عکس قبول کرتے ہیں۔

[۴] ولایت کو ماننے والا اشرف انسانیت کو مانتا ہے اور جو اس شرف کو نہیں مانتا وہ لطافتوں سے محروم ہے اور کرامت اسباب کی کثافت سے بہت بلند ہے۔ اس لیئے سفلی جذبات کا حامل کرامت کو نہ ماننے تو تعجب کیا ہے۔

[۵] مسیحا: حضرت عیسٰی علیہ السلام کا لقب ہے جو قم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیا کرتے تھے۔

نے یہ کام کیا۔ ورنہ اوراد[1] پڑھنے والوں اور مراقبہ[2] نشینوں کی دنیا میں کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں؟

۳۳۵ ابتدا میں آپ مجھے زیادہ تر مسجد میں ٹھہرنے کا ارشاد فرماتے۔ جب کبھی حاضر ہوتا۔ آپ دیکھتے ہی فرماتے "کہ مسجد میں جا کر ٹھہرو" لیکن جوں جوں میری طبیعت اصلاح پذیر ہوتی گئی۔ مکان پر ٹھہرنے کی اجازت بخشتے گئے۔ یہاں تک کہ دن بھر مجھے اجازت تھی۔ کہ نیچے کی منزل میں بیٹھا رہوں۔ اور آپ کی ہر ایک مجلس کا لطف اٹھا سکوں۔ حالانکہ عوام سے ایک دفعہ ہی آپ ملاقات فرماتے اور ایک ہی بار کلام فرماتے۔

۳۳۶ ایک بار بالاخانہ پر بلوایا۔ بیٹھتے ہی فرمایا "کہ جی تو چاہتا ہے کہ الگ بلوایا کروں نیچے اوروں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ اچھا نیچے بیٹھیں میں آتا ہوں" چنانچہ آپ فی الفور تشریف لائے۔ بخق[3] لطف بھی نیچے عام مجلس میں ہوتا تھا۔ کہ آپ سراسر نور ہی نور نظر آتے جو لفظ بھی نکلتا دل کو چیرتا جاتا۔ جو حرکت بھی فرماتے دل میں بیٹھ جاتی۔ جو نظر بھی اٹھتی۔ تجلیِ الٰہی[4] کی طرح مسحور کر دیتی۔

۳۳۷ دوسری مرتبہ جب میں حاضر ہوا۔ تو آپ کے ہمراہ مکان شریف جانے کا حسن اتفاق ہو گیا۔ آپ نے الگ مکان پر مجھے اور پیر محمد لطیف[5] صاحب کو ٹھہرایا۔ اور اس وقت دل پر آوارگی غالب تھی۔ بعد ظہر جب آپ مسجد میں تشریف لائے۔ تو بہت سے لوگ آپ کے سامنے حلقہ کر گئے۔ آپ کچھ فرما رہے تھے۔ میں بھی موقع کو غنیمت دیکھ کر مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس چپکا سا بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی نظر مبارک یک دم مجھ پر پڑی۔ آپ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

---

[1] اوراد پڑھنے سے بیشک چہرہ چمک جاتا ہے لیکن یہاں تو صرف فیض نظر تھا۔

[2] مراقبہ سے بھی چہرے صاف ستھرے ہو جاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔

[3] بخق۔ خدا کی قسم۔

[4] تجلی الٰہی۔ خدا کے نور کی چمک۔

[5] پیر محمد لطیف شاہ صاحب فیض پور کے رہنے والے حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

خلیفہ بابا امیر الدین

۳۳۸ آپ کا اُٹھنا تھا کہ میرے آنسو پھوٹ آئے۔ اور حیران ہوں کہ آج تک ان کی وجہ نظر نہ آئی۔ کہ کیوں پھوٹے۔

۳۳۹ لاہور میں واپسی پر میں نے بازار میں دیکھا۔ کہ حضور کی دست بوسی ایک شخص نے کی اور وہ بھی برسر بازار حیران رہ گیا کہ ہم تو سنتے بھی تھے۔ اور دیکھتے بھی ہیں۔ کہ آپ کسی سے مصافحہ نہیں فرماتے۔ یہاں دست بوسی کیسی! لیکن دل میں خلش[1] پیدا ہو گئی کہ کبھی مجھے بھی یہ دولت نصیب ہو گی۔ کیوں کہ اتنا تو جانتا تھا۔ کہ خواص کے ساتھ الگ سلوک ہوتا ہے۔ اور عوام کے ساتھ الگ طریقہ برتا جاتا ہے۔ اور تمام مشائخ سلف صالحین درجۂ[2] محبّت پر سلوک فرماتے ہیں۔

۳۴۰ ابتدا میں حضور کی ذات بابرکات سے خوف زیادہ دل پر ہوتا تھا۔ لیکن جوں جوں محبت بڑھتی گئی، خوف[3] اُٹھتا گیا۔ آخر ایک دِن رخصت کے وقت یہ بندہ اور میرا دوست میاں کرم الدّین چلنے لگے۔ تو میاں کرم الدّین صاحب نے آپ کی دست بوسی کی۔ زاں بعد بندہ نے بھی بڑھ کر دست بوسی کر کے شکر پروردگارِ عالم ادا کیا۔

۳۴۱ آخر وہ وقت آ گیا۔ کہ حضور اپنی کمال عنایت سے کئی بار مصافحہ فرماتے۔ اور کئی بار چہرے کو دیکھتے اور آنکھیں ملانے کی کوشش فرماتے۔ گو کہ میری آنکھیں سرنگوں[4] ہوتیں اور خجالت اور ندامت سے آنسو بہاتیں۔

۳۴۲ ایک بار رخصت کے وقت صوفی محمدّ ابراہیم[5] صاحب سلمہ ربہٗ اور اُن کے چند رفقا پیچھے کے مکان میں موجود تھے۔ حضور تشریف لائے۔ میرے رفیق ہمراہ تھے۔ میاں دوست محمدّ کے زانو سے زانو ملا کر تشریف فرما ہو گئے۔ کئی بار آپ نے مصافحہ فرمایا کئی بار دیر تک

---

[1] خلش سے مراد یہاں محبت اور شوق کی چبھن ہے۔ اور یہی مُثبت خواہشات ہیں کہ ظاہر ہو کر سالک کی پوشیدہ محبت کو بیدار کرتی ہیں۔

[2] جس کی جتنی محبت ہوتی ہے اتنا اسے اظہارِ محبت کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ اگر اظہار محبت کا موقعہ نہ ملے تو محبت میں کمی آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے کامل پیر لطیف باتوں کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

[3] محبت غضبی قوتوں کو ختم کر دیتی ہے اور جب اس کا عکس محبوب پر پڑتا ہے تو اس کی سختی بھی نرمی سے بدل جاتی ہے اور خوف تو کلیتہً قوتِ غضبی کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔

[4] سرنگوں۔ سر نیچے ڈالے ہوئے۔

[5] صوفی محمد ابراہیم قصوری۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آپ نے ہاتھ پکڑے رکھے۔ میرے آنسو ساون کی گھٹا کی طرح برس رہے تھے۔ آپ کبھی خاموش ہو جاتے تھے اور کبھی نصائح فرمانے لگ جاتے تھے۔ معلوم نہیں۔ بیٹھے ہوئے آپ نے کتنی بار مصافحہ فرمایا۔ لیکن جب دست بوسی کر کے اُٹھے۔ تو آپ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں پھر میں نے دست بوسی کی۔ پھر بھی آپ کی طبیعت میں جوش معلوم ہوتا تھا۔

۳۴۴ اتنے میں صوفی صاحب کو بھی رخصت فرمایا۔ اور حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اُوپر جانے لگے۔ صوفی صاحب کے احباب نے جب دیکھا کہ آج دولت مفت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی مصافحہ کے لئے لپکے لیکن ان کو کیا معلوم کہ یہ کچھ اور ہی محبت[1] ہے جو ماں کو بچے پر لوٹا رہی ہے اور بچہ ماں پر بے اختیار لپک رہا ہے۔ یہ فطرتی میلان ہے۔ آخر آپ نے ان کو فرمایا "بس بس۔ اتنا ہی کافی ہے" اور آپ چٹائی سے باہر جوڑا پہننے لگ گئے۔

۳۴۵ ہم دروازہ پر کھڑے تھے۔ کہ حضور کی پیٹھ مبارک غائب ہونے پر چل دیں گے لیکن آپ نے سیڑھی کے دو درجہ پر جا کر پھر اُلٹا دیکھا۔ اور پھر جلدی غائب ہو گئے۔

۳۴۶ یہ آخری نظر محبت بھری الوداع تھی۔ اس کا لطف وہی جانتے ہیں۔ جو کبھی اس بحرِ بے کنار[2] میں ڈوب کر بے اختیار ہو کر کہیں ؎

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا[3]

۳۴۷ پہلی دست بوسی کے بعد پھر تو ہمیشہ رخصت پر دست بوس ہوتا رہا۔ اور آپ نے کبھی بھی خفگی نہ فرمائی۔ بلکہ چہرہ مبارک محبت سے پر ہوتا۔ بسا اوقات حضور بغلگیر بھی ہوتے۔ چنانچہ آخری سال رمضان سے پیشتر جب رخصت ہوا تو بالاخانہ پر بیٹھے بیٹھے

---

[1] محبت کی ادائیں محبت کی ادائیں ہوتی ہیں۔ رسم و رسوم سے انہیں کیا تعلق۔ اس لئے یہ اپنا مقام رکھتی ہیں۔ اہلِ محبت سے جو سلوک محبوب روا رکھتا ہے وہ اہلِ رسوم کا حصہ کہاں؟

[2] ایسا سمندر جس کا کوئی کنارا نہیں۔

[3] محبت ابتدا میں آسان معلوم ہوتی ہے لیکن محبت کی مشکلات بہت زیادہ ہیں۔

بغلگیر ہوئے۔

۳۴۸ **پس ماندہ کی عنائت** ایک بار حاضر ہوا۔ تو مولوی محمد[۱] صدیق صاحب واعظ بمعہ ایک دوسرے رفیق بالاخانہ پر حضور کی چارپائی کے بالمقابل دوسری چارپائی پر بیٹھے۔ مجھے بھی طلب فرمایا سامنے ہُوا۔ تو آپ نے اپنی نشست (مسند) چھوڑ کر جگہ خالی کر دی اور خود سرہانے کی طرف سرک گئے۔ اور آپ نے پاس بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ گو ادب کا خیال دامن گیر تھا۔ مگر اَلْاَمْرُ[۱] فَوْقُ الْاَدَبْ۔ آخر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چھوٹے صاحبزادے غلام[۲] احمد صاحب گھر سے باداموں کا شیرہ لائے۔ آپ نے نصف نوش فرما کر گلاس میری طرف کر دیا اور فرمایا۔ کہ ایک دو گھونٹ اس کے لیے بھی رہنے دیں۔ یہ ہماری خبر گیری رکھتا ہے۔

۳۴۹ کیا مجذوبوں[۳] کی یہ باریک بینی ہوتی ہے کہ نچے تک کا خیال رکھتے ہیں۔ اور کوئی سہو بھی واگذار ہونے نہیں دیتے۔ یہ تو عقلِ[۴] کل رکھنے والے بزرگ تھے۔ ان کی دُور اندیشی، باریک بینی وہی دیکھ سکتا ہے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے دل دیا، دماغ دیا۔ اور بصیرت عنایت فرمائی۔ عامی لوگ کیا جانیں کہ وہ کیا تھے۔

۳۵۰ کئی بار پہلی نیاز پر ہی بِلا دریافت یہ ارشاد فرماتے۔ کہ مجھے تو اِنَّ[۵] مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا سے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ اس وقت تو اس اشارہ کا صحیح اندازہ نہ کیا جا سکا۔ لیکن بعد میں اس کا نصف صحیح نتیجہ (عُسْر[۶]) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور دوسرے نصف (یُسْر[۷]) کی بابت بارگاہِ الٰہی سے پوری اُمید ہے ؎

کہ[۸] مقبول را، رد نباشد سخن

۱؎ حکم کا مقام ادب سے بلند ہے یعنی حکم کی اطاعت میں اگر آداب ملحوظ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حکم کا درجہ بالا ہے۔

۲؎ صاحبزادہ غلام احمد صاحب حضرت ثانی غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ صاحب جو حضرت ثانی صاحبؒ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہُوئے۔

۳؎ مجذوب: سالک کے مقابلے کا لفظ ہے حضرت اعلیٰ شرقپوریؒ پر جذب کا غلبہ تھا تاہم سلوک کے کمال کیوجہ سے جزئیات کا بھی خیال رکھتے تھے اور احوالِ عالم کا مطالعہ کامل بصیرت سے فرماتے۔

۴؎ مراد مکمل عقل جو جزئیات کا بھی خیال رکھے۔

۵؎ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے، بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔

۶؎ تنگی ۷؎ فراخی

۸؎ اللہ کے مقبول بندے کی باتیں رَدّ نہیں ہُوا کرتیں۔

۳۵۱ درحقیقت یہ ارشاد اس کشف عیانی[1] کی ایک ادنیٰ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو کرامت فرمایا تھا۔ کہ آنے والے معاملہ کو بہت پہلے دیکھ لیتے تھے۔ اور بے اختیار آپؒ کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ اور صاحبِ فراست تاڑ جاتا تھا۔ مفصل بیان آگے آئے گا۔

۳۵۲ شرقپور شریف میں زمیندارہ بنک کی بنیاد قائم ہوئی۔ تو آپ کو بتہ لگا۔ ذیلدار صاحب خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے سخت ڈانٹ فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں نے سود کھانے شروع کیے۔ خدا تعالیٰ تمہیں سخت ذلیل کرے گا۔ تم کتّے کی طرح بھونکو گے۔

۳۵۳ لیکن دنیا بڑی میٹھی ہے۔ کون رُکے۔ بنک تو قائم ہو گیا۔ لیکن ذیلدار صاحب اور دیگر اراکین بنک پر وہ وقت آگیا کہ ہتھکڑیاں ان کے لیے آموجود ہوئیں۔

۳۵۴ عین اسی دن یہ بندہ بھی حاضر تھا۔ کہ جب ڈپٹی انسپکٹر جنرل زمیندارہ بنک ملک نون صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے موقع پاکر ذیلدار صاحب بھی حضور کی خدمت میں رونے لگے کہ آپ سفارش کریں تو بچتے ہیں۔ ایک قرضہ زیادہ ہے۔ دوسرا غبن کا الزام سر پر۔

۳۵۵ خود حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا۔ "کبھی کبھی جو کچھ میں منہ سے[2] کہہ دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اُسے پورا کر دکھاتا ہے۔

۳۵۶ میں نے بنک قائم کرنے کے دن ان سے کہا تھا۔" کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے وبال ہوگا۔" سو خدا نے ایسا ہی کیا"۔ حضورؒ کی طبیعت بھی[3] بشاش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ذلیل کرنے والوں کی تذلیل سے خوش ہیں۔

۱۔ کشف عیانی۔ حالات و واقعات کو ظاہراً دیکھ لینا۔

۲۔ یہ تحدیث نعمت ہے اور اکثر اولیاء اللہ خوشی کے وقت اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو جو کسی کمال کی صورت میں ان پر ہو رہی ہوتی ہیں، بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ الحب للہ والبغض للہ محبت اللہ کے لئے اور بغض اللہ کے لئے، جب نفسانیت مغلوب ہو جاتی ہے تو اپنی ذات کے واسطے نہ وہ کسی سے محبت کرتے ہیں نہ عداوت ان کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔

۳۵۷ شعبان ۱۳۲۶ھ کو آپ نے خلعت[1] عنایت فرمائی۔ جس میں ایک ٹوپی ایک دستار ململ۔ ایک کرتہ لٹھہ۔ ایک چادر لٹھہ۔ ایک تہ بند لٹھہ کورا۔ ایک جانماز کھدر۔ ایک دسترخوان کھدر شامل تھے۔ اور تمام کپڑے دسترخوان میں بندھے تھے۔ عنایت فرماتے وقت یہ فرمایا کہ انہیں پہن لینا۔

۱۳۲۶ھ صحیح معلوم ہوتا ہے

۳۵۸ اس وقت تو اس کی حقیقت نہ کھلی کہ کیوں یہ عنایت ہوئے لیکن آپ کی مرض الموت میں آکر تمام بات روشن ہو گئی۔ کہ یہ آخری عنایت تھی اور یہ اپنی طرف سے جدائی کا آخری پیغام تھا۔

۳۵۹ جہاں تک ناقص عقل ہے۔ قدرت نے جو کچھ دلوایا میں اُسی کا مستحق تھا۔ اُور اتنی ہی میری بساط تھی۔ ہر ایک چیز میری آئندہ حالت کا ترجمہ تھی۔ مجھے تمام امور آئندہ[2] کی بابت تمام روشنی ہو گئی تھی آپ کی بیماری میں اکثر احباب مجھے حاضری کے لیے تاکید کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ موقعہ پا کر اپنی بابت عرض کرنا۔ تاکہ حضور کی عنایت[3] خاصہ سے ممتاز ہو بیٹھو۔

۳۶۰ گو میں اُن کو زبانی کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ لیکن جانتا تھا۔ کہ جَفَّ الْقَلَمُ[4] بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ جو کچھ بننا تھا وہ ہو لیا۔ اَب گستاخی کے بغیر کیا ہو گا۔

۳۶۱ احباب کے خط آئے۔ حضور قبلہ سخت بیمار ہیں۔ فوراً جا حاضر ہُوا جب میری اطلاع دی گئی۔ تو آپ نے میری طرف دیکھا۔ صوفی ابراہیم صاحب سلمہ ربہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے چارپائی ڈلوائی۔ اور اس پر چادر بچھوائی اور اس پر ہم دونوں کو بٹھا دیا پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ تمہارا کیا کرایہ صرف ہوتا ہے۔ میں نے عرض

---

[1] خلعت: لباس کی عنایت۔

[2] بعض اوقات قدرت ایسی باتیں کہلوا دیتی ہے جن کا انتہائی اخفا مطلوب ہوتا ہے۔

[3] خاص مہربانی۔ یہاں مراد خاص توجہ اور خاص ارشاد ہے۔

[4] جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ: بیشک قلم خشک ہو گئی اس چیز کو لکھ کر جو ہونے والا ہے (حدیث مبارک) تقدیر مُبرم کا بیان ہے۔ کہ ہونے والے تمام امور لوحِ محفوظ میں لکھ دیئے گئے۔

کی بارہ تیرہ روپیہ۔ پھر آپ دیر تک اسی خیال میں رہے۔ روپے طلب فرماتے تھے۔ جو کچھ خادم پیش کرتے۔ وہ آپ رومال میں رکھ کر سرہانے رکھ چھوڑتے۔ حتیٰ کہ نہایت تکلیف سے اُٹھے۔ اور اندر تشریف لے گئے اور وہاں ہم دونوں کو بھی طلب فرمایا سید نور الحسن[1] صاحب اور دین محمد[2] صاحب بھی آپ کے پاس تھے۔ کچھ نقدی[3] دونو صاحبوں کے پاس تھی۔ آپ گنواتے۔ لیکن جب آپ کو عرض کیا جاتا تو پھر ہوش میں ایک دو باتیں کرنے کے بعد نڈھال ہو جاتے۔ اور سر کے بل گر پڑتے۔ کچھ وقفہ کے بعد جب ذرا آرام ہوتا۔ تو پھر بدستور آپ گنواتے۔ اور پوچھتے۔ غرض دوپہر تک یہی حالت رہی۔ کوئی چار سو روپیہ کے قریب نقدی اکھٹی کی گئی۔ زاں بعد بندہ مسجد میں حسب ارشاد کھانے کے لیے چلا آیا۔ لیکن پھر بزبانی حضرت سجادہ نشین صاحب سلمّہ ربہ معلوم ہُوا۔ کہ یہ روپیہ آپ لوگوں کے دینے کے لیے اکٹھا کیا گیا۔

۳۶۲ گو مجھے صوفی صاحب کی بابت تو اسی وقت معلوم ہو گیا۔ لیکن اپنی ذات کی بابت خیال نہ تھا۔ کیونکہ میرا غلامی دعویٰ تھا۔ اور میں ایک آسودہ حال تھا۔ اور آپ کی دعا سے سب کچھ مہیا بھی تھا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ خواہ بیٹے کے پاس سب کچھ بھی ہو۔ لیکن پھر بھی باپ کا دل یہی چاہتا ہے۔ کہ بچے کے گھر سب کچھ جائے۔ بچے کا دل خوش ہو جائے بچہ اپنے پیارے باپ کی محبت کو اس آخری یاد سے تازہ رکھے۔ سبحان اللہ کیا محبت تھی۔ کیا شفقت پدری تھی۔ میں ہمیشہ احباب سے کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی اتنی کامل حکمتیں وسیع اور کثیر بندہ کے حال پر ہوتی ہیں۔ کہ خود بندہ کو بھی اپنے خیال میں ان کا علم نہیں ہوتا۔ نہ ان کا وہم آتا ہے۔

---

[1] حضرت نور الحسن شاہ صاحب سرکار حضرت کیلیانوالا۔

[2] شیخ دین محمد یہ حضور کے خاص خادم اور دربان تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

[3] روحانی سلسلہ، روحانی سلسلہ ہے لیکن مہربانیوں کا اظہار ظاہراً اگر ہو تو مادی اشیاء روپیہ پیسہ وغیرہ سے چارہ نہیں۔ اور جتنا جس سے اُنس اتنی اس پر شفقت یہی ایک اصول ہے۔

۳۶۳ مدّت سے یہی شکایت مجھے رہی کہ اپنے بزرگوں سے کچھ نہ سیکھا۔ لاکن بخدا[۱] تے لایزال اس کی عنایت کاملہ نے اس درِ دولت تک میری رسائی فرمائی۔ جو باپ سے زیادہ رحیم اور ماں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی رُوح کو ہمیشہ اپنے قرب[۲] اور جمال میں مستغرق رکھے۔ آمین اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ گو میں کہوں گا تو بے اَدبی ہوگی لیکن حق یہ ہے کہ والدین مجھ سے یہ سلوک نہ کرتے۔ ہاں! یہ ضرور ہے۔ کہ ان بزرگوں کی دعا[۳] نے یہ دولت دلوائی۔ ورنہ میں کہاں۔ اور یہ دولتِ لایزال کہاں۔

۳۶۴ اس کے علاوہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات میں یہ کمال صفت تھی۔ کہ بزرگوں کی اولاد[۴] سے بہت ہی نیک سلوک فرماتے اور آپ رح کا دل چاہتا تھا۔ کہ جو کچھ ہے۔ یہ ہی لے جائے۔ لیکن لینے والے کا اپنا حوصلہ جتنا کسی سے ہو سکتا تھا۔ اٹھا لیتا۔ آپ دریغ نہ فرماتے تھے۔

۳۶۵ مرض کی شدّت میں بعد دوپہر میاں دوست محمد صاحب میرے ہموطن آپ رح کو پنکھا کر رہے تھے۔ کہ آپ رح نے آنکھ کھولی۔ آپ کو خیال ہوا۔ کہ محمد عمر ہے۔ پاس بٹھا لیا۔ کچھ وصیّت فرمائی۔ گلے لگایا اور[۵] رخصت کیا۔ یہ ماجرا گذار کر میرے پاس آئے۔ اور کہا۔ آپ کو (مجھ کو) رخصت ہو گئے۔ میں نے کہا کیونکر۔ تمام قصّہ کہہ سنایا۔ افسوس ہُوا۔ کیوں نہ بلایا۔ لیکن پھر دل کو تسلّی دی۔ کہ گو ظاہری[۶] دولت میاں دوست محمد لے گئے۔ لیکن درحقیقت خیال کا مرکز تو بندہ ہی تھا۔

گو کئی بار آپ نے رخصت فرمایا۔ لیکن دل تسلّی نہ پکڑتا۔ کہ حضور پوری ہوش سے رخصت فرما رہے ہیں۔ آخر جمعہ کو صبح حاضر ہوتے ہی دوائی پینے کے لیے آنکھ کھولی۔

---

۱ با قسمیہ ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔

۲ ولی اللہ کی تمام محنتیں قربِ الٰہی پیدا کرتی ہیں اور محسوس قرب شروع ہو جاتا ہے۔ اور بعد موت تو یہی قرب مقصود ہے۔
جمال، جلال کی ضد ہے۔ مراد رحم و شفقت، حسنِ ازل اور نعمائے جنّت۔

۳ دعا کے اثرات لازم ہیں اور اپنے اپنے وقت پر ہر دعا اپنا اثر دکھاتی ہے۔

۴ یہ اس لیے کہ جب بزرگوں کی اولاد اچھی ہوگی تو ان کا نام بھی زندہ رہے گا اور خود بزرگی پر اعتقاد قائم رہے گا۔

۵ مراد وہ شفقت ہے جو حضورؒ نے ظاہراً فرمائی۔

۶ چونکہ روحانیت میں خیال کی لطافت ہی کام کرتی ہے۔ اِس لیے دُور و نزدیک کا سوال نہیں اور ظاہر و پوشیدہ کا بھی اثر کم ہے۔ جہاں خیال ہوگا وہیں اثرات پہنچیں گے۔

مڑ کر جو سرہانے کی طرف دیکھا۔ تو خاکسار پر جا نظر مبارک ٹکی۔ فرمایا "رخصت جو دے دی تھی۔" پھر میاں دین محمد صاحب نے کہا۔ کہ وہ (بندہ) کہتے ہیں۔ کہ گھر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ بڑھائے۔ اور فرمایا "میں تم پر بہت خوش ہوں[۱]۔ اور راضی۔" ایک بار پہلے آئے۔ پھر قاری صاحب وہاں گئے۔ پھر آپ آئے۔ میں تم پر بہت ہی خوش ہوں۔ فخرالدین[۲] صاحب پر بھی خوش ہوں۔ آئے تھے۔ اس کے بعد میں نے ہاتھ بوسے اور آخری الوداع لیتا ہوا رخصت ہوا۔ آنکھیں مڑ مڑ کر دیکھتیں۔ کہ شائد پھر یہ دیدار نصیب ہو؟

۳۶۶ گھر آیا۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[۳] کا جملہ کلام مجید میں دیکھا۔ اور اپنے رب العزت کا شکر ادا کیا۔ کہ یہ آخری سعادت تھی۔ یہ آرزو تھی۔ کہ آخری الوداع پر راضی جائیں۔ سو اس کے محض فضل و کرم سے یہ نعمت حاصل ہوئی۔ بعض کتب صوفیہ میں بھی دیکھا۔ کہ اپنے خواص کو انھیں محبت آمیز الفاظ سے آخری الوداع فرمایا گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ لیکن یہ افسوس کبھی نہ جائے گا۔ کہ قدمبوسی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بحق ؎

عشق[۴] ہو مصلحت آمیز تو ہے خام ابھی

طبیعت خوف کھا گئی۔ کہ آپ بیمار ہیں۔ شاید میرے اس فعل سے طبیعت ناساز اور مکدر ہو جائے۔ مگر نہیں اپنی خامی تھی ورنہ وہ سراسر محبت کیوں ناراض ہوتے اور کیوں مشوش[۵]۔ لاکھوں ہماری شوخیاں دیکھتے ہوئے آپ تحمل فرمایا کرتے۔ بھلا اس گستاخی پر کیوں گرفت فرماتے اللہ اکبر۔

۱۔ کیا سعادت ہے کہ مرکز روح کے یہ آخری الفاظ ہیں۔ سبحان اللہ۔

۲۔ فخرالدین حضور قبلہ مرشدم دام ظلہٗ کے چچا زاد بھائی، جو میرا شریف حضرت میاں احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہوئے۔
حضرت میاں احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ تھے۔

۳۔ اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

۴۔ محبت اگر وقتی تقاضے کی بہتری سوچے تو محبت ابھی خام ہے۔ یعنی نتائج سے بے پرواہ ہو کر اظہارِ محبت ہو یہی پختگی ہے۔

۵۔ مشوش۔ پریشان۔

لغزشات

۳۶۷ انسان لغزشات سے پُر ہے۔ کتنا ہی کوئی احتیاط کرے لغزشیں[1] سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن اگر لغزش کنندہ اپنی لغزش کو دیکھ کر اپنے گناہ کا مُقِر[2] ہو جائے۔ تو لغزش سے بڑھ کر اس نے عنایت[3] کا جامہ پہنا۔

۳۶۸ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سے قصور تو ہوا لیکن رَبَّنَا[4] ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ہ کے لطف بھی انھوں نے اٹھائے۔ کس حسرت، کس ندامت، کس پریشانی سے حضورِ پروردگارِ عالم میں لغزش کی معافی کے خواستگار ہوئے۔

۳۶۹ تاہم لغزش لغزش ہے۔ اور قصور قصور۔ کوئی اسے پسند نہیں کرتا حضور قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ تو سراسر انفعال[5] ہو کر پیش ہوتا۔ اپنے گناہ اپنے قصور اپنی غفلت۔ اپنی بے شعوری اور اپنی کم علمی میرے سامنے ہوتی اور ہر امر میں خائف ہوتا۔ اور جہاں تک ناقص خیال ہے۔ اس صفت کی وجہ سے حضرت کو مجھ پر شفقت تھی۔ ورنہ میری استعداد ناقص تھی۔ محبت جو اِس راہ میں شرط ہے۔ وہ بہت کمزور تھی۔ خیالات فاسدہ اور افکار باطلہ میرے خمیر میں تھے غرض کوئی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے توجہ خاص کے لائق ہوتا۔ باوجودیکہ طبیعت انفعالی[6] ہے۔ تاہم بعض امور ایسے سرزد ہوئے۔ جو آپ کی طبیعت پر گراں گذرے۔

۱؎ یہی فطرتِ بشری ہے کہ لغزش واقع ہو پھر ندامت کے آنسو بہیں اور معافیاں ہوں۔

۲؎ مُقِر: اقرار کرنے والا

۳؎ معافی اللہ تعالیٰ کی ایک عنایت ہے جس کا سبب لغزش ہی بنی۔

۴؎ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر آپ ظُلم کیا۔ اب اگر تُو نے معاف نہ فرمایا اور رحم نہ کھایا تو ہم خسارے والوں میں ہوں گے۔

۵؎ انفعال: لفظی معنی اثر پذیر ہونا، یہاں مراد ندامت ہے۔

۶؎ یعنی — اثر پذیر ہے اور ندامت والی۔
یہی طبع ہے جو لغزش کے نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔

۳۶۷ ۱ - دوسری مرتبہ حاضر ہُوا ۔ تو جمعہ لاہور ادا کر کے حاضر ہُوا ۔ خیال یہ تھا کہ جمعہ شریف سے پیشتر بھیڑ بھاڑ ہو گی ۔ بعد کو موقعہ اچھا ملے گا ۔ حاضر ہُوا ۔ تو آپ نے پہلا سوال جمعہ[1] کی بابت کیا ۔ کہ کہاں ادا کیا ۔ اس کے بعد بھی کئی بار جمعہ ادا کرنے کے بعد گھر سے روانہ ہو ، ہفتہ یا اتوار کو قدمبوس ہوتا رہا ۔ گو آپ کو میرا یہ فعل پسند نہ تھا ۔ لیکن کبھی اس کے متعلق ظاہر نہ فرمایا ۔ مگر جب مرض الموت کی خبر سنکر حاضر ہُوا ۔ تو بھی ایسے اتفاق ہُوا ۔ کہ جمعہ کی شام کو مجھے اطلاع پہنچی اور ہفتہ کی شام کو حاضر ہُوا ۔ آپ نے حسب دستور دریافت فرمایا "کہ جمعہ کہاں ادا کیا" عرض کیا "کہ گھر میں" فرمایا "یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں" لیکن یہ الفاظ اس وقت تک دل پر کھٹکتے ہیں ۔ اور جب تک زندگی ہے ۔ کانٹا بن کر چبھتے رہیں گے ۔ کاش پہلے علم ہوتا تو تدارک کر سکتا ۔

۳۶۸ ۲ - ایک بار ہفتہ کو حاضر ہُوا ۔ خیال تھا کہ جمعہ کو گھر پہنچ جاؤں گا پنجشنبہ کو میں نے جناب حاجی[2] صاحب سے ذکر کیا ، کہ ارادہ ہے کہ جمعہ کو واپس پہنچ جاؤں ۔ حاجی صاحب نے گوش گذار کیا "تو فرمایا کہ کیا یہاں جمعہ نہیں ہوتا ۔ دوسرے دن جمعہ کے بعد حاجی صاحب نے نہ معلوم کیوں پھر اسے دہرایا ۔ تو آپ رح نے سخت جھنجھلا کر فرمایا ۔ "جب مرضی ہو گی رخصت دیں گے" لیکن شکر کہ مَیں حاضر نہ تھا ۔ جناب سیّد نور الحسن صاحب آئے ۔ اور انھوں نے مجھے کہا ۔ کہ جمعہ گذر گیا تو اب یہ کہلانے کی کیا ضرورت تھی ۔ حاجی صاحب نے بھی تو نہیں سوچا کہ حضور کے سامنے ہوشمندی سے بات کرنی چاہیے ؎

نازک[3] مزاج شاہاں تاب سخن ندارند

آخر تیرہ دن کے بعد رخصت ہُوئی ۔

---

[1] حضرتِ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ خود جمعہ مبارک کا وعظ فرماتے اور ہر سالک کی استعداد کے مطابق کھلم کھلا نصائح اور توجہات سے نوازتے ، دُور دُور سے لوگ جمعہ کی خاطر پہنچتے اور حضور کی خواہش ہوتی کہ خواص و زائرین جمعہ ترقبور شریف پڑھیں ۔

[2] حاجی عبدالرحمٰن قصوری رحمۃ اللہ علیہ

[3] بادشاہوں کی نازک مزاجی بات تک کو بھی برداشت نہیں کر سکتی ۔

۳۶۹ لیکن اصل اس میں راز یہ تھا۔ حضور کی مرضی تھی کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب جو ہمارے قبلہ جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور آپ کے گھرے اور مخلص دوست اور عقیدتمند تھے۔ میری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔ تاکہ دونوں[1] ایک دوسرے کو ایک چشمہ پر سیراب ہوتا دیکھ کر شکر الٰہی بجا لائیں۔

۳۷۰ صوفی صاحب ہفتہ کو تشریف لائے اور پیر تک رہے اگرچہ حضرت مرحوم و مغفور نے پہلے ہفتہ کو فرمایا تھا۔ کہ اب صوفی صاحب کے بعد ان کو (مجھے) رخصت کریں گے۔ لیکن اچانک آپ نے دوشنبہ کی رات کو حاجی صاحب سے فرمایا[5] کہ کل دونوں کو اکٹھا ہی رخصت کریں گے۔

۳۷۱ آپ کا معمول تھا کہ اپنے متعلقین کو بیکدم رخصت نہ فرماتے بلکہ یکے بعد دیگرے اجازت بخشتے۔ اور خواص کو تو پورے دن کے وقفہ سے رخصت فرماتے۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ رخصت ہونے والے کی طرف پوری توجہ باطنی فرماتے۔ بلکہ رخصت ہونے کے بعد کئی گھنٹے اسی حالت محبت[2] میں آبدیدہ رہتے۔

آہ یہ محبت عامہ[3] ہے جسے صوفی نما لوگوں نے ایک ٹکسالی اصطلاح میں گھڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور جس کا مسمّٰی[4] اور مفہوم دنیا میں بہت کمیاب ہو چکا ہے۔

۳۷۲ میں اس فوری رخصت سے خود حیران تھا۔ لیکن ایک ظاہر وجہ تو یہ نظر آئی۔ کہ شاید دونوں کو ہمرفیق سفر کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔ لیکن پھر بھی آنکھ اس حقیقت کے انکشاف کے لیے بیتاب تھی: تاآنکہ میں نے دریا عبور کیا۔ اور حضرت قبلہ جدِّ امجد علیہ الرحمۃ والغفران کے بھانجے[5] اور میرے چچا صاحب گھوڑی پر سوار مجھے

۱۔ یعنی قبلہ جان حضرت مرشدنا مدظلہٗ اور صوفی محمد ابراہیم صاحب

۲۔ محبت کا خاصہ ہے کہ وہ یک طرفہ نہیں رہتی اور اولیاء اللہ تو محبت کا تخم ہوتے ہیں اور قاسم محبت اس لیے اہلِ محبت خواص کی جدائی کا اثر کس طرح ان پر نہ ہو۔

۳۔ محبت عامہ۔ تصوّف کی ایک اصطلاح ہے۔ یہ سالک کا ایک حال ہے کہ جلوۂ الٰہی کا ظہور ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اور طبیعت بے اختیار محبت پر اُمڈ آتی ہے۔

۴۔ یعنی ایسے سالک جو اس بلند حال کے مصداق ہوں بہت کم ملتے ہیں۔ عام صوفی صرف اصطلاحات کو یاد کر لیتے ہیں۔

۵۔ مولوی صوفی غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن سودھی بالا جو حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید اور تربیت یافتہ تھے۔

نظر آئے جو بیربل سے رخصت ہو کر واپس گھر جا رہے تھے۔ اب فوری رخصت کی حقیقت کھل گئی۔ چنانچہ مصافحہ کے بعد انھیں پھر گھر لا یا اور وہ صلح خاندانی ہوئی کہ جس کی کئی سالوں سے احباب کو خواہش تھی۔ اور بہی خواہان جس کے لیے دست بدعا رہتے تھے اور خود حضور قبلہ جس کے لیے قلبی[1] ہمت صرف فرما رہے تھے۔ اور جس کا سہرا آج بھی آنحضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر لٹک رہا ہے۔

۳۷۴ ایسی باتیں کچھ مجھ سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ ہر حاضر ہونے والے کو ایسے بہت سے واقعات پیش آئے۔ کہ وہ ششدر رہے۔ کہ کس طرح کس صفائی سے آپ منزل مقصود کی طرف روانہ فرماتے۔

۳۷۵ برادرم سراج الدین[2] صاحب نے جو سفر کشمیر میں بھی آپ کے ہمراہ تھے، بیان کیا۔ کہ ایک بار آپؒ نے رخصت دے کر فرمایا کہ دو دن گھر رہ کر شاہ صاحب کے پاس حضرت کیلیانوالے جانا۔ میں نے سوچا کہ کیوں کرایہ زیادہ خرچ کروں۔ پہلے حضرت کیلیانوالہ جانا چاہیے۔ پھر گھر۔ لیکن شاہدرے سے ٹکٹ لیا۔ تو وہ کسی دوسرے اسٹیشن کا دیا گیا۔ ہر چند میں نے گاڑی میں بیٹھنے کی کوشش کی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ گاڑی چلی گئی پھر ٹکٹ بدلوایا گیا۔ لیکن گاڑی ڈاک تھی۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کا خیال آیا۔ تو میں نے کہا تبھی یہ مصیبت آ رہی ہے۔ آخر پھر ٹکٹ بدلوا کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب گھر سے نصف میل پر پہنچا۔ تو میری خالہ ہمارے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ خالہ نے کہا۔ آج دو دن سے تمھارے انتظار کے بعد واپس جا رہی تھی۔ شکر ہے کہ تو بھی آ گیا۔ خالہ کو گھر لایا۔ دو دن کے بعد وہ اپنے

---

[1] دل کی قوت: تعلق باللہ کی وجہ سے جو نسبت کامل سالک پر قائم ہو جاتی ہے اور اسی نسبت اور توجہ سے لوگوں کی بگڑیاں بنتی ہیں۔

[2] سراج الدین صاحبؒ۔ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب کے پاس رہے۔

گھر گئی - اور میں حضرت کیلیانوالا آیا -

۳۷۶ ۳ - تیسری لغزش یہ ہوئی - کہ خیر تو وال[1] ضلع گجرات کا ایک موچی جو حضرت قبلہ عالم جد امجد علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بزمانہ طفولیت[2] بیعت ہوا تھا - آپ کی خدمت میں حاضر ہوا - جمعہ کا دن تھا - حسب دستور آپ داہنی طرف سے پوچھتے اور بتاتے جاتے - آخر اس کی نوبت آئی - آپؒ نے دریافت فرمایا "کسی بزرگ سے بیعت ہے؟" عرض کیا - "حضرت بیر بلی والا سے" - آپؒ نے فرمایا[3] "تم نے خود انھیں دیکھا تھا؟" عرض کیا جی ہاں" - فرمایا "کچھ فرمایا؟"[4] عرض کی ہاں - فرمایا "یاد ہے" اس نے کہا - جی ہاں - اس پر آپؒ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گئے - لیکن میں اس کے سوال وجواب پر سخت اندر اندر کڑھتا تھا - کہ بیوقوف کیا کہہ رہا ہے - نہ تو ظاہر شریعت[5] سے آراستہ ہے - اور نہ باطن[6] تربیت سے پیراستہ - پھر بھی کہتا جاتا ہے - کہ سب کچھ یاد ہے - اور یہی وجہ آپ کی بے التفاتی کی ہوئی -

۳۷۷ حضور تشریف لے گئے - مجلس برخاست ہوئی - باہر نکل کر میں نے اسے بہت کچھ سخت سست کہا - وہ اپنی جگہ پریشان - میں اپنی جگہ شرمندہ - کہ اپنا آدمی ہو کر خالی جا رہا ہے - لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا - کہ مسجد کے بالمقابل ایک موچی کی دوکان پر حقہ مزے سے پی رہا ہے - مجھے بھی طیش آیا - میں مسجد کے دروازہ کی بساط (چھپت) پر جا لیٹا - اتنے میں اس کا ایک رفیق راہ بھی میرے پاس آ بیٹھا - اور مجھے کہا کہ فلاں موچی آپ کے خاندان سے تعلق قدیمی رکھتا ہے - لیکن آپ نے اس کے لیے کچھ نہ کیا - مجھے غصہ تھا - میں نے کہا - یہ ایسے ہی اچھے ہیں - دیکھو وہ حقہ پی رہا ہے - اُسے

---

۱ - ضلع گجرات تحصیل پھالیہ میں ایک گاؤں ہے - جہاں حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر مُریداور مخلص موجود تھے -

۲ - بچپن - اطمینان اور برکت کے لیے بعض لوگ اپنی اولاد کو بزرگوں کا مُرید کرا دیتے ہیں -

۳ - یعنی کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتلایا تھا -

۴ - کامل کے پاس پہنچ کر اپنی ناقص حالت کو پیش کرنا چاہیئے - اپنی ظاہر و باطن کی نسبت کا حوالہ نہیں دینا چاہیئے -

۵ - نہ منہ پر داڑھی ہے اور نہ صورت سے شرافت ظاہر ہوتی ہے -

۶ - اور نہ ہی ذکر وفکر کا نور موجود ہے اور نسبت اعلیٰ کو بدنام کر رہا ہے -

حضور کی خفگی سے شرم تک نہیں آئی ۔ موچی جو حقہ پی کر آیا ۔ تو رفیق نے تمام ذکر کیا۔ وہ بے چارہ درماندہ ہو کر چادر لپیٹ کر چھت پر لیٹ گیا۔ کھانا آیا ۔ اسے اٹھایا۔ اس نے کہا دل نہیں چاہتا ۔ پھر مجھے دوپہر کو وہ کہنے لگا ۔ کہ میں تو واپس جاتا ہوں ۔ میں نے اس سے کہا ۔ کہ جمعہ تو پڑھ لے ۔ اس نے کہا دل پریشان ہے ۔ اب یہاں رہنے کو جی نہیں چاہتا ۔

۳۷۸ وہ بے چارہ سچا تھا ۔ ایک طرف تو حضرت کے اندر کی بیتابی اور پریشانی کا عکس[1] اس پر تھا ۔ دوسری طرف میرے الفاظ سے نمک کا کام ہوا تھا ۔ کہ ایک زخم دوسرا نمک ۔ میرا دل بھی بھر آیا ۔ میں نے اس سے نرم مزاجی شروع کی ۔ اور وعدہ کیا ۔ کہ کل انشاء اللہ تعالےٰ پھر تمہیں نیاز حاصل کراؤں گا ۔

۳۷۹ اگرچہ حضور قبلہ کی خدمت میں دنیاوی[2] دعا کی عرض بہت مشکل تھی ۔ اور دعا کا لفظ سن کر آپ سخت پریشان اور آشفتہ ہو جاتے تھے ۔ تاہم اپنے نیازمندوں کی التجاؤں پر پوری توجہ ہوتی تھی ۔ مہر نواب[3] خاں جو ہمارے علاقہ کا ایک بڑا زمیندار اور مرتضوی لنگر کا نہایت خدمت گذار تھا ۔ اسے ایک زمینداری مقدمہ در پیش آگیا جس کا فریق ثانی ایک بڑا زبردست ٹوانہ تھا ۔ مجھے کئی بار اُس نے کہا ۔ کہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی توجہ کے بغیر یہ مشکل حل ہوتی نظر نہیں آتی ۔ وہ اسی غرض سے میرے ہمراہ تھا ۔ گو میں آپ کے نازک مزاج سے پورا واقف تھا ۔ لیکن اس کی اخلاص مندی اور حضور قبلہ کی ذرہ نوازی بے انتہا کی وجہ سے اسے اپنے ہمراہ لے گیا ۔ اور حاجی صاحب اور خواجہ دین محمد صاحب کی معرفت عرض کی گئی ۔ اور آں قدوۃ السالکین[4] نے بھی اس مخلص کو قدمبوسی سے شرفیاب

۱؎ کامل شیخ کی ہر ادا منجانب اللہ ہوتی ہے اور عکس ریز حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حالت پر پریشان ہوئے تو وہ بھی پریشان ہو گیا اور اس کا پریشان ہونا ضروری ہو گیا ۔

۲؎ کامل شیخ فانی فی اللہ ہوتا ہے اور دنیا کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے ۔ یہ چند روزہ قیامگاہ ہے ۔ گذشتنی اور گذاشتنی ہے اور چونکہ کامل کی توجہ قلب اور قلب کی اصلاح پر ہوتی ہے اور یہی ایک چیز باہر کہیں نہیں ملتی اس لیے جتنی زیادہ سے زیادہ توجہ دل کی اصلاح پر دی جائے بہتر ہے ۔

۳؎ مہر نواب خاں حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مخلص مُرید اور بونگہ تحصیل سرگودہا کا رہنے والا ۔ اپنے گاؤں کا نمبردار تھا ۔

۴؎ اللہ کا راستہ چلنے والوں کا پیشوا ۔

فرما کر اس کی تسلّی فرمائی۔ بعد جمعہ اس کے لیے رخصت بھی طلب کر لی گئی۔ چنانچہ وہ بعد نماز جمعہ چلا گیا۔

۳۸۰ آپ رح نے شام کے بعد پوچھا کہ ان کے ہمراہ کوئی آدمی ہے؟ جواب عرض کیا کہ نہیں۔ صبح پھر دریافت فرمایا۔ کوئی ہمراہی ہے۔ عرض گذاری گئی کہ نہیں۔ آپ رح نے صبح کھانا طلب کیا۔ اور بالاخانہ پر مجھے کھلوایا۔ اور نہایت محبّت سے رخصت فرما کر حوالہ بخدا فرمایا۔ اور حاجی صاحب میرے ہمراہ کیے گئے۔ لیکن جونہی میں نیچے آیا۔ اور میں نے اپنے تازہ رفیق کو دیکھا۔ تو حاجی صاحب کو اس کا ہاتھ دے کر عرض کیا۔ کہ اسے حضور سے شرفیاب کرلائیں۔ میرے ہمراہ یہ جانے والا ہے۔ حاجی صاحب نے بھی میرے کہے کے مطابق نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ہاتھ پکڑا اوپر چڑھ گئے۔ حضور بوجہ کمزوری لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کی نظر جو پڑی۔ تو دریافت کیا۔ کہ یہ کیا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا۔ کہ اس کے ہمراہ جانے والا ہے۔ پھر کیا تھا۔ حضور سخت بے تاب ہو گئے۔ فرمایا "رات کو بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ صبح کو بھی پوچھا۔ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ پھر کھانے پر بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ رفیق راہ ہے۔ لیکن جواب یہی ملتا رہا۔ کہ کوئی نہیں اب میں اسے کیا کروں۔ دسترخوان پر دو روٹیاں بچی تھیں۔ آپ رح نے ایک اُس کے حوالے فرمادی۔ اور ایک اپنے پاس رکھ لی۔ اور فرمایا۔ بھاگ جا۔ یہ بہت کچھ غنیمت جان۔ سچ کہتے ہیں ؎

تہی دستان[1] قسمت را چہ سود از راہبر کامل
کہ خضر[2] از آب حیوان[3] تشنہ می آرد سکندر[4] را

۱؎ تہی دست ۔ خالی ہاتھ ۔

۲؎ خضر ۴ ۔ حضرت خضر علیہ السّلام، بنی اسرائیل کے وقت کے ایک روحانی کامل بزرگ ہیں جو زندہ وجاوید ہیں۔ پیغمبر یا ولی اللہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو انہی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا ۔ سورۃ الکہف میں ذکر کیے ہے ۔(قرآن کریم پ ۱۶)

۳؎ آب حیوان ۔ زندگی کا پانی ۔ آب حیات ۔

۴؎ سکندر ۔ ذوالقرنین ۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے ۔

۳۸۱ ایک اس کی محرومی دوسری اپنی بے باکی ۔ تیسری حضور کی آشفتہ دلی ۔ اور پریشان خاطری ۔ غرض اتنی ندامت ہوئی ۔ کہ ہمیشہ پھر نادم حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور مور کی طرح آنکھیں قدموں پر رہتیں ۔ اپنی گستاخی پر ندامت تھی اور میں تھا ۔

۳۸۱ الف یہ ندامت محمود ہو ۔ یا مذموم ۔ لیکن درحقیقت جوہر انسانی کے جلا کے لیے ندامت سے بڑھ کر کوئی چیز اور کوئی دوا کارگر نہیں ۔ بلکہ لطف تو تبھی ہے ۔ جب مجھ جیسے کو ہر وقت ہر گھڑی ندامت نہ چھوڑے ۔ اپنے افعال ، اپنے اقوال ، اپنے احوال پر کبھی مطمئن ہونا نصیب نہ ہو ۔ اپنی نیکیاں ، اپنی بدیاں ، تمام کی تمام بدی کی صورت میں نمایاں ہوں ۔

۳۸۱ ب لیکن یہ دولت ہم جیسے گنہگاروں کو نصیب کہاں ۔ یہ کسی بلند ہمت انسان کے نصیب ہوتی ہے ۔ ایک بار حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز فریضہ ادا کی ۔ اور اس کے بعد طبیعت میں اتنا جذبۂ ندامت پیدا ہوا ۔ کہ آپ نے صوفی محمد ابراہیم صاحب سے فرمایا ۔ کہ بھائی ! نماز کے بعد میری یہ حالت ہو گئی ہے ۔ جو کسی کو زنا کے بعد اپنی روسیاہی پر ہوا کرتی ہے ۔ سننے والے حیران ہو گئے ۔ لیکن کسی کو کیا معلوم ۔ کہ وہ کس درجہ پر اپنی نماز کی حقیقت دیکھنا پسند کرتے تھے ۔

۳۸۱ ج یہ ہے حقیقت ندامت کی ۔ ہماری ندامتیں گو کتنی اچھی ہوں لیکن پھر بھی گناہ پر ۔ گناہ پر ندامت کو کون محمود کہے ۔ ہاں کفارہ ہو سکتا ہے ۔ اور اچھا کفارہ لیکن سچ یہ ہے ۔ کہ کامل ندامت تو رحمتِ الٰہیہ کی جان ہے ۔

---

۳۸۱ عام انسان غمی اور خوشی کے چکر میں رہتے ہیں ان کی ندامت بھی دنیوی فروگذاشتوں پر ہوتی ہے ۔ لیکن اللہ تعالےٰ جن کو قلبی بلندیاں عطا فرماتا ہے ان کی بلند قوتیں بھی بیدار فرما دیتا ہے ۔ بلند قوتوں میں ندامت بہت بلند قوت ہے ۔ اور بسا اوقات بغیر ظاہر سبب کے اندرونی جذبے سے بیدار ہو جاتی ہے ۔ ندامت عموماً فروگذاشت پر ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی نیکیوں کی موجودگی میں بھی ندامت آجاتی ہے ۔ اور یہ کیفیت رحمتِ الٰہی کی جان ہے ۔

تربیت ذاتی جلالی[1]

۳۸۲ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ[2] ۔ پارہ دوم رکوع سوم سے آگے پڑھو۔ تو دو آیت کے بعد وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ[3] ۔ آتا ہے۔ جس کا صریح مطلب یہ ہے۔ کہ جو کوئی یادِ الٰہی (سلوک اور مسلمانی) میں پڑتا ہے۔ اس کے لیے ہر موقعہ اور ہر منزل میں امتحانات ہوتے ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر سالک کے لیئے تکالیف (تربیت جلالی) کا آنا ضروری ہے۔

۳۸۳ بہت سے احباب سے سنا گیا۔ کہ وہ کہتے ہیں "کہ جب ہم فقیر صاحب کی خدمت میں جانے لگے۔ یہ تکلیف دور ہو گئی۔ وہ رنج چلا گیا۔ وہ دولت ملی۔ یہ آرام حاصل ہو گیا اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ فلاں درجہ، فلاں مقام تک ہم نے سلوک حاصل کر لیا" تو حیران رہ جاتا ہوں۔ کہ سُنّتُ اللہ کے برخلاف یہ کیا کچھ کہتے ہیں۔

۳۸۴ میرا تو خیال ہے کہ اگر تربیت جلالی نہیں ملی تو وہ سلوک ہی ناتمام ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ تمام کو تربیت جلالی ایک قسم کی دی جائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جتنی تربیت جلالی زیادہ کھائیں گے۔ اتنا سلوک اور فقر بلند پایہ ہو گا۔

۳۸۵ دیکھو جن بزرگوں نے زنگارنگ مصائب دیکھے وہ کتنی بلند پروازی پر چڑھ گئے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ تربیت کا مدار قدرتِ ایزدی نے سالک کی ہمّت[4] اور حوصلہ پر

---

[1] ایسی تربیت جو قدرت سالک کو تکلیفوں میں مبتلا کر کے فرماتی ہے [2] پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو اور کفران (نعمت) نہ کرو۔ [3] ترجمہ آیت: اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے (خواہ) کسی چیز سے آزمائیں۔ خوف سے آزمائیں گے اور بھوک دے کر امتحان لیں گے اور مال و متاع کے نقصان سے اور بندوں کی موت سے تمہارا امتحان لیں گے۔ اور پھلوں (نتائج اور ثمرات) کو برباد کر کے آزمائش کریں گے (اور اے نبیؐ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں جن کو مصیبت آئی تو کہنے لگے ہم اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کا دستور تو یہی ہے کہ ہر اپنے محب کو گونا گوں تکلیفیں دیتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے بعض لوگ محب بھی بنتے ہیں اور بغیر تکالیف ہر طرح کی کامیابیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس راستے میں ناکامیاں اور امتحانات ہیں۔ دنیوی فوائد یا باطنی فوائد کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

[4] مصیبت ہمت اور حوصلہ کی کسوٹی ہے جتنی تکالیف راہِ خدا میں زیادہ ہونگی اتنا سالک کا درجہ بلند ہو گا، قدرت نے تربیت کا مدار سالک کی ہمت پر رکھا ہے۔

فان الهمة تبلغ مبلغ الرجال لا المجاهدات (ہمت ہی مردانِ کامل کے مقام پر پہنچاتی ہے صرف مجاہدات نہیں)

والله تعالى يحب معالى الهمم (اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتے ہیں۔)

رکھا ہے۔ جو شخص ایک من بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے سر پر دو[1] من بوجھ مالک کہاں رکھتا ہے۔

۳۸۶ پھر صاحب ہمت کے ساتھ ہی یہ سلوک جلالی روا رکھا جاتا ہے۔ شاہباز کی آنکھیں سی جاتی ہیں اور اسے بھوک دی جاتی ہے۔ نہ کہ کوّے کی۔ کیونکہ ایک دن اسے بادشاہ کے ہاتھ پر بٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ جب تک وہ یہ محنت اور ریاضت نہ کھائے گا۔ بادشاہ چھوڑ غلام بھی اسے اپنے ہاتھ پر بٹھائے گا۔ اسی طرح گدھے کو بھی کسی نے ریاضت نہیں دی لیکن گھوڑا ہے۔ کہ گھنٹوں دوڑایا جاتا ہے۔ اچھالا جاتا ہے۔ بعض وقت جان تک اُس کی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ مگر برابر دم نہیں ہارنے دیتے۔ کیوں؟ اس لیے۔ کہ کسی دن دنیا میں انمول کہلائے۔ شاہ پسند کرے خلق اللہ دیکھے۔ یہی حالت بندۂ خدا کی ہے۔ کہ ریاضت شاقہ دے کر اسے صاحبِ حوصلہ[1] بنایا جاتا ہے بلکہ دنیا کی سب سے بلند مصیبت سے اسے واسطہ دے کر اس کا امتحان کیا جاتا ہے۔ اسی امتحان پر اس کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اگر حوصلہ ہار گیا۔ تو کوڑی سے بھی گئے اور ہمت بلند رہی، تمام دنیاوی تکالیف زیر کر لیے، اور خود بلند[2] ہو گئے۔ تو تمام دنیا سے کامیاب ہو کر حقیقی مالک کی درگاہ میں جا ٹھیرے۔ دنیا زیر ہو گئی۔ اور خود زبر ہو بیٹھے۔ پھر جو چاہے۔ سو کرے۔ جو مانگے وہ حاضر۔ ہمیشہ کی کٹھن دُور ہو گئی اُولٰٓئِكَ[3] عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۝ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ کا پروانہ مل گیا۔

۳۸۷ اکثر پست ہمت ذرہ سی تکلیف، ذرہ سی مصیبت پر چلا اُٹھتے ہیں۔ اور کیا کرتا

---

[1] ہر چیز کے حصول اور مقامِ بلند کے لئے بعض قوتیں مخصوص ہیں۔ فلسفہ کے کمال کے لئے خاص ذہن کی ضرورت ہے۔ فوجی افسر بننے کے لئے خاص ہمت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قربِ خدا کی بلندیوں کے لئے ایک خاص قسم کا حوصلہ ضروری ہے کہ ہر مصیبت کو برداشت کر جائے۔

[2] کامیابی کے درجے کا بیان ہے کہ جس نے تکالیف کو زیر کر لیا خود بلند تر ہو گیا پھر اسے ہر طرح کی کامرانی مل گئی۔

[3] تربیتِ جلالی کے بیان کے شروع میں آیت ولنبلونکم کا اختتام یہ ہے۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔ ترجمہ: آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جن پر مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں اور انہی کو ہدایت کا نور حاصل ہے۔

ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں۔ اور ایسے بھاگتے ہیں۔ کہ پھر قرب[1] و مدارج کا نام تک نہیں لیتے۔

۳۸۸ بچپن میں سنتا تھا کہ اولیاء اللہ ہر وقت تیز تلوار کی نوک پر ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری جاہ و جلال دیکھ کر یہ وہم پیدا ہوتا تھا۔ کہ یہ کس تلوار یا کس نیزہ، کس سولی پہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں آکر عقدہ حل ہو گیا۔ کہ قدرت کے مجاری[2]، حکم الٰہی کی قضا کی تلوار سر پہ رکھے ہوئے تجلیات الٰہی کی سولی پر کھیلتے ہیں۔ جان جائے۔ لیکن اُف نہیں۔ بازو کٹے لیکن ہائے نہیں۔ گھر لٹ جائے۔ لیکن پرواہ نہیں۔ تم کہو گے کہ ساری دنیا قضا و قدرت کے زبردست پنجہ کے تھپڑ کھا رہی ہے۔ پھر اُن میں اور ان میں کیا فرق ہے! لیکن غور سے دیکھو تو اتنا فرق عظیم ہے۔ جتنا خدا اور اس کی خدائی میں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اختیار[3] سے سولی چڑھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہم سے امتحاناً کیا جا رہا ہے لیکن دوسرے گروہ اپنے قدموں خود ٹھوکریں کھاتے ہوئے گرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کیوں ٹھوکر کھائی۔ اِس بھوک اور اُس بھوک، اِس تکلیف اور اُس تکلیف، اس مصیبت اور اس مصیبت میں اتنا فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔

۳۸۹ سالک کی بھوک امتحان ہے اور اس کی بھوک نتیجہ۔ سالک کی تکلیف تخم ریزی[4] ہے اور اس کی تکلیف برداشت فصل۔ سالک کی مصیبت دل لگی[5] ہے۔ اور محبت و مہر اور اس کی مصیبت قہر[6] و رنج۔

۳۹۰ دشمن کے وار کے اندر تکلیف ہے اور محبوب کے وار میں لذت کیا خوب کسی نے کہا ؎

---

[1] یعنی پست ہمت سلوک الی اللہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔
[2] مجاری: جاری ہونے کے مقامات (راستے)
وہ راستے جہاں سے بلیّات اور امتحانات آتے ہیں۔
[3] یعنی سالک آزمائش میں ہے اور عامی اپنے کِئے کی سزا میں۔
[4] سالک کو تکلیف اور برداشت کا پھل مِلنے والا ہے۔
اور عامی کی تکلیف اس کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔
[5] یعنی محبوب کی محبت کی ایک ادا۔
[6] عامی پر اظہار ناراضگی اس طریقے سے کیا جا رہا ہے۔

نہ بھُولا ہوں نہ بھُولوں گا حشر تک میں کبھی دل سے
مزے جو جو ارے قاتل! تری تلوار میں آئے

۳۹۱ ہر ایک آدمی اپنے مشرب کے مطابق اس ذات جلّ وعلا کو جانتا اور دیکھتا ہے۔ لیکن سالک تو اس کو اپنا محبوب ہی جانتا ہے۔ اور بس اس کی ہر ادا[1]، اس کی ہر شان پر فریفتہ۔ اللہ اکبر۔ جو مہر، یا بے مہری اس سے کی جائے اس میں اپنی سعادت ابدی جانتا ہے اور اس سے شادکام رہتا ہے۔ تلخی، زشتی سب اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ وُہ ایسا ہی یکہ اور جُدا ہو بیٹھتا ہے۔ جیسے اس کا محبوب تمام عوارض سے جدا اور پاک ہے ؎

۳۹۲ ہر چہ آید[2] در نظر از خیر و شر
جملہ ذات حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سما و لامکاں
اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں

افسوس کہ میں اُن خوش قسمت لوگوں سے نہیں۔ جو اوّل درجہ کے نمبروں میں آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی شکر ہے۔ کہ سرے سے معطّل ہی نہیں چھوڑا گیا۔ ورنہ ہمیشہ کا خسران سر پر ہوتا میرا ایمان ہے کہ جو کچھ روا رکھا جاتا ہے۔ یہ میری بہتری کے لیے ہے ظلم نہیں۔ بلکہ عنایت ہے۔ یہ سختی[3] نہیں۔ بلکہ رحم ہے لیلیٰ نے مجنوں کا برتن توڑ دیا تو وہ ہنسنے لگا۔ لوگوں نے کہا ہنستا کیوں ہے؟ کہا! وہ جانتی تو ہے اور محبت کی وجہ سے یہ سلوک کیا۔ ورنہ کسی دوسرے کا بھی تو برتن توڑتی۔ آہ سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ اسے غریق رحمت

---

[1] جب سالک اپنا ہر معاملہ اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا محبوب ہے تو ضَرْبُ الْحَبِیْبِ لَبِیْبٌ (محبوب کی ضرب بھی پسندیدہ ہے) کے مصداق محبوب کی طرف سے آئی ہوئی تکالیف بھی سالک کو محبوب ہیں۔

[2] خیر اور شر کی قسم سے جو چیز بھی سامنے آئے۔ وہ دراصل ذاتِ حق ہی ہے۔ وہی زمین میں ہے وہی آسمان میں ہے اور لامکان میں ہے۔ وہی ہر ذرّہ میں ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے۔

[3] محبت میں تلخی بھی شیرینی ہے۔

فرماوے ۔عشق اسے ہی کہتے ہیں ۔ اور محبت صادقہ اسی کا نام ہے ۔

۳۹۳ جلالی تربیت بھی پھر کئی قسم کی ہے ۔ ایک وہ جس میں کسی بندہ کو دخل نہیں ۔ بلکہ براہ راست مصائب مسلّط کر دیئے گئے ۔ جیسے بیماری اور بھوک ۔ دوئم وہ جس میں واسطہ ہے اور کسی دوسری ہستی سے تربیت کرائی جاتے ۔ یہ رتبہ میں بلند ہے ۔ پھر اس کے بھی دو قسم ہیں ۔ پہلی قسم یہ ہے ۔ کہ غیر سے دکھ اور رنج پہنچایا جائے ۔ دوسری وہ ۔ کہ یگانہ سے رنج[1] اور تکلیف دلائی جائے پھر یگانے بھی کئی قسم کے ہیں ۔ سب سے لطیف تر وہ تربیت جلالی ہے جو عزیز ترین اور محبوب ترین ہستی سے دلائی جائے ۔ جیسے مجنوں کو لیلیٰ سے ۔ مرید کو پیر سے ۔ عاشق کو معشوق سے ، یہ تربیت اکسیری حکم رکھتی ہے ۔ ہر ایک کی قسمت میں یہ سودا نہیں ہوتا ۔ جو اس تربیت میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔ وہ منزلِ مقصود پر آناً فاناً جا پہنچتا ہے حضرت بُلّھے[2] شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی سوزانہ طبیعت ہی اس جوہر گرانمایہ کے لائق تھی کہ سیّد ذات ہو کر آرائیوں کے گھر جا ناچے اور زبان زبان پر بُلّھا ، بُلّھا ہو گیا ۔ لیکن شاہ عنایت[3] ہیں ۔ کہ آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے آخر منزل پوری ہوئی ۔ تو پیر ، مرید شیر و شکر سے بھی زیادہ مل بیٹھے ۔ حضرت[4] اللّٰہی قدس سرہ کے کئی ایک خلفائے نامدار تھے ۔ لیکن یہ دولت سوائے ہمارے حضرت جدّ امجدؒ[5] کے کسی کو نصیب نہ ہوئی ۔ پیر ہے ۔ کئی بار برأت نامے (خطوط بیزاری) لکھتا ہے ۔ لیکن مرید ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ پُر از اخلاص ہوتا جاتا ہے وہ دھتکارتا ہے ۔ تو یہ بڑھتا ہے ۔ آخر وہ دن آ گئے ۔ کہ تمام یگانوں سے بڑھ کر قربِ حقیقی پر جا سجدہ گزار ہوئے ۔ اللہ اللہ اور اپنے پیر سے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو بیٹھے ۔ مجازی قرب کے دعویدار پیچھے رہے ۔

---

[1] محبوب کی طرف سے ہمیشہ ٹھنڈی ہوا پہنچتی ہے اور دل ہمیشہ عنایات کا منتظر رہتا ہے لیکن جب قدرت کو کسی سالک کا امتحان مقصود ہوتا ہے تو قدرت ہی محبوب کی آنکھیں پھیر دیتی ہے اسباب ہی ایسے بن جاتے ہیں کہ شفقت کی نگاہیں غصہ سے بدل جاتی ہیں مہر و محبت کا جواب سختی اور غضب سے ملتا ہے "رجائے ماندن نہ پائے رفتن" ایسی حالت میں زمین کی فراخی تنگ ہو جاتی ہے اور زندگی زہر کا گھونٹ بن کے رہ جاتی ہے ۔ ایسی صورت میں سالک صبر و تحمل سے کام لے اور رحمتِ الٰہی کا منتظر رہے تو پھر لیل و نہار بدل جاتے ہیں ۔ سالک کا کام بن جاتا ہے اور پھر محبت کا دور پھر شروع ہو جاتا ہے [2] حضرت بلھے شاہؒ مشہور بزرگ ہیں جذب کا غلبہ تھا انکے حقائق اشعار کی صورت میں عام ہیں قصور شریف میں مزار مبارک زیارت گاہ خواص و عوام ہے [3] حضرت شاہ عنایتؒ حضرت بلھا شاہؒ کے پیر و مرشد ہیں آپ ارائیں تھے ۔ پیر و مرشد ناراض ہو گئے انہوں نے انکو خوش کرنے کے لئے بہت حیلے کئے جن میں ایک حیلہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ پیر کے سامنے ناچے پھر حضرت نے ان کی اس نفسی قربانی سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا (شاہ عنایتؒ کی قبر مبارک لاہور میں چڑیا گھر کے پاس ہے) [4] حضرت غلام نبی للّٰہیؒ آپ حضرت غلام نبی قصوری حضوری رح کے جلیل القدر خلیفہ تھے اور ہمارے حضرت خواجہ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت علمی و باطنی حضرت للّٰہیؒ نے فرمائی [5] حضرت غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت عام دیکھ کر بعض حاسدوں نے غلط باتیں کہہ کہہ حضرت علی للّٰہیؒ کو حضرت سے ناراض کر دیا لیکن حضرت پیر بلویؒ پوری نیازمندی سے دعویٰ غلامی پر قائم رہے اور کامل استقامت کا ثبوت دیا آخر حضور للّٰہیؒ حقیقت سے آگاہ ہوئے اور پیر و مرید باہم شیر و شکر ہوئے ۔

۳۹۴ خود حضرت قبلہ مرشدم حضرت میاں صاحبؒ کے حصّہ میں یہ دولت آئی تھی حضرت بابا سلطان امیر الدین صاحبؒ نے آپ سے برأت ظاہر کی۔ آپ کے اخلاص کو عدم نیاز پیر پرستوں نے ظاہر کیا۔ پیر و مرشد نے علی الاعلان ناراضگی فرمائی۔ لیکن بندگان نیاز حقیقی کب مٹنے والے تھے۔ پہلے سے زیادہ سر اخلاص قدموں پہ جا رکھا آخر پیر رحم کھا گئے اور ایسے بغلگیر ہوئے کہ دوسرے کی گنجائش نہ رہی۔ رہروانِ منزل نے اقرار کیا کہ ؎

ما و مجنوںؑ ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۲؎

قدرت حقہ نے میری فطرت میں سوز کا مادہ بہت کم رکھا ہے۔ اور اس دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک آوارۂ دشت پریشانی ہوں۔ اگر یہ ایک جوہر دولعیت میری فطرت میں رکھا ہوتا۔ تو میرے تمام گھاٹے پورے ہوتے۔ لیکن پھر بھی شاکر ہوں۔ جو کچھ بھی ہے عین مصلحت نامہ ہے۔ اس لیے قدرت نے مجھے اس آخری تربیت سے سرفراز نہ فرمایا۔ بلکہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی تمام توجہ جمالی ہی رہی۔ جیسا کہ کہا گیا۔ اور تربیت جلالی (محبوبِ حقیقی نے) اپنے ہاتھ سے فرمائی۔

۳۹۵ بچپن سے ہی تکلیف اور مصائب اٹھانے کا خوگر کر لیا گیا تھا۳؎۔ دادا صاحبؒ کے گذرنے کے بعد چھ مہینے کے اندر ماں نے دامن محبت سمیٹ لیا دو سال نہ گذرنے پائے۔ کہ ریعانِ جوانی۴؎ میں چھوٹے بھائی زبیر۵؎ اماں جان کے ملنے کے لیے چلے گئے۔ پھر دو سال گذرے

۱؎ محبت کی کتاب میں میں اور مجنوں ایک ہی سبق پڑھتے تھے۔ وہ جنگل میں چلا گیا اور ہم گلی کوچوں میں رسوا ہو کر پھرتے ہیں۔

۲؎ اور اسی کی کبریائی ہے۔ زمین میں اور آسمانوں میں اور وہ غلبے والا ہے اور حکمت والا ہے۔

۳؎ یعنی مصائب آئے، بیماریاں آئیں، جانوں کا نقصان ہوا۔

۴؎ شروع جوانی۔

۵؎ حضرت قبلہ و کعبہ محبوب الٰہی مرشدنا مصنف مدظلہٗ کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ محمد زبیر صاحبؒ

توجہ عالم حافظ محدّث حکیم برادر معصوم[1] چلے گئے اور بازو ہمت ٹوٹ گیا۔ پھر والدہ[2] بشیر وغیرہ نے الوداع کہا۔ ازاں بعد تیسرے سال کے اندر حضرت قبلہ والدم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی سایۂ مہر و محبت اٹھاتے ہوئے چتر والد بزرگوار کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۞

۳۹۶ رنج و تنہائی سہی لیکن بہل جاتا ہے دِل
کچھ تمہاری یاد سے کچھ نالہ و فریاد سے

اس رنج و غم کے علاوہ علالت طبیعت نے بھی پورا پورا ساتھ دیا۔ اور جہاں دل ہجوم غم کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ وہاں جسم بھی اپنی امراض[3] کی وجہ سے کمزور ہو گیا یہ دورِ اوّل ہے۔ جس کی تفصیل دکھانا میں ضروری خیال نہیں کرتا۔ اس کے بعد دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ جو حلقۂ[4] غلامی کے بعد سے گنا جاتا ہے۔ گو اس کی پوری تفصیل نہیں دکھائی جا سکتی۔ تاہم کسی قدر تفصیل کے بغیر کام نہیں چلتا۔

۳۹۷ پہلی قدمبوسی کے بعد گھر آیا۔ کوئی ایک مہینہ یا دو مہینے گذرے ہوں گے۔ کہ بیمار ہو گیا۔ اور تمام جاڑے بیماری میں گذارے۔ شوال ۱۳۴۳ھ میں دوبارہ حاضر ہوا کئی دن قیام سعادت اندوز رہا۔ اور فیض پور[5] بھی قاری[6] صاحب حضرت کی اجازت سے لے گئے۔ لیکن راستے میں پیٹ میں خلل ہو گیا۔ اور اسہال شروع ہو گئے۔ اور شہر قبور شریف واپس آکر شب کو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد عشاء بلوایا۔ توجہ فرمائی رخصت کیا۔ لیکن بیٹھے بیٹھے بخار بھی ہو گیا۔

۳۹۸ لاہور[7] سے مجھے بچپن سے محبت تھی۔ دلّی بھی رہا تھا۔ اور پشاور[8] کے لطف بھی

---

[1] حضور قبلہ عالم پیر و مرشد دام ظلہٗ کے بڑے بھائی حضرت محمد معصوم صاحبؒ [2] حضور قبلہ عالم کی بیوی پاکؒ حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قبلہ عالم کے بڑے صاحبزادہ صاحبؒ [3] جب کوئی سالک راہِ مولا میں قدم رکھتا ہے تو مصائب کا آنا ضروری ہوتا ہے۔

[4] یعنی کامل کی مریدی کے بعد آزمائش اور امتحان کا دروازہ کھل جاتا ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کامل شیخ سے تعلق مصائب سے نجات کی ضمانت ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ تعلق کھرا کھوٹا جانچنے کا ایک پیمانہ ہے جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جو صبر نہ کر سکا وہ کم ہمت پیچھے دھکیل دیا گیا۔

[5] شہر قبور شریف سے جنوب مغرب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

[6] قاری اللہ بخش صاحبؒ جو حضرت اعلیٰ بیر بلویؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے دوست۔

[7] میرے قبلہ و کعبہ حضرت پیر و مرشد (مصنف) مدظلہٗ العالی تعلیم کے لئے دلی رہے مولینا نذیر احمد صاحب اور مولینا کفایت اللہ صاحب سے بھی آپ نے علم حاصل کیا۔

[8] پشاور اسلامیہ کالج میں سات سال تک حضور قبلہ عالم مدظلہٗ پروفیسر رہے۔ (از ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۹ء)

اساتذہ
دور پروفیسری

اٹھائے تھے۔ لیکن دلی محبّت لاہور سے ہمیشہ رہی۔ اور جب سے حضرت کے ساتھ تعلّق ہوا۔ تو دل اور بھی مچلا۔ آتے جاتے اب تو لاہور کی سیر ہوگئی۔ احباب سے ملا کریں گے۔ اب کے بھی یہ خیال گھر سے لے کر چلا تھا۔ کہ واپسی پر تین چار دن لاہور میں قیام کروں گا۔ گو بخار ہو گیا لیکن ارادہ میں تزلزل نہ آیا۔ تاہم لاہور تک خفیف بخار تھا بلکہ حرارت تھی بازار میں داخل ہو کر کچھ خرید و فروخت کی۔ اور دوپہر کو آرام لینے کے لیے لیٹ گیا لیکن سر رکھنا تھا کہ بخار نے شدّت پکڑی اور اس کڑاکے کا چڑھا۔ کہ الٰہی توبہ، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن[1]۔ اوّل تو لاہور میں کوئی یارِ غار[2] تھا ہی نہیں۔ اور جو تھے وہ بھی ملازم۔ نوکری کا معاملہ ہے، آئے اور گئے۔ پاخانہ ہے تو تیسری چھت پر، حکیم ہے تو چار محلّے چھوڑ۔ رفیق راہ بھی ساتھ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت کی خوشنودی اس میں دیکھی تھی۔ غرض جسم میں آگ لگ گئی۔ معدہ پُر از بلغم۔ اسہال شروع۔ تین دن ایسی مصیبت کی ٹکر۔ آخر چل دیا۔ راستے میں آ کر ایک اور مصیبت واقع ہو گئی کہ کسی نے میری واپسی کی خبر سوہادہ[3] میں کر دی بارہ تیرہ آدمی ملنے کے لیے اسٹیشن پر جا پہنچے۔ گاڑی آئی۔ دیر تک تلاش کرتے رہے۔ چلنے لگی تو مجھے دیکھا ایک بدمعاش ٹی ٹی نے انھیں کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ اگلے اسٹیشن پر اتر جانا۔ جو صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اور خود بھی گاڑی میں ہمارے ہمراہ بیٹھ گیا۔ راستے میں ہمارے دیہاتیوں نے اس کی بڑی عزت کی کھانے کے لیے کچھ پلاؤ دیا۔ وہ کھاتا بھی گیا اور میمو بھی تیار کرتا گیا۔

۳۹۹ گاڑی میں جو بھلے مانس اس کو جانتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بدمعاش لالہ موسیٰ کا کرایہ لیے بغیر نہ چھوڑے گا لیکن دیہاتی حیران تھے۔ کہ اس نے خود کہا ہے اور یہ سب

---

[1] نہ ٹھہرنے کی جگہ اور نہ چلنے کے پاؤں۔ (یعنی سخت مجبوری)

[2] ہمدرد دوست فدا کار دوست۔

[3] تحصیل پھالیہ میں پھالیہ سے جنوب کی طرف دو کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

کچھ اس کی تواضع کر رہے ہیں۔ آخر کار گاڑی ٹھہری۔ اس نے اسٹیشن ماسٹر کو میمو (یادداشت) دے کر میرے ملنے والوں کو دکھایا۔

گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے کہ حضرت[۱] نے مجھے گیارہ روپے چلتے ہوئے دیئے تھے۔ اور میں حیران تھا۔ کہ کیوں دیئے۔ جبکہ ہمراہی قاری صاحب بعد عشاء عنایت کیے تھے۔ تو اس موقعہ پر کام آ گئے۔ دس روپیہ کا نوٹ انھیں دیا۔ تو ان کی خلاصی ہوئی۔ پھر راستے میں ٹکٹ بدلنا تھا۔ اس کے لیے اتنی تکلیف ہوئی کہ الٰہی توبہ! آخر اپنے اسٹیشن[۲] پر پہنچا۔ سواری نہ ہونے کی وجہ سے چھتیس[۳۶] گھنٹے کھڑا کے کی دھوپ جھلستی آگ جیسی لو میں مسافر خانہ ریل میں لیٹنا پڑا۔

۴۰۰ لیکن ساتھ ہی نسبت[۳] اپنی پوری طاقت میں جلوہ نما تھی۔ ہر آن اس کے تجلیات[۴] اور اس کی نیرنگیاں اس کے مظاہرِ قدرت آنکھ میں آتے اور جاتے تھے اور میں محوِ حیرت تھا اچانک اپنے گاؤں کا آدمی مل گیا۔ اس نے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ تمھارے فصلات پر فلاں کس قابض ہونا چاہتا ہے اور یہ تدبیر بنا رکھی ہے۔ غیرت نے جوش کھایا حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمتہ کی روح مبارک کی طرف توجہ اُٹھی۔ اور حضرت قبلہ مرشدم رحمتہ اللہ علیہ کی طرف التجا نے ہاتھ بڑھائے۔ کہ ایسے جد ہوتے اور ایسے پیر ہوتے ہماری یہ ذلت ہو دن گذارا تو اسی خیال میں۔ رات گذری تو اسی دھیان میں۔ صبح دریا پر بہزار دقت پہنچا۔ اور کشتی سے دریا عبور کیا۔ تو سامنے ایک چارپائی پر ایک زنانہ نعش دیکھی۔ جسے گھر لے جا رہے تھے۔ اور بے چاری نے غربت میں جان دی تھی۔ شکر پروردگارِ عالم کیا۔ کہ زندہ جا رہا ہوں۔ اور کہ میری بھی نعش نہیں جا رہی۔ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ[۵]

۱۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ ڈھاک۔ دریائے جہلم کے کنارے ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ بیربل شریف یہاں سے تین میل جنوب کو ہے راستے میں دریا پڑتا ہے۔ تاہم گذشتہ زمانے میں یہی اسٹیشن قریب ترین اور آسان ترین ذریعہ تھا۔ آمد و رفت کا اب بیربل شریف جانے والے شاہ پور صدر میں اتریں یا موضع جھاوریاں میں آئیں۔ یہ دونوں مقام بہت قریب ہیں سواری مل جاتی ہے۔

۳۔ توجہ الی اللہ کا ایک حال ہے جو بہت بلند کیفیات کا حامل ہے۔ اور یہی حال سالک کے پرواز کے پَر بن جاتا ہے۔

۴۔ تجلیات : جمع تجلی۔ روشنی۔ چمک۔ جلوہ۔

۵۔ اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا، کہ کون سی زمین میں وہ مرے گا۔

اَرضِ تَمُوتُ ۔

۱۰۴ گھر پہنچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قابض ہونے والے دوست کا لڑکا کل دوپہر کو تقدیراً نالے پر نہانے کے لیے گیا۔ نالے میں چھلانگ لگائی۔ اور گردن ٹوٹ گئی۔ اور مر گیا۔ اس بات سے یہ بخوبی روشن ہو گیا۔ کہ جب نسبت[1] بلند ہو جاتی ہے۔ تو اس کے آثار بھی بلند اور فوری ہو جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس میں صاحب نسبت کا دخل نہیں جو اپنے آپ میں تکبر پا ئے۔ یا اس پر کوئی الزام رکھا جائے یہ نیرنگئ[2] تقدیر کا مظہر ہے۔ جیسے ایک شیشہ[3] شفاف خیال کرنا چاہیے۔ کہ پرتو کا ظہور دکھا رہا ہے۔ اور بس۔ گو لوگ ایسے صاحبِ نسبت کی بابت دور دور تک گمان اور وہم کرتے ہیں کہ ؎

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود   گفتۂ[4] اُو گفتۂ اللہ بود

الغرض چار مہینے تک اس بیماری نے طول کھینچا۔ خاص و عام کو میرے مر جانے کا یقین ہو گیا۔ بعض حکماء نے مشہور کر دیا کہ اسے دق ہے اور چار ماہ تک اس کا کام تمام ہو جائے گا اکثر دوست کہنے لگے۔ کہ حضرت جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت[5] کا نتیجہ ہے۔ اور عوام میں یہ خیال عام تھا۔ بلکہ بعض خواص بھی ان کے ہمزبان ہو گئے تھے۔ اس کی زیادہ وجہ یہی تھی کہ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ واقعی ایک غیوُر ولی اللہ تھے۔ اور جیسا کہ گذر گیا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمیں شیشہ[6] اور تلوار عنایت ہوئی ہے۔ اور نفس الامر میں یہ بات ٹھیک بھی تھی۔ کئی آپ کے مرید اور بزرگوں کی خدمت میں گئے۔ تو سخت رجعت اٹھائی اور طرح طرح کی مصیبتوں سے تکلیف پائی۔

---

[1] تعلق باللہ کا ایک حال ہے جو سالک میں آتا ہے اور اندر باہر عجائبات کا باب کھول دیتا ہے۔
[2] تقدیر کے عجائبات براہِ راست آتے ہیں لیکن جب سالک میں نسبت جلوہ گر ہوتی ہے تو سالک کی کرامات بن کر یہی عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔
[3] سالک کا دل تزکیہ پا کر شیشے کی طرح ہوتا ہے کہ تجلیاتِ الٰہیہ کا عکس قبول کرتا ہے، تقدیر کے ظہور کا سبب بنتا ہے وغیرہ۔
[4] اس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے منہ سے نکل رہا ہوتا ہے۔
[5] اولیاء اللہ کی طبائع میں مختلف آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ غیرت یعنی غیر مناسب کو ناپسند کرنا اور اپنے تعلق اور لاج کی پاسداری۔ بعض اولیاء اللہ کی یہی خاصیت طبع اتنی نمایاں ہوتی ہے کہ جس کو ناپسند کرتے ہیں اس پر وبال آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور اپنے تعلق اور نسبت ظاہری و باطنی کی حفاظت فرماتے ہیں حضرت اعلیٰ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مبارک کی یہ خاصیت نمایاں تھی۔
[6] شیشہ سے مراد مکمل انکشاف والا پاک دل اور تلوار سے مراد مقابلے میں آنے والے کو تباہ کرنے کی قوت۔

۴۰۲ ایک بار مولوی حکیم محمد عظیم[1] صاحب مرحوم ضلع گوجرانوالہ نے بھری محفل میں بہ مستانہ یہ کلمہ کہہ دیا تھا کہ اگر آپ کچھ عنایت نہیں فرماتے۔ تو کوئی اور تلاش کروں۔ لیکن مجسمۂ غیرت حضرت جد امجد قبلہ علیہ الرحمۃ نے وہ بے دردانہ طمانچہ منہ پر دے مارا۔ کہ دنیا کانپ اُٹھی یعنی فرمایا "کہ نامردوں کی عورتیں غیروں کے پاس جایا کرتی ہیں مرد تو غیر کی طرف نظر بھی اُٹھانے نہیں دیتے حکیم صاحب یہ تماشا بھی دیکھو"

ع نازک[2] مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

۴۰۳ بیچارے حکیم صاحب نے کسی اور امر کے لیے کہا تھا۔ لیکن غیور طبیعت کسی اور طرف چلی گئی۔ الٰہ العلمین ہمیں اپنے اولیاء کرام کی غیرت سے بچائیو۔

۴۰۴ لیکن میں بھی عجیب مخبوط الحواس آدمی ہوں۔ دل میں کہا۔ کہ آج تک بُرے افعال، بُرے حرکات تو کرتا رہا۔ ملازمت کی، وہ پڑھا اور یہ پڑھایا۔ جو آپ کو پسند نہ تھا۔ تو آپ ناراض نہ ہوئے غیرت نہ فرمائی۔ اگر آج ایک ولی اللہ کی خدمت میں گیا۔ جو اپنے وقت کا غوث[3]، اپنے زمانہ کا یگانہ، سنّتِ رسول کا سچا عاشق۔ بدعت و شرک کا اکھیڑنے والا۔ اور حضرت قبلہ جدّ امجد کا ہر وقت ثناخواں[4]۔ جس کا دل اُن کی محبّت اور اخلاص سے بھرپور ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو غیرت آگئی۔ اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین[5]۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حالت یہی رہی۔ کہ ایک بیماری گئی اور دوسری آئی۔ سال بھر سے نو مہینے نہیں تو چھ مہینے تو بلاشک بسترِ علالت پر کٹتے۔ تا اینکہ آپ نے توجہ آخری ۱۳۷۴ھ میں فرمائی اور دریافت فرمایا اور آرام پایا۔ یہ تو تھی جسمانی تکلیف۔

۴۰۵ اب سُنئیے مالی تکلیف۔ پیر لوگوں کی آمدن کا انحصار تعلقات پر وابستہ ہوتا ہے۔

۱؎ مولوی صاحب کوٹ فاضل المعروف ٹھٹھ شمس تحصیل حافظ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کے صاحبزادہ مولوی عبد الحی صاحب حضرت موڑھوی رحمۃ اللہ کے مجاز تھے۔ ان کے دو صاحبزادے مولوی منظور احمد صاحب اور حافظ لطیف احمد صاحب ہیں جو پنڈی بھٹیاں کے قریب رہتے ہیں اور دونوں حضرت قبلہ مرشد کرم (مصنف مدظلہ) سے نسبتِ باطنی رکھتے ہیں۔

۲؎ بادشاہوں کا مزاج نازک بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

۳؎ حضرت میاں صاحبؒ ولایت میں غوثیت کے مرتبہ پر تھے۔

۴؎ حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرتِ اعلیٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور ہمیشہ آپؒ کی تعریف سے رطب اللسان رہا کرتے تھے۔

۵؎ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میں ناسمجھ لوگوں میں ہو جاؤں۔

اور میرے جیسے پیروں کے تعلقات اسی وقت قائم رہ سکتے ہیں۔ کہ آنا جانا رہے۔ مرید جذب ہو کر پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکا۔ تو پیر مجذوب ہو کر مرید کے سر جا کھڑا ہوا۔ چاروناچار روابط کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اچھا بھلا گذارہ چلتا رہتا ہے۔

۴۰۶ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیری دَورہ[1] سے سخت نفرت تھی بلکہ آپ اپنے پیر بابا امیرالدین صاحب علیہ الرحمۃ کی بابت (کہ ان کا دورہ سراسر رحمت ہوتا) احباب سے کہ بیٹھنے تھے۔ کہ بابا صاحب کی یہ بات مجھے پسند نہیں۔ حیا مانع آئی مجھے خود تو نہ فرمایا۔ لیکن قاری اللہ بخش صاحب سے پہلی ملاقات میں فرما دیا۔ "کہ مجھے مریدوں پر جانا پسند نہیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ حضرت صاحب کی مزار کو نہ چھوڑیں۔ سب کچھ ہوتا رہے گا"۔ قاری صاحب نے مجھے بیان کیا۔ میں نے کہا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جو مجھ سے نہ ہو سکے طبیعت پہلے بھی غیور[2] واقع ہوئی ہے۔ احباب کے کہنے اور بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کے طریق کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔ لیکن دل میں خیال آتا ہے۔ کہ پیر ہو کر گھر گھر جائیے!

کام بھی سنورے[3] اور ارشادِ پیر بھی پورا ہو۔ تو پھر مجھے کیا اعتراض۔ اور کیا گنجائش۔ لیکن میرے اس کہنے سے کہ پیر ہو کر گھر گھر جائیے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ اِن پیشوایانِ[4] دین پر طعن ہے۔ جو دورہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وساوس سے بچائے وہ صرف ذاتِ ربّی عزّشانہٗ کی خوشنودی کے لیے۔ اسلام حقیقی کی خدمت کے لیے اور ارشادِ پیر کی تعمیل کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اس میں ذاتی نفع نقصان سے تعلق نہیں اور لوگ بھی ان کے قدم باسعادت کو وسیلۂ دارین، سعادت کونین خیال کرتے

---

[1] دَورہ۔ مریدین کی درخواست پر ان کے ہاں جانا۔ کامل مرشد تبلیغِ دین اور اشاعتِ روحانیت کی غرض سے مریدین کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں لیکن بعض کمزور قسم کے آدمی اس کو ذریعہ معاش اور وسیلہ یافت دیکھتے ہیں اور یہ آخری چیز بہت ناپسند ہے۔

[2] طبیعت غیور ہو۔ اور پھر شیخ کامل کا حکم بھی ہو تو ہر ایسا تعلق جس سے خودی پر ضرب بھی پڑتی ہو آسانی سے چھوڑا جا سکتا ہے۔

[3] فرمانِ شیخ سے کام سنور جاتے ہیں بظاہر گھاٹے کا سودا بھی فی الحقیقت نفع مند تجارت ہوا کرتی ہے۔

[4] بعض مقتدایانِ دین مریدین کی درخواستوں پر ان کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ قبولِ دعوت سنت بھی ہے اور تبلیغ دین کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ لوگ جب ان حضرات کے ساتھ تربیت یافتہ درویشوں اور مریدوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی صورت اور روش سے متاثر ہوتے ہیں اور دین کی طرف راغب۔ اور بعض مشائخ تو اپنے خلفاء کو اس خدمتِ دین کے لئے حکم دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مریدوں کی جانب سے تحفہ تحائف پیش ہوں یا جس قسم کی خدمات بھی ہوں وہ حضرات اس سے بالاتر ہوتے ہیں انکے دَورے اور ان کا قبولِ دعوت سب کچھ للّٰہیت ہوتا ہے اور مریدین کے لئے باعث رحمت و برکت۔

ہیں۔ بلکہ یہ طعن ان پر ضرور ہے[1]۔ جو نفس پروری کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور در در کی گدائی سے پیٹ بھرتے ہیں۔ اور خلق اللہ ان کے گھر آنے کو وبالِ جان سمجھتی ہے۔

کچھ تو دورہ بند ہو گیا۔ کچھ بے تعلقی بڑھ گئی۔ اور پہلی سی طبیعت میں مدارات بھی نہ رہی۔ اپنے حال مست[2] کے پاس کون جائے۔ نتیجہ وہی ہوا۔ جو آپ کی زبان سے اچھلتا ہوا نکلا تھا۔ کہ "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" سے مجھے سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔ "قرض تو نہیں" عسر (اور تنگی) بھی آئی۔ قرض نے بھی آ دبایا۔ جس کے پاس سینکڑوں جمع رہتے تھے وہ سینکڑوں کا قرضدار ہو بیٹھا۔ واہ سبحان اللہ! تیری قدرت۔ لطف یہ کہ جو اپنے ہاتھ سے روپیہ دھکیلتا تھا۔ وہ پیسے پیسے کے لیے آنکھیں پھاڑنے لگا۔

مگر واہ رے طبیعت۔ کہ ذرا[3] نہ بھسمی بلکہ پہلے سے بھی شوخ۔ دل ہے تو شاہد کہ چند دن کی تنگی کھا جاؤ۔ عنقریب عسر (تنگی) یسر سے بدل جائے گا۔ وعدہ[4] الٰہی برحق اور زبان بھی[5] قاطع۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جمع بھی تیرہ سو تک پہنچی تھی اور قرض بھی تیرہ سو تک پہنچ کر ٹھیر گیا اور ساتھ ہی قبلہ مرشدم بھی ہم سے ہمیشہ کے لیے سایہ اٹھا گئے۔

۴۰۔ مرزا جانجاناں[6] رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ ہمیں تنگی اتنی پہنچی کہ کھانے کے لیے کچھ میسّر نہ ہوتا تھا اور دستِ سوال دراز کرنا طریقت کے برخلاف تھا۔ آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ مرنا تو ہے لیکن رسوا ہو کر کیوں مریں۔ دروازہ حجرے کا بند کر کے میں بیٹھ گیا اور دل سے عہد کیا۔ کہ اگر اب کوئی دے گا بھی تو نہیں لوں گا۔ تین چار دن اسی فاقہ مستی

۱؎ بعض کم ہمت یا بے تربیت لوگ جو کسی وجہ سے عوام کے مقتدا بن جاتے ہیں اور ان میں خدمتِ دین کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ اور محض مفاد و اغراض سامنے ہوتے ہیں وہ خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اپنے سلسلے کو بھی بدنام کرتے ہیں۔

۲؎ سالک اپنے حال میں مست ہو تو لوگ اس کی بے توجہی اور بے نیازی سے بے توجہی کا اثر لیتے ہیں اور قریب کم آتے ہیں۔

۳؎ فضلِ خداوندی شاملِ حال ہو مرشدِ کامل کا حال مرید پر اثر انداز ہو جائے اور طبیعت مستعد اور صابر ہو تو مصائبِ آفاقی و انفسی کے لیل و نہار آسانی سے کٹ جاتے ہیں اور طبیعت میں شکست کے آثار نہیں آتے۔

۴؎ وعدہ الٰہی سے مراد فان مع العسر یسرا بیشک تنگی کے ساتھ آسانی۔

۵؎ زبان قاطع سے مراد حضرت میاں صاحبؒ کی زبان مبارک کہ ع "گفتۂ او گفتۂ اللہ بود" کا مصداق ہوتی تھی۔

۶؎ مرزا جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی سلسلے کے اکابرین سے ہیں ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ قبر مبارک دہلی میں ہے۔

میں نہایت استقلال سے کٹ گئے۔ چوتھے پانچویں روز ایک آدمی نے دستک دی لیکن میں نے کوئی آواز نہ دی۔ بلا بلا کر جب تھک گیا۔ تو کواڑ کی دراز (سوراخ) سے ایک روپیہ اندر پھینک دیا۔ اُس دن کے بعد پھر ایسی تنگی کبھی نہیں آئی۔ بلکہ وسعت سے دہتا ہے۔ گویا یہ آخر گھاٹی تھی جس کے سرے پر پہنچکر اترائی شروع ہونی تھی۔

۴۰۸ یہ یاد رہے۔ کہ جتنی بلندی (عُسر) زیادہ ہوگی اور جتنی تکلیف[1] اور دکھ سے بلندی پر پہنچیں گے اتنی پستی (یسر) زیادہ ہوگی۔ اور اترنے (عیشی زندگی) میں آرام چنانچہ آخر مرزا علیہ الرحمۃ کو اپنے خواص کی اس التجا پر (کہ میں شاہی وظیفہ آپ کے لیے مقرر کرتا ہوں) کہنا پڑا ؎

ما آبروئے[2] فقر و قناعت نمی بریم
با میرزا بگوئے کہ روزی مقدر است

۴۰۹ سو میں کوئی بلند پرواز نہ تھا۔ تیرہ سو پر جا کر ہماری زندگی) اور چڑھائی ختم ہوگئی۔ اب دو سال سے اسی چٹان پر آرام سے پڑا ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دل چاہتا[3] ہے کہ اور بلندی (زندگی) ہوتی تو، اور منازلِ[4] عُلوی طے کرتا۔ لیکن آہ حوصلہ ہار گیا۔ تیرہ سو کی بلندی کوئی زیادہ بلندی نہیں۔ جو امتیاز کے قابل ہو۔ میرے پیر و مرشد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بلندی کی آخری انتہا کو عبور فرمایا۔ کہ نظر اٹھا کر بھی دیکھیں تو دل لرز جاتا ہے۔ بعض خواص سے سنا ہے۔ "کہ گھر بھر میں صرف ایک گھوڑی رہ گئی تھی لیکن وہ بھی شہر قصور کے خواجگان نے نیلام کرالی۔" ایک سو روپیہ قرضہ پدری ادا کرنے کے لیے آپ کے چچا صاحب نے کسی آپ کے دوست کو لکھا۔ کہ کوئی اللہ کا بندہ اور حضرت کا مخلص ہمت کرے تو یہ قرضہ

---

[1] تکالیف و مصائب کا مجاہدہ طبع سالک کو بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔
؎ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے۔
عُسر اور یُسر متقابل صفات ہیں جتنا عُسر زیادہ ہوگا اُتنا ہی یُسر زیادہ ہوگا۔

[2] ہم فقر اور قناعت کی آبرو ضائع نہیں کرتے۔ مرزا سے کہہ دو کہ رزق (ہر شخص کا) مقرر ہے۔

[3] سالک کا حوصلہ جتنا بلند ہوگا اتنی طلب کی بلندی زیادہ ہوگی۔ اور مصائب کیوجہ سے عدم سیری تو حوصلے کی انتہا ہے۔
؎ نہ بود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔ سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
؎ کاش برمن فتند نہ بر توسن ۔ دمبدم زخم تازیانۂ تو

[4] بلند مقاماتِ فقر و تصوف۔

ادا کیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب برکت، صاحب حوصلہ گورۂ قصور نے ہمّت کی (اللہ تعالیٰ اسے برکت دے) لیکن قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس تکلیف اس ذلّت اس تنگی سے ذرا بھر بھی پروا نہ ہوئی۔ اور جیسے شیر تھے ویسے ہی شیر بیشۂ وحدت[1] رہے اور عرفان کے جنگل میں دہاڑتے رہے اللہ اکبر استعدادِ[2] بلند اسے کہتے ہیں۔ معلوم نہیں۔ لوگ استعداد کے کیا معنے لیتے ہیں۔ اور اپنے زُعم باطل میں کیا بنائے پھرتے ہیں۔

۴۱۰ یہ قرضہ ساہوکارانہ نہ تھا۔ برادری کا تھا۔ جو نہ ادا ہونے کی وجہ سے ہزاروں طعنے دیتے۔ لاکھوں باتیں سناتے تھے یہ خیال نہ کرنا کہ آپ کی طبیعت غیور نہ تھی۔ بلکہ استغراق[3] فنائیت اتنا موقعہ نہ دیتا تھا۔ کہ اس طرف آنکھ بھی اُٹھے۔ ورنہ بشر تھے۔ کیوں نہ گھبراتے اور کیوں نہ "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ"[4] کے مطابق تنگیٔ سینہ پیدا ہوتی۔ ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک بار شیر سامنے آگیا۔ پریشانی تک ظاہر نہ کی۔ دوسری بار کتے سے بدکنے لگے۔ کسی نے سبب پوچھا۔ فرمایا پہلی دفعہ میں نہ تھا[5] کہ میں اس سے ڈرتا اور دوسری دفعہ میں تھا۔ کیوں نہ اس سے خوف کھاتا۔

۴۱۱ اے دوست یہ باتیں میں اس لیے لکھ رہا ہوں۔ کہ تم سمجھ جاؤ۔ کہ حوصلہ کا ہارنا، اور حوصلہ کا قائم رہنا۔ سالک کے اختیار میں نہیں۔ بزدل کو ہزار شیر دل بناؤ۔ وہ شیر دل نہیں ہو سکتا۔ اور شیر دل کو ہزار قصے خوف اور مصائب کے سناؤ۔ وہ بزدل ہو کر رُک نہیں سکتا۔ تو خود[6] کچھ نہیں۔ جو اترائے۔ بلکہ تیری شاہ زوری کا دارومدار اُس کی طاقت[7] پر ہے۔ ایک بادشاہ کا کمزور نوکر کس رعونت اور شیر دلی سے بولتا ہے۔ اور ایک توانا طاقتور پست ہمّت کیسے عجز ظاہر کرتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[8] کا معاملہ

۱ے توحید کے جنگل کے شیر۔

۲ے استعداد۔ قابلیت۔ کسی کمال کو حاصل کرنے کی قوت فقر کی استعداد یہ ہے کہ حوصلہ اور برداشت زیادہ سے زیادہ ہو اور مطلوب کی طرف مشغولیت ایسی ہو کر باقی احوال کیطرف نگاہ نہ اُٹھے۔ خواہ وہ احوال مثبت ہوں خواہ منفی ۳ے استغراق۔ انوار باطن کی جستجو میں ایسی محویت کہ حواس ظاہر معطل ہو جائیں فنائیت: شعور کا اسباب ظاہر سے اُٹھ جانا اور کسی رنج وغم کا محسوس نہ ہونا ۴ے اور البتہ تحقیق ہم جانتے کہ اُن کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

۵ے نسبت کے غلبے سے اَنا کا احساس جاتا رہا تھا۔

۶ے نسبت کی قوت ہوتی ہے جو بندے میں آکر اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔

۷ے وہاں بھی تعلق ہے اور بادشاہی نسبت پر وہ اترا رہا ہے۔

۸ے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جس کو چاہے عنایت فرمادے۔

ہے اور بس۔ مدار علیہ[1] تعلق (نسبت) شاہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے جبروتی طبیعت ہوتی ہے اور اس تعلق کے نہ ہونے اور ربط کے ٹوٹ جانے سے بشری طبیعت لوٹ آتی ہے اور بشری خواص کا مرکز سالک ہو جاتا ہے۔

۴۱۲ مجھے خوب یاد آتا ہے کہ اس فرضہ سے دل تنگی ہوئی تھی۔ لیکن جب تیرہ سو تک نکل گیا۔ تو پاؤں نے لغزش کھائی۔ دل میں شکر آنے لگا۔ رب العزت کے دربار میں التجا کرنے لگا۔ لیکن ابھی پورا نہیں مارا۔ بلکہ دونوں کنارے برابر نظر آ رہے ہیں۔ اور یاس و امید[2] کے نقطۂ وسط میں کھڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ لغزش نہ دے آمین ثم آمین۔

۴۱۳ اب خوف کا قصہ سنیے۔ روزِ اول سے طبیعت آزاد[3] ملی ہے۔ اور کسی جابر کے زیر ہونا پسند نہیں کرتی۔ لیکن چچا صاحب ہیں کہ ان کی طبیعت میں حاسدانہ اور جابرانہ[4] مادہ زیادہ ہے۔ وہ ہر پہلو دوسروں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں متضاد فطرتوں نے مل کر تمام خاندان کو تباہ اور خاک سیاہ کر دیا۔ جب سے ملازمت چھوڑ کر گھر آیا تو آپس میں وار چلنے لگے۔ اور ہر وقت ان کے داؤ اور گھات سے خوف رہا۔ کبھی کبھی جوش میں آکر کہلا بھیجتے تھے کہ اس کا کیا ہے۔ اس کے چچا (بڑے چچا رحمۃ اللہ علیہ) کا کیا ہے۔ کسی دن کام کر دوں گا۔ یہ ہی قبلہ تھے کہ میری بابت حکم فرما دیا تھا کہ چار مہینے کے اندر چلا جائے گا۔ آپ کی بدولت مسجد خانۂ خدا اکھاڑا بنی۔ اور آپ کی برکت سے دارالافتاء بیربل[5] ویران ہوا۔ میں ایک نہیں۔ دنیا ان کی دشمن۔ بندہ بندہ ان کا خونخوار لطف یہ ایک طرف میرے مکان گرانے کے لیے طغیانی کے پانی کا بند جوان کی زمین کے سر پر تھا توڑ دیا۔ اور اڑھائی گز سے زائد ٹکر کھانے کی وجہ سے گھر اگر ڈھا دیوار کے ساتھ پڑ گیا۔ اور بنیاد خالی ہو گئی۔ لیکن کام کیا تو یہ کیا۔ کہ حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

---

[1] مدار علیہ۔ جس پر دار و مدار ہو۔

[2] اُمید اور نا اُمیدی کے بالکل درمیان ہیں۔

[3] سب سے پہلا فیض الٰہی جو کسی سالک پر ہوتا ہے وہ طبع کا فیض ہے طبیعت بلند ہو۔ اور خود دار ہو، شرافتِ بشری کے تقاضے پورے ہوں تو فقر کے تخم کو قابل زمین مل جاتی ہے اور خوب پھلتا پھولتا ہے۔ [4] بعض طبائع میں برتری تو ہوتی ہے لیکن اس کی افتاد آسمانی بلندی کی طرف نہیں زمینی جذبات کی حامل ہوتی ہے۔ وہ مادی قسم کا تفوق چاہتی ہے اور اس کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔ [5] حضرت اعلیٰ بیربلوی کے وقت اور آپ کے بعد بیربل شریف جہاں فقر و تصوف کا مرکز تھا وہاں علم کا بھی مرکز تھا۔ ہزاروں علما یہاں سے فیضیاب ہو کر گئے اور دُور دُور سے فتویٰ حاصل کرنے کو لوگ آتے اور شرعی فیصلوں کے طالب پہنچتے۔

ایک خط لکھ دیا۔ کہ بڑے بھائی اور برادر زادہ محمد عمر میرے سخت مخالف ہیں۔ اور لوگوں کو میرے برخلاف اُکساتے ہیں۔ حضرت قبلہ والدم کے بعد یہی آرزو ہے کہ اس آستان کو نہ چھوڑوں۔ آپ بزرگ ہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس آرزو میں کامیابی بخشے۔

۴۱۴ حاضرِ دربار ہوا۔ تو آپ نے فرمایا ہے۔ کہ تمھارے چچا صاحب کا خط آیا تھا۔ لیکن میں خوب ان کو جانتا ہوں۔ حضرت صاحب جب لاہور بادشاہی مسجد میں تھے۔ تو وہ بھی ہمراہ تھے۔ سر پر شیشہ دار ٹوپی تھی۔ لیکن حضرت صاحب کے سامنے نہ ہوتے تھے۔ بلکہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر چلے جاتے۔ خیر میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن پھر بھی حضرت صاحب کی اولاد میں۔ تم ہی درگذر کیا کرو۔ اور عزّت سے پیش آیا کرو۔

چچا بزرگوار کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ میرے پاس یا ان کے بڑے بھائی صاحب اور ان کے صاحبزادہ کے پاس کوئی نہ بیٹھے۔ اور گاہے کسی کو دیکھ پاتے۔ تو نہایت انکسارانہ لب و لہجہ سے ہمارے عیوب دکھا کر اپنے تعلّقات بزرگانہ اپنی شفقاتِ پدرانہ سُنا کر التجا کرتے تھے۔ کہ بس تم ہمارے ہو رہو۔

۴۱۵ یہ باتیں جو میں لکھ رہا ہوں۔ بیرل کے آنے جانے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور نہ ان کی یہ غرض[1] ہے۔ کہ ان کی برائی بیان کر کے اپنی بلندی اور علوّ ہمتی ظاہر کی جائے۔ بلکہ ایک خاص پہلو آیہ شریف کے مصداق دکھلانے کے لیے جو مجھے پیش آیا۔ ظاہر کر رہا ہوں۔ کہ سالک کو ایسے اُمور سے واسطہ پڑتا ہے۔ آخرش میرے ایک رفیق نے خود بخود بلا اطلاع دیئے مجھے حضرت قبلہ کی خدمت میں شکایت کی۔ اس وقت میری عجیب بیکس حالت تھی۔ اور عزیز عابد مرحوم کو گذرے کوئی بیس دن ہوئے تھے۔ کہ تنگ دل ہو کر اپنے ماویٰ و ملجا کے پاس چلا گیا۔ چونکہ عزیز مرحوم کی شادی چچا صاحب

---

[1] سالک کو قدرت بڑے سخت شکنجوں میں پھینچتی ہے اور ہر قسم کی ظاہری باطنی تکالیف سے دوچار کرتی ہے۔ یہاں ہمت اور حوصلہ کی بلندی دیکھنا مطلوب ہوتا ہے اور اہل و نااہل جانچنا۔ فقر کے لیے جو لوگ موزون ہوتے ہیں۔ وہ حوصلہ نہیں ہارتے اور دوسرے کچھ برداشت نہیں کرتے۔ جو برداشت نہیں کرتے وہ اپنے مقام سے گر جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم مرشدنا دام ظلہٗ (مصنف) فرماتے ہیں:
"حوصلہ فقر کا تاج ہے"۔

کے گھر ہوئی تھی۔ اس لیے اس موقعہ پر چچا صاحب نے ہمیں خوب دھمکایا کہ اب تمہاری ہماری بازی کا پتہ لگے گا۔ پہلے تو رشتہ داری تھی اب لوہے کے چنے چبوائے بغیر نہ رہوں گا۔

۲۱۶ حضرت نے عزیز کی تعزیت[1] وغیرہ تو نہ فرمائی۔ کیونکہ تعزیت تو غیر کرتے ہیں یگانے خود تعزیت کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن رفیق سے حال واحوال سُن کر طبیعت میں جوش آگیا۔ فرمایا "کچھ پرواہ نہیں" "ایسا ہوتا چلا آتا ہے" "اور مجھ سے بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا" "لیکن جوان کے پاس آنے والے ہیں۔ وہ ان کی طرف نہ جائیں گے" "کچھ فکر نہیں میں یہاں بیٹھا دیکھ رہا ہوں" "میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ کیا کرتے ہیں"

پھر مجھے ایک دعوت کا ارشاد فرمایا طریقہ بیان فرمانے کے بعد نہایت جوش سے فرمایا۔ کہ جو کوئی یہ بتلاتا ہے۔ اور جو کوئی اسے کرتا ہے۔ کبھی خطا نہیں جاتا"

کہنے کو آپ نے دو فقرے فرمائے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ دریا کو کوزے میں بند کر گئے۔ اور فرما گئے۔ کہ میں نے کیا کچھ تمہیں دیا گھر آیا۔ چند دن حسب ارشاد عمل کیا۔ جہاں ایک دو آدمی رہا کرتے تھے۔ وہاں دس بارہ کی بھرتی جمع ہو گئی۔ طبیعت گھبرائی کہ مجھے ایسے امور سے کیا تعلق[2]۔ جس طرح چاہے۔ وہ کرے۔ وہ خود دانا بینا ہے اور حکیم! ور سالک کو ان مخمصوں سے کیا تعلق۔

۲۱۷ آپ کو یہ گمان نہ ہو۔ کہ عام عملیات کی طرح یہ بھی کوئی عمل تھا، نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی دعوت تھی۔ گھنٹوں نہیں۔ منٹوں میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ یہ بھی نہیں کہ اس کے عمل سے دل میں سیاہی پیدا[3] ہو۔ بلکہ پہلے سے زیادہ صفائی۔ اور پہلے سے زیادہ روشنائی دل دینے لگتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو شمس العارفین مصنفہ سلطان العارفین صاحب

---

[1] فطرتِ انسانی ہر مقام پر اپنے تقاضے رکھتی ہے اور اُن کا پورا ہونا فطرت کی تسکین کا سبب بنتا ہے۔ تعزیت کا ہر مقام پہ عام رسم ہو جانا تسکین کا مرہم ہو جاتا ہے۔ ورنہ حادثہ اندر ہی اندر رہ کر طبیعت کو سخت گزند پہنچاتا۔ لیکن بلند ترین ہستی کا آسرا اور اس کی تعزیت فرمانا مزید تسکین ہوتا ہے۔ اور تسکین کے الفاظ کو نہ دہرانا ایک قسم کی خاص یگانگت کا عملی اظہار ہے۔ اور بلند ہستی سے یہ تعلق اور اُن کی یہ روش تسکین کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔

[2] سالک جب مقامِ رضا پر پہنچتا ہے تو ہر کام میں محبوب حقیقی کی حکمت نظر آتی ہے۔ اس لئے تکالیف اور راحتوں میں کیفیت یکساں رہتی ہے نیز جب سمانی نسبت پختہ ہو جاتی ہے تو ظاہری رونق اور دلچسپی کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

[3] معلوم ہوا کہ سفلی اعمال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ۔

تیسرے درجے پر کمی مال اور نفوس[1] کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے عزیز بشیر احمد[2] طول عمرہٗ کی خبر بیماری شرقپور شریف میں ہی پہنچی۔ کہ سخت لاچار ہے۔ حضرت قبلہ روحی فداہ نے ۱۴۸ کئی بار خط سے پہلے فرمایا "کہ رمضان میں آنے کی کیا ضرورت تھی بعد میں دیکھ لیا جاتا" لیکن سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں آپ اس پر مصر ہیں۔ مگر خط آیا۔ تو حضرت قبلہ کی خدمت میں ہی پہنچا۔ مجھے کارڈ ملا۔ تو حاجی صاحب کے ذریعہ۔ دوبارہ پیش کیا۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ حاجی صاحب سلمہٗ سے میں نے دوبارہ التجا کی۔ کہ دعا کے لیے عرض کی جائے۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بھلا یہاں[3] کہنے کی ضرورت ہے؟ سبحان اللہ! یہ ہے محبت یہ ہے صداقت۔

گھر پہنچنے تک میری عجیب حالت تھی۔ کیونکہ دیہاتی لوگ اس وقت ایسی تحریر لکھتے ہیں۔ جب انسان آخری حالت میں ہو۔ قبل ازیں ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ لیکن گھر کے قریب پہنچ کر نہایت پریشان حالت میں ہو کر ایک باغ میں بیٹھ گیا۔ کہ اب کیا سننے میں آئے؟ مگر الحمد للہ۔ تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کا آدمی ملا۔ کہ برخوردار کو کل سے افاقہ ہے ورنہ پہلے رو دھو چکے تھے۔ درحقیقت یہ حضور کی توجّہ[4] کی برکت تھی۔ جبکہ کارڈ پہنچا تھا۔ بہرصورت تیسرے دن حاجی صاحب کا خط بھی آ گیا۔ کہ برخوردار کی حالت کیا ہے حضور قبلہ[5] دریافت فرماتے ہیں۔ خود اندازہ کیجئے۔ ایک طرف تو دعا کے لیے التجا ۱۴۹ کرنے پر وہ الفاظ۔ دوسری طرف یہ توجّہ اُس عنایتِ خاصہ پر اگر قربان اپنے آپ کو کروں تو کم ہے۔

---

[1] یعنی سالک کو مال و متاع کے نقصان اور عزیز و اقربا کے جانی نقصان کی آزمائشوں میں مبتلا کر جاتا ہے۔

[2] حضور قبلہ عالم مصنف مدظلہٗ کے بڑے صاحبزادہ صاحبؒ جو جوانی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اب ان کے صرف ایک صاحبزادہ صاحب حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ اللہ اُن کو سلامت رکھے اور نسبت اجداد سے بہرہ وافر عطا فرماوے۔ آمین!

[3] پیر و مرید کے قلبی تعلقات کا نور حالاتِ ظاہر پر بھی حاوی ہوتا ہے اور ضروریات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

[4] کامل کی توجہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور بیمار شفا پاتے ہیں اور مقصد پورے ہوتے ہیں۔

[5] یعنی حضور کو فکر رہی اور مریض کی کیفیت طبع دریافت فرمائی۔ یہ عین نوازش ہے۔

برخوردار اچھا ہوا ہی تھا۔ کہ عزیز عابد صاحب مرحوم کی بیماری کا خط آگیا۔ اور تھوڑے دنوں بعد وہ طویل رخصت لے کر اچانک آگئے۔ پورے آٹھ ماہ بستر علالت پر رہ کر ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔ نہ تو دوا کی کمی ہوئی۔ نہ علاج کی۔ اور نہ دعا و صدقات کی۔ خود حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں کئی ایک عریضے لکھے[1]۔ خود حاضر ہوا تو عرض گذاری۔ فرمایا۔ گیارہ بار الحمد شریف بمعہ بسم اللہ شریف صبح و شام پڑھ کر پھونک دیا کرو۔ سب کچھ کیا گیا۔ لیکن قضا مُبرم کو کون ٹالے۔ مرحوم عابد اتنی خوبیوں کا آدمی تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ماں باپ کے بعد اکٹھے رہے تھے۔ ایک جا کھانا پینا۔ ایک جا رہنا سہنا۔ پھر اتنا حیادار کہ کبھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ نوکر ہوا۔ تو جو کچھ کماتا میرے سامنے رکھتا اور جو کچھ کرتا۔ پوچھ کر کرتا۔ دنیا میں بھائی بہتیرے ہوں گے۔ لیکن اس صداقت، اس محبت، اس سلوک کا بھائی کوئی نہ ہوگا۔ شادی ہو جانے کے بعد عموماً بھائیوں میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ لیکن واہ رے عابد کہ پہلے سے بھی زیادہ جھکتا گیا۔ بچپن سے لے کر مرتے دم تک عابد[2] عابد رہا۔ کالج میں تھا تو تہجد گذار تھا۔ نوکر ہوا تو تہجد خوان رہا۔ طبیعت اتنی ملنسار۔ کہ بیگانے سب یگانے تھے۔ سحری کو جب حکیم نے حالتِ نزع کی اطلاع دے دی۔ تو مجھے صبر[3] کی تلقین کی اور خود نہایت استقلال سے دوگانہ فریضہ ادا کر کے دائیں پہلو لیٹ گیا اور اپنی رضائی لپیٹ دینے کے لیے کہا۔ آہ یہ وہ وقت تھا۔ کہ اس کی روح مجھ سے لپٹ لپٹ کر آخری وداع کر رہی تھی۔ گو میں اورادِ فتحیہ[4] پڑھ رہا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا۔ کہ اس کی روح آخری بلائیں میرے سر سے لے رہی ہے۔ اور میرے آنسو شبنم کے موتیوں کی طرح اس[5] پر نثار ہو رہے تھے۔ ایک طرف اوراد ختم ہوئے تو دوسری

---

[1] تقدیر کے دو اقسام بیان کیے گئے۔ اول معلق جو بعض فرائع اور وسائل سے ٹل سکتی ہے۔ دوسری مُبرم، یہ ایسا نوشتہ ہے کہ ٹل نہیں سکتا ہو کے رہتا ہے۔

[2] عابد، عابد رہا کی تشریح، نوجوانی میں عبادت کا شوق پھر تہجد تک ادا کرنا بہت بڑی سعادت مندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جوانوں کو یہ شرف عطا فرماوے۔ آمین۔

[3] موت کی گھڑیوں میں جانے والے کی یہ حالت کہ اعزہ کو صبر کی تلقین ہو رہی ہے کتنی بلند اور مبارک کیفیت ہے اور وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی زندہ تفسیر

[4] اورادِ فتحیہ ایک مختصر سی کتاب ہے، بہت مبارک اوراد ہیں مسنون اوراد ہیں اور مختلف دعائیں ہیں حضرت علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (جو نہایت صاحب کمال ولی اللہ گزرے ہیں اور جن کا مزار مبارک سرینگر کشمیر کے وسط میں دریائے جہلم کے کنارے ہے) کی تالیف ہے اور کشمیر میں صبح کی نماز کے بعد عموماً بلند آواز سے اور نہایت ذوق شوق سے یہ اوراد پڑھے جاتے ہیں۔ اور حضرتِ اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خواص کو ورد کے طور پر یہ اوراد پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔

[5] اہل محبت کی جدائی اور اہل وفا کے فراق کا کیا اچھا منظر ہے ؎

سو حیاتِ ابدی موت پہ اس کی قربان
جس کی میّت پہ کرے زلف پریشاں کوئی

طرف بھائی جان کی جان نے قالب سے پرواز کرکے علیین[1] کا رُخ کیا۔ آخری دم ختم کر لیا تو دوستوں نے رضائی اٹھا کر حسرت بھرے چہرے سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۰ کا نقشہ میرے سامنے کر دیا۔

۴۲۱ وہ بھائی صرف بھائی نہ تھا۔ بلکہ یارِ غار[2]۔ اور وزیر باتدبیر اس کے مرنے نے میرے بازو توڑ دیئے۔ اب میں نہتہ ہو کر رہ گیا ایک چھوٹا دو بھائی۔ ایک ماں اور ایک باپ اور کئی ایک دوسرے قریبی رشتے داریکے بعد دیگرے گذرے۔ لیکن مرحوم عابد کا مرنا کچھ اور ہی تھا۔ اس صدمہ کو میں جانتا ہوں۔ جبتک جسم میں جان ہے اور جبتک دل میں احساس ہے۔ یہ صدمہ مٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب وجوار میں جگہ دے۔ آمین ثُمَّ آمین۔

۴۲۲ یہ اٹھائیس رجب ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد صرف ڈیڑھ سال گذرا۔ کہ حضرت قبلہ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے گو پہلا صدمہ ابھی تازہ تھا لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تسلّی[3] نے مجھے بہت کچھ اطمینان دے رکھا تھا۔ دنیا فانی ہے اور ہر ایک چیز فنا کا مزا چکھے گی۔ مرحوم گذر گیا۔ والدین چلے گئے۔ لیکن تقدیر نے پلٹا کھایا[4]۔ میری اس آخر تسلی اور اطمینان کو بھی چھین لیا۔ اور ایسا تو تھوڑا ہو گیا جس طرح چڑیا کا بچہ بے بال و پر گھونسلے کے باہر گر کر رہ جاتا ہے۔

۴۲۳ والد علیہ الرحمۃ بیمار پڑے تھے۔ تو پشاور میں خواب آیا تھا کہ میرے سر پہ پگڑی نہیں اور ننگے سر بیٹھا ہوں۔ بعینہٖ اسی طرح جس رات حضور کا وصال ہوا۔ خواب میں اپنے آپ کو ننگے سر دیکھا۔ صبح اخویم مولوی فخر الدین صاحب کو خواب سنا کر کہا۔ کہ ایسا معلوم

---

[1] علیین۔ آسمان پر وہ مقام جہاں ابرار (صالحین) کی روحیں بعد موت قیام کرتی ہیں۔

[2] ہمدرد دوست: دوستی روحانی عجیب رشتہ ہے۔ جہاں جسمانی رشتہ اور روحانی رشتہ اکٹھے ہو جاتے ہیں وہاں رنگِ محبت بھی کچھ اور ہوتا ہے۔

[3] مرشد کامل کا وجود باعث ہزار تسکین و رحمت ہے۔ دراصل نسبت روحانی اور محبت قلبی ہی اس روحانی رشتہ مرید و مرشد کو پُر تاثیر بناتی ہے اور جب اس تعلق میں مضبوطی آجاتی ہے۔ تو ماں، باپ، بھائی بہن غرضیکہ کوئی رشتہ اور کوئی تعلق اس کے مقابلے میں نہیں۔

[4] یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ قدرت اپنے سالک اور محبوب کے تمام ظاہری سہارے اور تمام آسرے ختم کر دیتی ہے، اس کو آزماتی ہے اور صرف اپنے آسرے اور اپنے سہارے پر بھروسہ سکھاتی ہے۔ صبر، توکل اور یک سو نگرستن کی یہ ایک مشکل ترین مشق ہوتی ہے۔ جو اس سختی کو اٹھا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے بے صبری دبے توکلی کو شیوہ بنائے رکھا وہ ناکام رہ گیا۔

ہوتا ہے۔ کہ حضور کا انتقال ہوگیا۔ آخر تیسرے دن خط بھی آ پہنچا۔ کہ ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ رات کو گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر آنحضور سراپا رحمت نے اپنا سایہ ہما[1] پایہ ہمارے سروں سے اٹھالیا اور ملاءِ علیین میں تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۴۲۴ حضور کے وصال کے بعد دوسرے تیسرے دن خیال آیا۔ کہ عزیز بھی گذر گیا۔ جو میرے دل کا سہارا تھا۔ حضرت صاحب بھی رخصت ہو گئے۔ جو سر کے تاج تھے اقرباء اور رشتہ دار پہلے چلے گئے۔ اب کوئی جائے امید ہے۔ تو صرف مہر نواب[2] خاں اور میاں کرم الدین صاحب۔ دیکھیے ان سے کیا سلوک ہوتا ہے۔ باقی تمام در تو بند کر دیئے اب اس ایک امید موہوم کا خاتمہ کس طرح کیا جاتا ہے۔

۴۲۵ مہر نواب خاں اگرچہ صرف بیس مربعہ زمین نہری کا مالک اور اپنے گاؤں کا واحد نمبردار تھا۔ لیکن حضرت قبلہ والد علیہ الرحمۃ کے بعد تقریباً تمام لنگر کا ذمہ دار تھا۔ غلہ کی ضرورت معلوم کرتا تو روانہ کرتا۔ بھوسہ کی ضرورت ہوتی۔ تو بھیجتا۔ فالتو مویشی ہوتے تو اپنے چھپڑ میں لے جاتا۔ نمبردار ہوتے تو لنگر میں پہنچاتا۔ زمین بھی لنگر کے نام کر رکھی تھی۔ آمدن پوری کی پوری ادا کرتا اور لگان اور آبیانہ خود ادا کرتا۔ اس کے علاوہ نقد و جنس کی خدمت زائد تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کی خوبی یہ تھی۔ کہ بار احسان[3] نہیں رکھتا تھا۔

شعر؎

۴۲۶
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی[4]
منت شناس از و کہ بخدمت گذاشتت

یہی اس کا شیوہ تھا۔

---

[1] ہما کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ پرندہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے یہ درست ہو نہ ہو لیکن یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ ولی اللہ کا سایہ ولی اللہ بنا دیتا ہے۔ اور اولیاء اللہ حقیقی بادشاہ ہوتے ہیں۔ ع ہر گدا از یاد او سلطان بود۔

[2] یہ صاحب حضرت اعلیٰ غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور مخلص تھے۔ موضع بونگہ تحصیل سرگودہا کے رہنے والے تھے اور دربار لنگر کے ساتھ خوب نبھائی۔ اب ان کے دو بیٹے ہیں حاجی مہر محمد یار صاحب اور مہر گل محمد صاحب (مہر گل محمد صاحب نائب تحصیلدار تھے ملازمت چھوڑ کر کاروبار شروع کر دیا ہے)

[3] ہر خدمت کرنے والا برتری محسوس کرتا ہے لیکن حقیقی خدمت یہ ہے جو اولیاء اللہ کرتے ہیں۔ دلوں کی دنیا آباد کرتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے تعلق باللہ کو جوڑتے ہیں۔ ان کی خدمت کا قدر دان ہی مقبول بارگاہ الٰہی بن سکتا ہے۔ اور جان دے کر بھی کوئی ان کے اس احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ کم ہمت ہوتے ہیں اور بے نصیب جو اپنے پیر و مرشد کی خدمت کریں اور اس خدمت کی قبولیت کے شکریے اور ممنونیت کی بجائے دل میں احسان کا احساس لائیں۔ العیاذ باللہ

[4] تو یہ احسان نہ رکھ کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے بلکہ اس کا احسان ہے کہ تجھے اس نے اپنی خدمت پر لگا رکھا ہے۔

میاں کرم الدین صاحب نے ابتدائی تربیت حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ سے ۴۲۷
پائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہ والدم بزرگوار کی خدمت اُسی جانفشانی
سے کرتے رہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ تو میرے ساتھ ایسی نبھائی۔ کہ
کوئی اپنا مرید با اخلاص بھی نبھاؤ نہیں کرتا۔ گو ایک نادار آدمی تھے لیکن حضرت قبلہ
والدم بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اپنے گھر کا تمام بوریا بستر لپیٹ دیا۔ رات، دن لنگر
کی خدمت پر کمربستہ ہوگئے۔ ساتھ ہی لنگر سے الگ رہے۔ پیٹ بھریں گھر سے اور کام
کریں لنگر کا۔

میرے دونوں رفیق ہم عمر بھی تھے۔ اور دوست بھی۔ دونوں پندرہ بیس دن کے ۴۲۸
بعد آتے اور خبر گیری کر جاتے۔ ضروریات کا احساس میاں صاحب کو زیادہ ہوتا تھا۔
وہی مہر صاحب سے مشورہ کر کے ضروریات بہم پہنچاتے۔ لیکن جب کبھی اکٹھے ہو جاتے۔
تو شاہ[1] و گدا میں تمیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ مگر نواب خاں واقعی نواب تھا۔ صرف مجھ
ہی سے یہ اخلاص[2] نہ تھا۔ بلکہ فقیر صورت کا غلام تھا۔ عرب جب کبھی آجاتے۔ تو جو کچھ
ہاتھ میں آتا۔ نہایت عجز سے پیش کر دیتا۔

ایک وقت یکصد روپیہ کا نوٹ پاس تھا۔ ایک دوسرے کو تڑوانے کو کہا لیکن
جب گاؤں سے ریزگاری حاصل نہ ہو سکی۔ تو وہی نذر کر کے کہا کہ آپ کی قسمت ہے۔ لیجیے
حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ[3] ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سے دونوں کو نہایت عقیدت تھی اور عرس مجدد[4] علیہ الرحمۃ پر حاضری فرض جانتے تھے۔

ایک طرف تو حضرت قبلہ کے وصال مبارک کا خط آیا۔ اور میں اپنی قسمت ناہنجار ۴۲۹

---

1. کامل شیخ کی تربیت کا یہ اولین نتیجہ ہے کہ انا کو شکست ہو جاتی ہے۔ تکبر اور غرور، برتری اور بڑائی سب اسی انانیت کا نتیجہ ہے۔ جب بانس ہی نہ رہا تو بنسری کہاں سے بجے گی۔ اس لئے کامل کے مریدین چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔
2. طبع کریم ہو تو اس کے اثرات پابند نہیں ہوتے۔ اخلاص کے اظہار کے لئے ہر موقعہ کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ اور دو جہان کی بھلائی حاصل کی جاتی ہے۔
3. حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی بہت بڑے پائے کے ولی اللہ گزرے ہیں۔ خلوت گزینی اور بے نیازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ مقدس کے جانشین تھے۔
4. حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ۲۷ – ۲۸ صفر کو سرہند شریف میں ہوتا ہے۔

پر رو رہا تھا۔ اور دوسری طرف سے اچانک ایک دوسرا خط آگیا۔ کہ مہر نواب خاں سخت بیمار ہے۔ اور تمہارے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ عرس[1] وفات کی وجہ سے بہانہ مل گیا تھا۔ ساتھ ہی کئی بار دل کی طرف دیکھا۔ کہ کچھ خوف ہے یا نہیں لیکن دل بے دھڑک تھا۔ دل میں خیال کیا۔ کہ اچھا ہو جائے گا۔ مگر اتنا نہ سوچا۔ کہ بعض وقت اطمینان اور تسلّی[2] ہی ناکامیابی اور نامرادی کی دلیل ہوتی ہے۔ آخر وفات[3] سے دوسرے دن حسب ملنے کے لیے تیار ہُوا۔ تو مرحوم کے گذر جانے کی خبر آگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

۴۳۰ مگر حیرت یہ ہے کہ جنازہ کے لیے گیا۔ اور آیا۔ لیکن فکر نہیں رنج نہیں۔ منہ سے نکلتی ہے۔ تو صرف دعاء مغفرت اور بس۔ مکرمی شاہ[4] صاحب سیّد نور الحسن صاحب نے بتقریب عرس ایک موقعہ ذکر کیا۔ کہ بعض وقت سالک کو آیندہ کے واقعات کا پہلے علم دیا جاتا ہے۔ تاکہ سالک کو اس واقعہ ہائلہ[5] سے تشویش پیدا نہ ہو۔ کیونکہ غیر متوقع حادثہ سے طبیعت میں سخت ہیجان[6] پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن متوقع حادثہ سے طبیعت تیار ہو بیٹھتی اور نہایت متانت سے اسے برداشت کرتی ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کے وصال سے بیشتر چار یا پانچ ماہ ہمیشہ میری زبان پر ہوتا تھا

تنت بناز طبیباں نیاز مند مباد[7]
وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست
بہیچ عارضہ شخصے تو دردمند مباد

۴۳۱ بلکہ بعض وقت دل چاہتا تھا۔ کہ حضرت کی خدمت میں لکھوں اور اکثر طبیعت

---

[1] ۱۲ ربیع الاوّل کو حضرت اعلیٰ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات علیہ السلام کا عرس کیا کرتے تھے وہی عرس مبارک آج تک جاری ہے اور عرس وفات کے نام سے موسوم ہے حضرت قبلہ مرشدم فرماتے ہیں کہ چونکہ عرس وفات قریب تھا اس لیے مہر نواب خان صاحب کے پاس نہ پہنچنے کا عذر موجود تھا۔

[2] سالک کا اطمینان بعض اوقات تکلیف کے وقوع کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور قدرت سالک کو بہر حال مطمئن رکھتی ہے۔

[3] مراد عرس وفات [4] حضرت سیّد نور الحسن شاہ صاحب حضرت کیلیاں والا رحمۃ اللہ علیہ

[5] ہائلہ۔ ہولناک [6] گھبراہٹ

[7] تیرا وجود طبیبوں کے ناز کا محتاج نہ ہو اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف پریشان نہ کرے۔ تمام جہان کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے۔ کسی عارضہ سے تیرا وجود دردمند نہ ہو۔

لرزاں رہتی تھی۔ کہ مبادا یہ دولت چھن جائے۔ لیکن جب حضرت بیمار ہوئے۔ تو پھر طبیعت نڈر، بے خوف رہی۔ بلکہ آپ کے وصال پر بھی آنسو نہ پھوٹے۔

۴۳۲ مہر نواب خاں کے بعد طبیعت تمام آلودگیوں[1] سے پاک ہو گئی۔ اور اسی ذات رب العزت کی طرف متوجہ ہو بیٹھی۔ نہ کسی سے آس رہی نہ کسی سے یاس ؎

جو کرے کرتار مہراج۔ جو کرے کرتار

اگرچہ میرا ایک رفیق (خدا اسے سلامت رکھے) موجود ہے۔ لیکن میری آس و یاس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سب کچھ پہلے کی طرح کرتا ہے۔ لیکن وہ محض واسطہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی دار و مدار نہیں رہا۔ ہاں ایک خاندانی اعتماد (چچا صاحب[2] کی ذات بابرکات سے تھا۔ کہ وہ حضرت قبلہ جدِ امجد علیہ الرحمۃ کے قائم مقام تھے۔ وہ بھی ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ کو ہمیشہ کے لیے یہاں تتیم کر گئے۔

۴۳۳ یہ تمام پہلو تو تربیت جلالی کے ظاہری تھے۔ اب وہ باطنی پہلو جس کی تمہید کے لیے۔ جس کی بنیاد کے لیے یہ سب کچھ لکھا گیا مختصراً پیش کرتا ہوں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سالک کو تدبیر کی آلودگیوں[3] سے پاک کر کے تقدیر[4] کی مضبوط چٹان پر بٹھایا جاتا ہے۔ عوام کا تمام دار و مدار تدبیر پر ہوتا ہے اور اس تدبیر کے لیے انہیں ہر وقت رنگا رنگ خیالات اور بوقلموں مخمصوں میں رہنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک آن بھی حضور دل میسّر نہیں ہو سکتا اور کسی ایک وقت بھی یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۴۳۴ صاحبِ[5] تدبیر اگر اپنی پوری کوشش بھی کرے۔ تو ایک آن بھی ایسی، عمر بھر میں دیکھ نہیں سکتا جس میں اس کا دل مطمئن یادِ الٰہی میں غرق[6] ہو سکے۔ لیکن جب فضلِ الٰہی شاملِ حال

---

[1] غیر اللہ پر بھروسہ کرنا اور کسی کی آس لگا کر بیٹھنا طبع سالک کے لئے آلودگی ہے۔

[2] حضرت صاحبزادہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت قبلہ عالم دام ظلہ کے چچا صاحب اور خسر تھے۔

[3] معرفت الٰہی کا تقاضا ہے کہ عارف دنیا میں صفات الٰہیہ کے افعال کو ہر مقام پہ دیکھے اور انسانی تدابیر کو تقدیر کا پرتو سمجھے۔ اس صورت میں انسانی تدبیر کا اپنا کوئی مقام نہ رہا اور اس میں مصروفیت تضیع اوقات ہوئی بلکہ صفاتی قلب کے لئے سامان کدر کا ایک سبب بنی۔ اس لئے تدبیر کو قبلہ عالم دام ظلہ نے آلودگی سے تعبیر فرمایا [4] تدبیر ذہن کو مصروف رکھے گی اور پھر عمل جسم کو قابو کرے گا اور یہ گرفت کبھی بھی ڈھیلی نہ پڑے گی اور یکسوئی اور اس کے نتیجے میں حضور دل کبھی حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے سالک کو چاہیئے۔ تدبیر مدبر حقیقی پر ایسا بھروسہ کرے کہ ذہن اس مصروفیت سے فارغ ہو جائے یہاں عوام کا سوال نہیں خواص کا ذکر ہے [5] نیک لوگ جو اولیا اللہ سے وابستگی رکھتے ہیں انہیں یکسوئی اور حضور دل کے حصول کا شوق بھی ہوتا ہے لیکن صرف تدبیر کے چکر میں پھنسنے کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اپنی محرومی کے شاکی رہتے ہیں [6] یاد الٰہی کا ایک نشہ ہے لیکن اس نشے کی بہار جب ہوتی ہے جب صبر و رضا، توکل کے مرحلے طے ہو جائیں اور زندگی کے مخمصے یادِ الٰہی کی قوت سے دب جائیں۔

ہوتا ہے تو ہمیشہ کے لیے اسے وہ اطمینان دلایا جاتا ہے۔ جس کی خبر کسی دنیادار، کسی فلاسفر، کسی حکیم کو نہیں۔

ایک بار حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرتسر تشریف فرما ہوئے کئی بڑے بڑے علماء کرام اور مخلصین خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ آپ نے اپنے جوش میں آکر فرمایا۔ اگر ایک بار بھی کوئی اللہ کے اور خیال غیر نہ لائے۔ تو میں اسی وقت اسے خلافت دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن آہ نصیب! کسی سے ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ اختیار سے باہر اور اس کے قبضۂ قدرت کے اندر تھا۔ خود ذات باری عزاسمہٗ فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ[1]۔

ع تا یار کرا[2] باشد و میلش بکہ باشد؟

اس لیے ہادی عزاسمہٗ خود سالک کو تدبیر کے سمندر سے نکالنے کے لیے اور تقدیر کی چٹان پر پہنچانے کے لیے سامان مہیا کرتا ہے۔ اور تمام وہ ارادے جو سالک اپنی تدابیر کے لیے کرتا ہے۔ وہ بتمامہٖ ناکام کیے جاتے ہیں۔ بلکہ وقت آتا ہے۔ تو سالک ارادے کے خیال سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ کیونکہ اُسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ارادہ میں آیا۔ اس کے برعکس نتائج پیدا ہوں گے۔ یہاں تک کہ انتفائے[3] ارادہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے اختیار کی لگام اس کے قبضۂ قدرت کے ہاتھ میں دے کر خود مجبور محض ہو بیٹھتا ہے۔ لیکن جب جبر[4] سے اضطرار پیدا ہو کر اُسے ستانے لگتا ہے اور ساتھ ہی بے تدبیری اسے آرام اور اطمینان کا ثمرہ دلاتی ہے۔ تو اضطرار خود بخود اُس سے زائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ تقدیر کے تمام کارخانے

---

[1] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

[2] دیکھیں یار کس کا بنتا ہے اور اس کی طبع کا میلان کس کی جانب ہوتا ہے۔

[3] انتفائے ارادہ۔ نفی ارادہ، یعنی سالک میں اس وقت ارادہ ختم ہو جاتا ہے۔

[4] مجبور ہو کر مضطر اور بے قرار ہوتا ہے۔ اور اس بے قراری کا علاج صرف تدبیر کو چھوڑنے میں دیکھتا ہے۔

مشیّتِ ایزدی کے تمام کارنامے اور ایزدِ متعال کے تمام قیود اپنے لیے رموزِ حیات[1] جانتا ہے۔ اس وقت سالک کے لیے زہر تریاق کا کام دیتا ہے اور شیر پاسبانی کرتا ہے۔ سانپ اس کے جوتوں کا غلام ہو بیٹھتا ہے۔ اور سالک بشریّت کے تمام تقاضوں تمام خواہشوں اور تمام آلودگیوں سے پاک اور صاف ہو کر بارگاہِ ایزدی کے جلال و جمال میں غرق رہتا ہے۔ اور ماسوائے سے اِعراض کر کے جادۂ توکل کے ذریعہ مسند تسلیم پر قدم جا ٹکاتا ہے۔ اور تسلیم و رضا کا تاج پہن کر سرافسر ملکوتیاں ہو بیٹھتا ہے اور زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

نہ تو تو رہا نہ ہی میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

(اسے ہی فنائے انا کہتے ہیں)

اس اجمال کی توضیح اس طرح ہے۔ کہ بچپن سے ہی قدرت ارادے کے خلاف چلتی رہی۔ اور ہزاروں نہیں۔ لاکھوں ایسے مظاہرے دیکھے۔ جو ارادے کے برخلاف ظہور پذیر ہوئے۔ گو کہ انجام ان کا شاندار تھا تاہم ہر وقت دل میں خیال آتا تھا۔ کہ عجب معاملہ ہے کہ ارادہ کچھ کیا جاتا ہے۔ اور ظہور اس کے برعکس ہوتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا۔ گھر سے جب میں نکلا تھا۔ تو اور ارادے اور خیال تھے۔ جب دہلی پہنچا۔ تو کچھ اور کرنے لگ گیا۔ مولوی[2] فاضل کا امتحان صرف وکالت کے لیے دیا تھا۔ لیکن جا نکلے مدرسہ کی چار دیواری میں۔ انگریزی پڑھی تھی ولایت کے وظیفہ عربیہ کے لیے اور آ بیٹھے مسجد کے کونے میں۔ ٹریننگ[3] لی تھی تنخواہ کے زیادہ پانے کے لیے اور آ بیٹھے نوکری[4] چھوڑ کر غرض

---

[1] سالک آزمایا جاتا ہے کہ ارادۂ الٰہی کے تمام اعمال حکمتوں سے بھرپور ہیں جب یہ یقین کامل ہو چکتا ہے تو ہر مخالف چیز موافق ہو جاتی ہے۔ اور تاثیرات اشیا بدل جاتی ہیں۔ سالک سراپا کرامت بن جاتا ہے۔ لیکن بشریت کے تقاضے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں وہ تو پہلی تکلیفوں بھری زندگی میں بھی خوش تھا۔ یہی مقام انسانیت کا بلند ترین مقام ہے۔

[2] مشرقی علوم کی انتہائی ڈگریاں لے کر شروع شروع میں وکالت کا امتحان دیا جا سکتا تھا پھر جب بی-اے، ایل-ایل بی لوگوں کی کثرت ہو گئی تو یہ چیز بند ہو گئی۔

[3] مشرقی علوم کی یونیورسٹی کی سندات والوں کے لئے سنٹرل ٹریننگ کالج میں اورینٹل کلاس کھولی گئی۔ مشرقی علوم کے فاضل جہاں تعلیم کی تربیت حاصل کرتے تھے۔

[4] اسلامیہ کالج پشاور میں حضرت قبلہ سات سال تک پروفیسر رہے ہے نوکری سے مراد اسلامیہ کالج پشاور کی ملازمت ہے۔

مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہُوا کہ میری حیات کی اصلی غرض کیا ہے۔ جو کچھ بھی سوچتا ہوں۔ چند دن کے بعد کچھ اور نظر آتا ہے۔ یہی حالت ہے میرے دوسرے کاموں اور خیالوں کی۔

۴۳۸ جب کبھی میں نے پیسے جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ کہ کفائت شعاری کا انجام بخیر ہے۔ تو ایک کی جگہ دس ہی خرچ کرنے پڑے۔ ملازمت میں میں نے کئی بار یہ ارادہ کیا۔ لیکن جب صرف ایک سو زرِ نقد ہاتھ میں ہو گیا۔ تو بیماری آ گئی۔ کوئی نقصان مال ہو گیا۔ کہیں سے تاوان پڑ گیا۔ یہ ایک بار کا واقعہ نہیں۔ جو اتفاقیہ کہلائے۔ بلکہ عمر بھر کا تجربہ ہے۔ کئی بار اُسے وہم خیال کر کے اس کا مقابلہ بھی کیا۔ لیکن آخر کار کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ چاروں شانے چت گر گئے۔ ایک بار کالج میں خانۂ تعلیم کے اندر میں جماعت کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ پرنسپل آ دھمکا۔ دیکھ کر منہ بناتا ہُوا چلا گیا۔ دوسرے دن میں نے اپنی خفت دُور کرنے کے لیے سارا دن کھڑے ہو کر گذارا۔ لیکن جب اس کے آنے کی امید نہ رہی اور میں سٹول پر بیٹھ گیا۔ تو اچانک آ داخل ہُوا نقریباً یہ حالت دو ماہ رہی۔ آخر میں نے مجبور ہو کر یہ خیال واگذار کر دیا اور حسبِ عادت اُٹھتے بیٹھتے تعلیم دینے لگا تو اب جب کبھی وہ آیا۔ اسی وقت آیا۔ کہ میں کھڑے ہُوئے سخت انہماک میں تعلیم دے رہا ہوتا۔ اور وہ دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگتا۔ حالانکہ اس آخری دَور میں مَیں زیادہ تر بیٹھ کر کام کرتا تھا۔ اب ان تمام اتفاقیات کو کس امر پر محمول کیا جائے۔ کہ محض حُسنِ اتفاق ہے۔ یا اس کے اندر کچھ اور حقیقت ہے۔ جو اسے اپنے کارخانۂ قدرت سے سرمو ہٹنے نہیں دیتی۔

۴۳۹ اس کے علاوہ تمام کلی اور جزوی امور میں توقعات کے برخلاف نتائج پیدا ہوتے

ا؎ "ہر کسے را بہرِ کارے ساختند"
قدرت نے ہر ایک کو کسی خاص مصلحتِ تکوینی کے لئے بنایا ہے۔ اور اس مقام سے پہلے پہلے جس جس مقام پر بھی لے جایا جاتا ہے وہاں کے کچھ مشاہدات کچھ تجربات اور کچھ مخفی مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ جن کو قدرت اپنی محبت اور اپنی ولایت کے لئے منتخب فرما لیتی ہے ان کو کوئی مقام اور کوئی منزل اسے راس نہیں آتی۔ اور بسا اوقات وہاں ناکامی کی صورت پیدا کر دی جاتی ہے۔ گو ناکامی سے دل پر ضرب پڑتی ہے لیکن دل کا ٹوٹنا دنیا سے مایوسیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور دنیا سے مایوسی ہی معرفت کا حرفِ اوّل ہے۔ جب تک ذہن میں دنیا کی اپنی اصلی بے معنی صورت نہ آئے گی تب تک اس کو کون چھوڑ سکتا ہے اور تبتل اور انقطاع کے بغیر معرفتِ الٰہی کے راستے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔

رہے ۔ جن دوستوں سے امید نفع تھی ۔ ان سے نقصان ہی پہنچا ۔ اور جو مخالف ہو کر مقابل ہوئے ۔ اور امید خیر ان سے نہ رہی ۔ تو وہی غلام ہوئے ۔ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ میں سفر سے آرہا تھا ۔ کہ ایک ہمسر نے میرا گھوڑا تھام لیا ۔ اور نہایت عقیدت سے پیش آیا ۔ میرے دل میں خیال آیا ۔ یہ ایک پکا مخلص ہوگا ۔ لیکن ایک دو ہفتہ نہ گذرنے پائے تھے کہ شرعی مسئلہ کے تنازعہ میں صرف وہی نہیں بلکہ اُس کا تمام گاؤں مجھے رشوت خوار کا الزام دینے لگا ۔ اخلاص تو کہاں ۔ اب علیک سلیک کو بھی ایک دوسرے کا جی نہیں چاہتا ۔

۴۰ ہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ کہ اس راہ میں جن افعال کو گناہ کبیرہ خیال کیا جاتا ہے اور جن کے ارتکاب سے حدود شرعیہ قائم ہوتی ہیں ۔ ایسے گناہوں کی سزا قانون سلوک اور درجہ ولائت میں کم ہے ۔ لیکن وہ خیال جن کو قلبی ذمائم میں رکھا جاتا ہے ۔ ان کی سزا سخت ترین ہے ۔ بلکہ بعض وقت ایک معمولی سی لغزش قلبی پر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں ۔ انھیں لوگوں کے بارے ارشاد ہوتا ہے ۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۔ یہ محاسبہ معمولی نہیں ۔ بلکہ زبردست محاسبہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ دیتا ہے ۔ دماغ کو پگھلا دیتا ہے ۔ بلکہ زمین کا دائرہ سالک کے لیے سوراخ سوزن سے تنگ کر دیا جاتا ہے ۔ اور سالک کی ذات کو اُس کے اندر سے کھینچا جاتا ہے ۔ حضرت زکریا علیہ السّلام نے کونسا گناہ کیا تھا ۔ کہ آرے کے نیچے ان کا سر دیا گیا ۔ حضرت یونسؑ نے کونسی گستاخی کی تھی ۔ کہ مچھلی کے پیٹ میں دے دیئے گئے تھے ۔ صرف ایک قلبی

---

۱ قدرت کے تمام کام حکمت بھرے ہوتے ہیں، دنیا کو سالک کا مخالف بنا کر اسے اپنی ذات پر بھروسہ کا سبق دیا جاتا ہے اور مخالفین کو ان کی سابقہ بدکرداریوں کی سزا یوں دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کی مخالفت کریں اور اللہ کے بندوں کے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو جائے اور ہدایت کا باب ان پر بند ہو جائے کہ جب وہ عقیدت اور محبت سے ان کے قریب آئیں گے ان کے مؤثر کلمات نہ سنیں گے تو گمراہی پختہ ہوگی اور دل کے پردے اور بڑھیں گے اور مخالفین نے انبیاء علیہم السلام پر بھی الزام لگائے جس سے انبیاء علیہم السلام کی ان سے نفرت بڑھی اور مخالفوں کی اپنی قساوت قلبی بڑھی ۔

۲ قدرت لطیف ہے انسان کا قلب لطیف ہے ۔ سالک لطافت کے راستے طے کر رہا ہوتا ہے اسلئے ذہنی اور قلبی ذمائم (برائیاں) اسکی لطافت قلبی کو ضائع کرتی ہیں اور لطیف مطلق کے سامنے پردہ ہو جاتی ہیں اسلئے انکی سزا جسمانی برائیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور سالک کو قلبی لغزشوں کے نتائج دکھلائے جاتے ہیں جو شرعی سزاؤں سے اس کے نزدیک کہیں زیادہ ہوتے ہیں ۔ ۳ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا ان کو چھپاؤ اللہ تعالے ان کا حساب لے گا ۔ ۴ سالک کو جب قلبی لغزش کی سزا ملتی ہے تو دنیا کی پریشانیاں اور تکالیف اسے گھیر لیتی ہیں ۔

لغزش تھی۔ جس نے اتنی بڑی سزا دلوائی۔ جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتی۔

۱۴۴ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ ولایت[1] یا نبوت تمام کائنات کی جڑ ہے۔ اگر اس میں ذرہ بھر بھی نقص آجاوے۔ تو تمام کائنات کھوکھلی پڑ جاتی ہے۔ اس لیے نبی اور ولی کے قلب کی ہر ایک جنبش پر پوری پوری نگہداشت کی جاتی ہے۔ بخلاف افعال کے۔ کیونکہ افعال کا تعلق اگرچہ قلب[2] کے ساتھ نہایت مضبوط ہے۔ تاہم بعض وقت نادانی میں افعال بلا ارادہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق ارادۂ بشری[3] سے تو نہیں ہوتا۔ بلکہ ارادہ ازلی ان سے ایسے افعال سرزد کراتا ہے۔ تاکہ وہ حلقۂ بشریت سے باہر نکل کر خلق اللہ کی تباہی کا باعث نہ ہوں۔ کہ خلقت انہیں الوہیت[4] کا درجہ دے بیٹھے ساتھ ہی خود ایسے افعال ان کی فطرتی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ جبکہ ارتکاب کے بعد ندامت کے پانی سے فطرتی کدورت کو صاف کیا جاتا ہے۔

۱۴۲ حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام بہشت میں پیدا کیے گئے۔ فطرتی کدورت ابھی تھی۔ جس نے باہر پھینک دیا لیکن زمین پر آکر اپنا نشۂ غفلت دور دیکھا۔ کہ کتنا میلا کسیلا ہوں۔ جوشِ دل نے کدورت کو آنسوؤں کے ذریعے باہر پھینک دیا۔ مینہ کی طرح آنسو برسنے لگے۔ دامنِ عفت کی چادر پر جو داغِ سیاہ[5] عصیاں پڑے تھے۔ وہ سب دھو ڈالے۔ اور مغفور و مقبول ہو کر پھر داخل بہشت ہوئے۔ اور خَالِدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ کی پکی سند پائی۔ اب یہ آدم اور وہ آدم ایک نہیں۔ بلکہ پہلے میں کدورت تھی۔ اب کدورت کا نام تک نہیں۔ پہلے انانیت تھی۔ اب انانیت کی بو نہ رہی۔ پہلے سراسر ناز تھے۔ اب سراسر نیاز ہوئے فللہ

---

[1] نبوت اور ولایت روح کی صلاحیتوں اور کیفیتوں کا نام ہے جس طرح روح کائنات کی زندگی ہے اسی طرح صلاحیت اور کیفیت روح کی زندگی ہے۔ اگر کیفیت بگڑ گئی تو کائنات روح بگڑ گئی اور عالم میں فساد آگیا۔ اسلئے نبی و ولی کی کیفیات قلبی کو سلامت رکھنا ہی کائنات کی سلامتی ہے ؏ سلامت ہمہ آفاق در سلامت تُست [2] افعال کا سرچشمہ قلب ہے اور دل پر تاثیرات دو قسم کی ہوتی ہیں اول کسبی تاثیرات دوم تکوینی ازلی تاثیرات کسبی تاثیرات سے پیدا شدہ نتائج سنگین ہیں بہ نسبت ازلی تقدیری تاثیرات کے کیونکہ ان میں ارادہ بشری کام نہیں کر رہا ہوتا [3] بشر کی اصلاح کے لیے بشر ہی موزوں ہے۔ انبیاء اور اولیاء بشریت کے تقاضوں کے خلاف چل چل کر روح خالص اور نور مجسم بن چکے ہوتے ہیں اور الٰہی تاثیرات کا زمین پر بہترین مظہر ہوتے ہیں عوام کے لیے یہ مقام توحید چھوڑ کر غیر خدا کو خدا سمجھنے کے دھوکے اور خطرے کا بڑا مقام ہے اس لیے ارادہ ازلی اپنی مخلوق کو ان کی بشریت کا عملی اقرار کرواتا ہے اور ان سے بعض ظاہری لغزشیں اور ظاہری کمزوریاں سرزد ہوتی ہیں جن کی بنا پر خود ان پر بھی اپنا مقام واضح رہتا ہے اور مخلوق الٰہی بھی خدا کو خدا سمجھنے کے لیے آنکھیں بلند کرتی ہے [4] جب مراتب میں فرق محفوظ رکھا جائے۔ اور مخلوق کو الوہیت کا درجہ دیا جائے تو یہی روح کی تباہی ہے اور ناقابل معافی گناہ [5] انسان ایک معجون ہے بلند اور پست تر کا۔ بلندیوں کے تقاضے چھوڑنے اور پستی کے دروازے کھٹکھٹانے سے جب اس پر ندامت چھا جاتی ہے تو یہی ندامت کا پسینہ عرش کے موتی بن جاتا ہے اور اللہ کریم اس کی اس حالت کو پسند فرماتا ہے اور اس کے درجات میں بلندی عطا فرماتا ہے ؎

قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے
موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے

(بقیہ صفحہ ۱۷۴ پر)

اَلْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - اگرچہ پہلے واقعات اور حالات میری بصیرت افروزی کے لیے کچھ کم نہ تھے۔ لیکن حلقہ غلامی میں داخل ہوتے ہی ان واقعات عبرت آموز نے اور بھی ترقی کی اور اب ہر امر پر پوری نگہداشت شروع ہوئی۔ اور ہر موقعہ ہر امر میں مجھے متنبہ کیا جاتا۔ پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے "کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سے مجھے تو سب کچھ دکھائی دے رہا ہے" پھر میں اتنا غافل تو نہ تھا کہ جو سلوک مجھ سے کیا جاتا۔ اس کی حقیقت سے میں آگاہ نہ ہوتا۔ بلکہ خوب جانتا تھا۔ کہ میری بہتری کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ورنہ وہ ذات پاک بے عیب عز اسمہٗ ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ جو کسی کے دل اور وہم میں آتے ہیں۔ مجھے کبھی بھی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی آخر قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے عزیز مرحوم کی وفات کے بعد نہایت شان اور تسلّی سے فرمایا "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی چالیس سال کیسے گذرے اور پھر صرف دس سال میں کیا کچھ ہو گیا۔ ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ میرے وہ کچھ رموزِ حیات وابستہ ہیں۔ جن کو مولیٰ کریم جانتا ہے۔ یا میں خود جانتا ہوں کسی دوسرے کو ان سے کیا تعلق۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ط

گر بدیوان غزل صدر نشینم چہ عجب
سالہا بندگیٔ صاحب دیوان کردم

اب چند چھوٹے چھوٹے واقعات لکھتا ہوں۔ جو ناظرین کے لیے بصیرت افروز ثابت ہوں گے ورنہ قِصَّةُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَهَا یہ ایک محبوبانہ چھیڑ چھاڑ

(بقیہ صفحہ ۱۷۳) ۱۷۶ یعنی بھول جانا یا فرمان کی اطاعت سے منہ موڑنا ۷ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ان کے لئے اللہ کی بخشش ہے اور بلند ترین رزق

۱ سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور زمین میں اور آسمانوں میں اسی کی بڑائی ہے اور وہ غلبے والا ہے اور حکمت والا ۲ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے ۳ حضور سرور کونین کی ابتدائی زندگی مصائب اور تکالیف سے پُر تھی پھر نبوت کے ظہور کے بعد مکی زندگی میں تو مصائب اور پریشانیوں نے حد ہی کر دی لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا تو حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ دشمن دوست بن گئے اور فتوحات کے باب کھل گئے ۴ ولایت کا بھی یہی حال ہے جس کو جتنا بلندی پر لے جانا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی اس کی تربیت جلالی مکمل کی جاتی ہے اور سالک کا ذرہ ذرہ وجود کا اور لمحہ لمحہ وقت کا مصائب میں پڑا ہوتا ہے اور مصائب ظاہری ہوں خواہ باطنی جس پر گذرتے ہیں وہی جانتا ہے۔

۵ پس اللہ تعالےٰ بہترین محافظ ہے اور وہ سب رحم والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔

۶ اگر میں غزل کے باب میں سب سے سبقت لے گیا ہوں تو اس میں تعجب کا کونسا مقام ہے میں نے سالہا سال صاحب دیوان کی غلامی میں گزارے ہیں۔

۷ عشق کی داستان کو اختتام نہیں ہے۔

ہے جو ختم نہ ہوگی۔ کوئی نماز میں لذت اٹھائے۔ کوئی فکر میں اور کوئی ذکر میں ۔۔۔۔
۔۔۔ اور کوئی تلاوت میں۔ لیکن بخدا ہمیں تو اس چھیڑ چھاڑ میں لطف آتا ہے۔ ورنہ
وہ دنیا سے زیادہ رحیم ہو کر ہم سے سلوک کر رہا ہے۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کا اضطرار دے کر
وہ چھم چھم برستا ہے۔ کہ ہمارا ہر سر مو بھی خوش ہو کر سر نیاز میں ہو جاتا ہے۔

۴۴۳ ایک دن کا واقعہ نہیں۔ دو کا نہیں کہ اس کو اتفاق سے تعبیر کر دوں۔ بلکہ ہر گھڑی ہر آن کا ہے۔ اور ایک زمانہ سے۔ ہاں! بعض وقت ایسے مایوس[1] کرتا ہے اور ایسی ٹیڑھی چال چلتا ہے اور الٹی شطرنج بچھاتا ہے۔ کہ آبرو اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں لیکن جب جان سخت گھبراہٹ میں گھر جاتی ہے۔ تو صاف بچا لیتا ہے۔

۴۴۴ اکثر سنتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ السّلام پر آتشِ نمرود کو گلزار کر دیا تھا لیکن ؏ شنیدہ[2] کے بود مانند دیدہ

ہم تو خود روزانہ یہ معاملہ دیکھتے ہیں۔ پھر بھلا ہمارے ایمان اور یقین میں شک کیوں ہو۔ صرف نمونتاً لکھتا ہوں ورنہ تکرار سے کیا فائدہ۔

۴۴۵ ایک بار والد علیہ الرحمۃ کی مزار مبارک پر بیٹھے خیال آیا۔ کہ اتنے بزرگ اور اتنے تعلقدار ہوتے ہوئے جو گھوڑی چرائی گئی تھی اور یہ تلاش نہ کر سکے۔ میرا وقت ہوتا تو کیوں نہ ملتی۔ لیکن خیال کے بعد ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ پھر گھوڑی چرائی گئی اور کھوج بھی لگ گیا۔ لیکن یک دم پھر ایسی گم ہوئی اور چوروں نے انکار کیا۔ کہ واپس پانے کی کوئی صورت مہیّا نہ ہوئی۔ دوست بھی ہزاروں تھے۔ مددگار بھی سینکڑوں اور اپنے فن کے اُستاد بھی تھے اور اپنے سینے پر ہاتھ بھی مارتے تھے۔ کہ ڈھونڈے بغیر نہ

---

[1] بعض اوقات تکالیف کا عرصہ بڑھ جاتا ہے جتنا عُسر کا عرصہ زیادہ ہوگا یُسر بھی اتنا وسیع ہوگا اور بعض اوقات تکالیف مختصر ہوتی ہیں اور ساتھ کے ساتھ باب رحمت کھلتے جاتے ہیں اور فطرتِ انسانی ہے کہ تکلیف کے بعد جو راحت آئے گی وہ شکر اور نیاز کی ملی جلی کیفیت کی حامل ہوگی۔

[2] سُنا ہُوا دیکھے ہوئے کی مانند کب ہوتا ہے۔ فقر وارشاد مشاہدہ کی کیفیات کا نور ہے۔ قرآنی حقائق دنیا میں اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور معجزات کی دنیا اب بھی آباد ہے، صرف نظر کی ضرورت ہے۔ کم نظر کیا جانیں۔ صاحبِ مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کے کرشموں کا اپنے اندر اپنے باہر اور کائنات کے ذرّے ذرّے میں مشاہدہ کرتا ہے ۔۔!

چھوڑیں گے۔ لیکن جتنے قدم آگے بڑھتے تھے۔ اتنے ہی اپنے نقصان میں بڑھتے تھے۔
میں خود کئی بار تلاش کے لیے اٹھا۔ لیکن ہر بار اپنے سر ہی گرا۔ تاہم عزم میں فرق نہ آیا۔
آخر تلاش کے لیے نکلا تو نو کوس کے فاصلہ پر وہ سزاوار تپ چڑھا۔ کہ ہفتہ تک ہوش
نہ آیا۔ اس پر اپنی تقصیر اپنے سامنے آگئی۔ بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز ادا کیا اور وعدہ کیا۔
کہ اس کے بعد تلاش کے لیے کبھی قدم نہ اٹھاؤں گا اور نہ ہی تلاش کا ارادہ کروں گا۔ لکھنے
کو تو صرف میں نے لکھ دیا۔ لیکن آج بھی اس دکھ کو یاد کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوتے
ہیں۔ آخر قصور کیا تھا؟ وہی لغزش قلبی۔

۲ء ۴۴۶ لاہور میں ایک سائل نے ایک پیسہ مانگا۔ میں نے ساتھی سے کہا کہ کہاں تک
سائل پورے ہو سکتے ہیں اتنے میں تانگہ آگیا۔ بیٹھ کر اسٹیشن پر پہنچے۔ ٹکٹ لے کر
جب گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور گاڑی چلنے لگی۔ تو رسی لوٹا یاد آیا۔ کہ تانگے میں رہ گیا۔ ایک
پیسہ کے بدلے پورے اڑھائی روپیہ کا جرمانہ کیا گیا۔ پھر تو ہوش آگیا۔

۳ء ۴۴۷ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ دلی دروازہ سے باغبان پورہ جانے کے لیے تانگے والے
سے پوچھا۔ تو چار آنے کہے۔ میں نے کہا۔ ایک دو اور سے پوچھ لوں۔ شاید کوئی کم پر لے
چلے۔ بس کیا تھا۔ جس سے پوچھوں۔ چھ آنے سات آنے۔ آٹھ آنے مانگے۔ پورے
نصف گھنٹے کے بعد پھر بھی پانچ آنے پر بٹھایا۔ وہ بھی تب جب اپنی غلطی کا اقرار
کر کے نادم ہوا۔

۴ء ۴۴۸ ملکوال کے اسٹیشن پر صرف تین آنے کے پیسے کے لیے وہ مصیبت اٹھائی کہ
مہینوں پاؤں باندھے پھرا۔ موٹر والے نے آٹھ آنے فی سواری طلب کیے اور ٹم ٹم والے

؏۱ بعض اوقات بعض الفاظ اور بعض خیالات حیران کن نتائج پیدا کرتے ہیں۔ سالک تعلق باللہ کے نور سے ان نتائج
کو ان قلبی یا زبانی اعمال سے وابستہ دیکھ کر سرِ نیاز جھکا دیتے ہیں عجز و انکسار بارگاہ ستار و غفار میں پیش کرتے
ہیں توبہ استغفار کرتے ہیں اور رحم و کرم کو دعوت دیتے ہیں اور عفو و کرم کے پھول حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ
ہمیشہ قائم رہتا ہے سالک کو اپنی زبان اور اپنے دل پر ہمیشہ پہرہ دینا پڑتا ہے کہ کہیں ان کی کسی لغزش سے وبال نہ آجائے۔

نے پانچ آنے - ہم دو آدمی تھے - ٹم ٹم پر سوار ہو گئے - خدا کی مار - نہ تو گھوڑا چلے - نہ سایہ نظر آئے - ادھر کوچوان اس بے چارے کو چابک پر چابک مارے - میں نے اسے کہا - فکر نہیں آہستہ پہنچ جائیں گے - لیکن اسے کیا معلوم کہ بندر[1] کی بلا طویلہ پر پڑے گی - آخر گھوڑے نے ٹھوکر کھا، دھم سے گر پڑا - مجھے بھی ایک دو جگہ معمولی سی خراش آئی - لیکن پاؤں کے چھترے پر جو خراش آئی تھی - اس نے کئی ماہ مجھے لنگڑا کر دیا - بہتیرے علاج کیے فائدہ کی بجائے الٹا زخم کھلتا گیا - کئی ماہ کے بعد خود رحم کھایا اور اچھا ہو گیا -

۴۴۹ للّٰہ شریف[2] کا عرس مبارک قریب آیا - تو خیال آیا - کہ والعصر[3] کی تفسیر اب کے صوفیوں کو سنا کر انھیں خوب بھلی بری سناؤں گا - عین روانگی کے دن اپنی حویلی کو جا رہا تھا کہ ٹخنے کی رگ میں راستہ میں جاتے ہوئے کانٹا چبھ گیا - جو فوراً اپنے ہاتھوں کھینچ لیا - لیکن جوں جوں ہوا لگتی گئی - رگ میں ہوا بھر گئی - آخر کئی دن لاچاری سے گذارے - بارگاہِ بے نیاز میں قصور[4] کا اعتراف کیا - تب جا کر کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد آرام ہُوا -

۴۵۰ موسم بخار تھا - خلقتِ خدا بیماری بخار میں مبتلا تھی - لیکن ہمارا گھر دار السلام[5] بنا ہُوا تھا - لنگر کے تمام آدمی اچھے بھلے تھے اور ایک مکان کی تعمیر شروع تھی جب چھت کے قریب پہنچی - تو مستری کو ایک دو دن کا کام تھا - اور مجھے بھی للّٰہ شریف کی کشش ہو رہی تھی - وہ گھر گیا - اور میں للّٰہ شریف لیکن جاتے ہوئے فیصلہ کر گئے - کہ ضرور اتر سوں چھت ڈالیں گے[6] - پھر کیا تھا - للّٰہ شریف میں ہی میں بیمار ہو گیا اور مستری بھی خدا معلوم کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا - باقی کارندے بھی یکے بعد دیگرے چارپائی پر گرتے

---

[1] یہ ایک محاورہ ہے کہ قصور کسی کا اور دھر لیا گیا کوئی - امتحان تو سالک کا ہو رہا ہے اور متعلقین کو بھی شامل ابتلا کر دیا گیا ہے -

[2] للّٰہ شریف تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم میں ایک قصبہ ہے یہاں حضرت اعلیٰ غلام نبیؒ کے وجود باجود سے ایک خانقاہ طریقت بنی حضرت کا عرس مبارک ۲۱ ربیع الاوّل کو ہوتا ہے -

[3] والعصر ان الانسان لفی خسر (پارہ تیسواں) صوفی حضرات کی قسم اول تو طلب الٰہی میں جیتی اور مرتی ہے لیکن اہل تصرف کی کامیابی راہ مولا میں دیکھ کر جو پست طبیعت لوگ اس کامیابی کے حال کو دنیوی طور پر پسند کرکے اس فن کے حصول کی طرف آتے ہیں یا ان کا داعیہ طلب کم دیکھنے کا ہوتا ہے اور شکل و صورت میں قسم اول سے ملتے جلتے ہیں اور مقصود اعلیٰ کے لیے قربانی دینے سے واقف نہیں ہوتے ان کو حقائق سنانے کا خیال فرمایا لیکن چونکہ مخلوق کے ادنیٰ اور اعلیٰ احوال خود خالق و مالک کی طرف سے ہیں اور سالک کو قدرت کے افعال پر منہ کھولنے کی اجازت نہیں اس لیے اس خیال کو بھی ناپسند فرمایا گیا اور تکلیف دی گئی -

[4] سالک کو خیال سے گرفت ہوتی ہے اور اس کا علاج بارگاہ بے نیاز میں اعتراف قصور اور توبہ استغفار کے سوا کچھ نہیں - [5] سلامتی کا گھر

[6] سالک کا ارادہ اپنا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ارادہ الٰہی کی اتباع ہو ؎ کچھ ارادہ ہو نہ میرا اگر ارادہ میں کروں ؎ جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ میں کروں

گئے۔ یہاں تک کہ کئی ماہ کے بعد بھی کسی کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ چھت بھی ڈالنی تھی۔ آخر پورا سال گذر گیا۔ کوئی سامان پیدا نہ ہوا جب کبھی ارادہ کیا۔ تو ایسا سخت مانع درپیش آیا۔ کہ پھر سب کچھ کیا کرایا رکھا رہ گیا۔ آخر مرحوم عابد (نور اللہ مرقدہٗ[1]) نے وفات سے چند دن پیشتر مجبور کیا تو میں نے اُسے اپنی غلطی[2] اور لغزش بتلائی کہ اصل حقیقت یہ ہے۔ اب کے میں باز آیا۔ تمہارے کہنے سے کام شروع کراتا ہوں۔ چنانچہ اب کے کام شروع ہو کر بخیر سرانجام ہوا۔

۴۵۱ ہمارے گاؤں میں ایک مستری آہستہ کام کرنے کا عادی ہے۔ جب کبھی مجھے اُس کی سستی اور کاہلی سے گریز کا ارادہ ہوا۔ تب ہی مجبور کیا گیا۔ کہ کام اسی کے ہاتھ سے ہو۔ یہ ایک دفعہ کا واقعہ نہیں۔ کئی بار کا ہے۔ تدبیر[3] کے برخلاف تقدیر کے عمدہ نتائج کئی بار دیکھے۔ ذیل کے واقعات نمونتاً پیش کیے جاتے ہیں۔

۴۵۲ ایک بار رقبہ کی آبپاشی کے لیے بہت بڑی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کئی بار تدارک ہوا۔ لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے فیل ہو گیا۔ چونکہ زمین شوردار تھی۔ اور پہلے سال ہی پٹہ میں آئی تھی۔ ساتھ ہی پٹہ خواہاں نے تدارک آب پاشی روک دیا تھا۔ اس لیے سخت مایوسی ہوئی اور پٹہ کا زر نقد مفت ضائع ہوتا نظر آیا۔ مگر مولیٰ کریم نے آخیر بھادوں میں وہ بارش کثیر اور وہ طغیانی عظیم بھیجی۔ کہ تمام جنگل منگل ہو گئے۔ اور دو سال زر پٹہ کی وصولی پہلے سال ہو گئی۔ اگر آب پاشی ہوتی تو آبیانہ کا خرچ زیادہ پڑتا۔

۴۵۳ گذشتہ سال کا واقعہ ہے۔ کہ ایک چاہچہ میں ہمارا اور ہمارے بڑے چچا صاحب کا ۱/۹ حصہ ہر ایک کا تھا اور چھوٹے صاحب ۷/۹ کے مالک تھے۔ مدت سے یہ

---

[1] اللہ اس کی قبر کو روشن فرمادے۔

[2] عارف پر احوال کھل جاتے ہیں خوشی اور غم کے اسباب معلوم ہو جاتے ہیں اور یقین ہوتا ہے کہ فلاں حالت فلاں سبب سے وابستہ ہے۔

[3] سالک کو تدبیر کے بھنور سے بار بار نکالا جاتا ہے اور اس کے حق میں تدبیر کے نقصان کو واضح کیا جاتا ہے۔ پھر جب سالک اپنی تدبیر کی نفی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو تقدیر کے وہ امور اس پر منکشف کر دیے جاتے ہیں جو تدبیر کرنے سے اُلٹے نتائج پیدا کرتے اور نتائج سالک کے خلاف جاتے۔

چھوٹا کنواں ویران تھا اور کاغذات میں انھوں نے اپنے نام کرالیا تھا جب ان کو یقین ہوگیا۔ کہ اب اُس کی میعاد گذر گئی۔ تو مرمّت کرانی شروع کی۔ حضرت عمّو جی صاحب[1] نے مجھے فرمایا کہ اپنا حصّہ طلب کرنا چاہیئے۔ میں نے عرض کی بے فائدہ ہے۔ وہ خوشی سے نہ دیں گے۔ آخر ان کے اصرار سے چھوٹے چچا صاحب سے طلب کیا۔ تو انھوں نے انکار فرمایا۔ نوبت بہ سختی رسید کا مسئلہ ہوگیا۔ اتفاقاً قاری اللہ بخش صاحب[2] بھی بحکم حضرت قبلہ میاں صاحب رح تشریف لائے ہوئے تھے۔ انھوں نے حقیقتِ حال سے مطلع ہو کر چچا صاحب سے بڑی منّت سماجت کی لیکن آپ نے فرمایا۔ حصّہ تو ان کا نہیں۔ آپ کے کہنے سے اتنا کرتا ہوں۔ کہ کنوئیں کا برج اکھیڑ کر اینٹیں اپنی لے لیویں۔ لیکن خود سوچیئے۔ اینٹیں ہمارے کس کام تھیں۔ انگور کھٹے کہہ کر چھوڑ دیئے۔ آخر چچا صاحب نے اسے مرمت کرایا۔ چوب چھلکے سے آراستہ کیا۔ لیکن میرے مولےٰ کو وہ منظور نہ ہوا۔ کہ ایک بار کاشت کی گئی تو بارش نے تخم ریزی بیکار کر دی۔ اور دوسری بار کاشت کی گئی۔ تو دریا کی طغیانی نے کاشت چھوڑ۔ کاشتکار کی جڑ اکھیڑ دی۔ آخر وہ چلتا بنا۔ آج تین سال ہو گئے۔ تمام کچھ بنا بنایا رکھّا ہے لیکن بیکار۔

۵۴ چونکہ میرے مکان کے قریب چاہ بچہ واقعہ ہوا ہے اور دریچہ سے ہر وقت اس پر نظر پڑتی ہے۔ تو ہر وقت مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] کی شان نظر آتی ہے! اور ہر وقت شاکر رہتا ہوں۔ کہ اس نے ہماری تمام کوشش بے سُود کی۔ ورنہ ہمارے پیسے بھی اس ویراں کنوئیں میں رہتے۔

---

[1] حضرت محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ جو حضور مدّظلہٗ کے چچا اور خسر تھے۔

[2] فیض پور ضلع شیخوپورہ (نزد شرقپور شریف) کے قاری اللہ بخش صاحب رح جو حضرتِ اعلیٰ بریلوی رح کے خلیفہ اور حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔ جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

[3] آسمان اور زمین کے کاموں کی تدبیر کرنے والا۔

۴۵۵ اگلے دن کا ایک واقعہ اس سے بھی عجیب ہے۔ کہ عرس حضرت قبلہ میاں صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ سے سات آٹھ ربیع الاوّل کو میں واپس ہوا۔ وفات[2] شریف کے عرس کے لیے گوشت کی ضرورت تھی۔ چونکہ گاؤں میں گوشت نہیں ہوتا۔ اس لیے اُس کے لیے دوسرے گاؤں میں تدارک کے لیے آدمی بھیجا۔ لیکن زمانہ کا نشیب، فراز عجیب و غریب ہے۔ کہ قدیم زمانہ[3] میں خانقاہوں اور مساجد دیہہ میں وہ لوگ رہا کرتے تھے۔ جو نہایت ہوشیار اور عقلمند چست اور ذی علم اور زیرک ہوتے تھے۔ کیونکہ لطیف[4] کی تلاش۔ لطیف طبیعت ہی اپنے ذمّہ لے سکتی ہے۔ لیکن زمانہ حاضرہ میں چست اور زیرک لوگوں نے دنیاوی رُخ لے لیا۔ اب رہے تو اپاہج اور کاہل۔ یا کودن بیکار۔ سو خانقاہیں اور مساجد اُن لوگوں سے پُر ہیں۔

۴۵۶ اس لیے ایک صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ تو کچھ ادھلیا سا کام کر آئے تسلّی نہ ہوئی۔ تو بڑے صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ کیونکہ پہلے صوفی صاحب کہتے تھے۔ کہ آٹھ سیر گائے کا۔ اور دس سیر بیل کا وہ گوشت دیں گے۔ جس میں سے صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ عقد بیع ابھی تک نہیں ہُوا۔ لیکن وہ گئے۔ اور آئے۔ کہ پہلا صوفی فیصلہ کر آیا ہے۔ قصاب گھر نہ تھا۔ گھر والی نے کہا۔ کہ وہ تمھارے لیے مویشی لینے گیا۔ میں نے بڑے صوفی جی کو کہا۔ نہ پہلے فیصلہ ہُوا نہ اب۔ پھر جاؤ اور جا کر پیشدستی (بیعانہ) دے آؤ۔ لیکن صوفی جی نے کہا۔ کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کل مویشی ضرور ہی لے آئیں گے۔

۴۵۷ دوسرا دن وفات[2] کا تھا۔ پہلے صوفی صاحب کو کہا گیا۔ جاؤ اور قصابوں کو لاؤ۔ وہ گیا۔ اور عمدہ گائیں قصابوں کے ہمراہ لایا۔ میں روضہ شریف کی فاتحہ سے آیا تو دیکھا

---

[1] حضرتِ اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شرقپور شریف میں یکم دوم سوم ربیع الاوّل کو ہر سال منعقد ہوتا ہے۔

[2] ۱۲ ربیع الاوّل کو عرس وفات شریف بیربل شریف میں حضرت اعلیٰ بیربلوی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے قائم ہے۔

[3] مذہب کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے مسجد و خانقاہ اس مقصد کے لیے بہترین مقام ہے عبادت و نیاز سے تعلق جڑتا ہے۔ لیکن جوں جوں دنیا کی محبت بڑھے گی عقل کی دُنیا رُوح کے مخالف چل کر مقصد پیدائش کے خلاف چلے گی اور یہ مقدس مقامات صرف بے مقصد لوگوں کی گزران کا ذریعہ اور مقام بن جائیں گے۔

[4] نہایت ذہین باہمت اور باشعور بلند درجے کا انسان اس مقصدِ عظیم یعنی معرفتِ الٰہی کے راستے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس کی عقل، جس کا فہم آخرت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کی ہمت آخرت کے لیے قربانی دے سکے اور دنیا کو پاؤں کے نیچے رکھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۱ پر)

خوشی ہوئی۔ لیکن جب جمگھٹا دیکھا۔ تو دریافت کیا معاملہ کیا ہے۔ حقیقت کھلی تو یہ
کہ کل کے دن بعد دوپہر ایک شخص دو روپیہ پیشگی (بیعانہ) اور دے آیا۔ جو چھوٹے
چچا صاحب کی طرف سے تھا۔ اب قصاب حیران کہ کس کو ترجیح دی جائے۔ بڑا
قصاب ہمارے رُخ تھا۔ کہ میں نے انھیں گوشت دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس کا نوجوان
بھائی ان کی طرف مائل تھا کہ پہلے ہم ان کے لیے گئے تھے۔ تو کوئی مویشی ہاتھ نہ آیا۔ پھر
ظہر کے وقت ان کا آدمی جب پیش دستی دے آیا۔ تو پھر یہ مویشی تلاش کیے گئے۔

۴۵۸ معلوم نہیں مجھے اطمینان کیوں تھا۔ حال وحقیقت سُنکر میں نے نہایت تسلّی
سے کہا۔ کہ جس طرح قصابوں کے خیال میں آئے کرلیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔
وہ اسی شش و پنج میں تھے۔ کہ ہمارے چچا صاحب کا ایک چرکٹہ (.... جوان ڈاڑھی
منڈا خادم) آیا اور مویشی کھول کر اپنی حویلی میں لے گیا۔ قصاب منہ تکتے رہ گئے۔ آخر
میں نے بنیں ۲ سیر گوشت دال کے لیے طلب کیا۔ قصاب نے دینے کا بھی وعدہ کیا
لیکن مہربانوں کی مہربانی کی وجہ سے وہ بھی میسّر نہ ہُوا۔ مگر پریشانی نہیں تھی۔ حلوا اور
دال کی تجویز کرلی اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ ابھی گھنٹہ بھر نہیں گذرا ہوگا۔ کہ ایک
آدمی آیا۔ اُس نے کہا ہم نے بیل ذبح کیا ہے جسے دبلا پتلا خیال کرتے تھے۔ وہ اچھا
موٹا نکلا ہے۔ ضرورت ہے تو لے جاؤ۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھنے کے لیے کہا۔
وہ دیکھ کر آیا۔ تو کہنے لگا گوشت اچّھا ہے۔ میں نے کہا۔ دو من کافی ہے لیتے آؤ۔ لیکن
تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہُوا کہ ساڑھے تین روپیہ میں تمام بیل کا گوشت اٹھا لائے
جو چار من کے قریب تھا پکّا اور خوب مزیدار پکّا۔ احباب نے پسند فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) ؎۵ کند ذہن

؎۶ یعنی عرس مبارک بارہ وفات

؎۷ حضرت اعلیٰ بیر بلوی غلام مرتضےٰ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک بیر بل شریف میں شہر سے مشرقی جانب قبرستان کے جنوب مغرب میں ہے۔ بلند چبوترے پر خوبصورت روضہ ہے روضہ کے اندر سنگِ مرمر کی خوبصورت قبر ہے جس پر ایک کتبہ ہے کتبے کے ایک طرف حضور رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ زندگی درج ہیں۔ روضہ کے شمال میں مسجد ہے۔ حضرتِ اعلیٰؒ کے وقت میں تعمیر ہوئی تھی اور بوسیدہ ہوگئی تھی۔ پیر و مرشد حضرت قطبِ عالم محبوبِ الٰہی محمد عمر صاحب بیام ظلّہٗ نے نئے سرے سے نہایت خوبصورت مسجد اسی جگہ تعمیر کی ہے۔

؎۸ عارف کا قلب عالمِ امر کے سامنے ایک آئینہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر نقصان دہ چیزوں پر مطمئن ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت ان میں نفع پوشیدہ ہوتا ہے۔

۴۵۹ اب تقدیر[ع۱] و تدبیر کا مقابلہ دیکھو اور تقدیر کی کامیابی دیکھو۔ کہ کس طرح ہمارے پیسے بچائے۔ کس طرح ان لوگوں کو نیچا دکھایا۔ جو ہمیں دکھانا چاہتے تھے۔ اور کس طرح ان کا خرچ بڑھایا اور ہمارا خرچ گھٹایا۔ یعنی تعبیر ہے وَمَکَرُوْا[ع۲] وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔

۴۶۰ لیکن ساتھ ہی یہ نکتہ[ع۳] یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر سالک کسی کا بُرا چاہے اور کسی پر کوئی وار چلانا چاہے تو وہ بعینہٖ اپنے پر واپس آئے گا۔ اور مقابل کا ذرہ بھر بھی نہ بگڑے گا۔ اسی کا نام رجعت[ع۴] ہے۔ ایسے واقعات ابتدا میں بہت پیش آئے۔ خود چچا صاحب کے لیے خود کرڈھتا تھا۔ لیکن نقصان اپنے دامن ہی پڑتا تھا۔

۴۶۱ اس پر شاید آپ کو اعتراض ہو۔ کہ پھر بعض موقعہ پر جو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فلاں بزرگ کی غیرت نے یہ کام کیا۔ وہ کیا۔ آخر اس کی وجہ بھلا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ولی ذاتی نقصان پر نظر رکھتے ہوئے اُسے نہیں دیکھتا۔ بلکہ اُس کے بُرے فعل پر اس کی نظر پڑتی ہے جو اس کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ اپنی بے ادبی سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی شوخی پر نگاہ جا لگتی ہے ورنہ اس وقت اگر سالک کو اپنی ذات نظر آئے تو وہ سالک نہیں بلکہ چارپایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد[ع۵] علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ "کہ اگر[ع۶] فقیر خود را از کافر فرنگ بدتر نہ شمارد فقیری بروے حرام است"۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ کہ میں ولی[ع۷] ہوں۔ کیونکہ اگر ولی نہیں جانتا تو اس کی ولایت کس کام۔ وہ کیونکر حقوق ولایت نگاہ رکھ سکتا ہے۔ تم خود نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک کسی کو کسی کی دوستی کا یقین نہیں ہوتا۔ تب تک اُس کے حقوق[ع۸] دوستی کو کہاں نبھاتا ہے۔

ع۱ تقدیر - پردہ کے اندر کی پوشیدہ باطنی تدبیر، تدبیر - پردۂ دنیا پر ظاہری انسانی تدبیر بسا اوقات ظاہر تدبیر کچھ اور ہوتی ہے اور اسباب ایسے بنتے ہیں کہ کام اس کے الٹ ہو گیا لیکن پھر قدرت دکھلاتی ہے کہ پوشیدہ تدبیر (یعنی تقدیر) کی نظروں میں تمہارا فائدہ مقصود تھا۔ ع۲ مخالفوں نے چال چلی اور اللہ نے (ان کے مقابلے میں) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے ع۳ سالک اللہ کے ارادہ کا مطیع ہوتا ہے۔ اور ہر تکلیف اور ہر راحت پر راضی اسکی یہ روش قدرت کو بہت پسند ہے اور اسی افتاد طبع سے اسکے دوست کو قدرت اپنا دوست سمجھتی ہے اور اسکے دشمن کو اپنا دشمن لیکن اگر سالک اپنے مخالفین کے خلاف خود کوئی ارادہ کرے اور اس کو عمل میں لائے تو گویا اُس نے اللہ کی سرپرستی قبول نہ کی اور یہ خطرہ بھی لاحق ہو گیا کہ شاید خود اسکا اپنا نقصان ہو جائے۔ ع۴ روحانی مرتبے سے گر جانا ع۵ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ع۶ اگر فقیر اپنے آپ کو فرنگی کافر سے بدتر شمار نہ کرے تو فقیری اس پر حرام ہے ع۷ ولایت بلند کیفیات کا ایک مجموعہ ہے جب کیفیات پختہ ہو جاتی ہیں تو زمین کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے خود صاحب کیفیت کس طرح بے خبر رہے۔ ہاں یہ لطیف کیفیت بھی اُن سب کا ایک کھلا حصہ ہے کہ یہ سب منعم حقیقی کی عنایت ہے اور اسکا ظہور رہے ہیں تو صرف ایک مظہر ہوں اور مجسمہ ع۸ کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ رحیم کریم کا تعلق ہے لیکن جتنا تعلق ایک ولی اللہ عارف سے ہے اتنا کس سے ہے؟ اور دوستی کے ظاہر حقوق بھی ہیں اور باطن کے حقوق بھی ہیں اور لطیف حقوق ان سب پر مستزاد۔ ان سب حقوق کی نگہداشت ولایت کے فرائض سے ہے۔ یقین ولایت ہی ولی کے ذہن کو آتا ہے اور ادائے فرائض دوستی کو پختہ تر کرتی ہے۔

بلکہ سالک کی نظر فی حد ذاتہ[1] اپنے عیوب پر ہوتی ہے اور فی حد صفاتہ مالک حقیقی کے کرم و عنایت اور فضل پر ہوتی ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر جانتا ہے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو اس کا ولی بھی جانتا ہے۔ فَتَدَبَّرْ[2] فِی ذٰلِکَ الْمَقَامِ فَاِنَّہٗ مَزَلَّۃٌ لِلْاَقْدَامِ۔

۴۶۲ عَرَفْتُ رَبِّیْ[3] بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ کا جملہ پُراز معرفت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زبان مبارک پر کیوں آیا تھا۔ صرف اسی تربیت جلالی کا نتیجہ تھا۔ گو جمالی[4] معرفت کا درجہ از حد بلند ہے۔ تاہم جلالی[5] معرفت بھی ایک نہایت بلند شان رکھتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اتنی جرأت کی، کہ حضور رب العالمین سے کَیْفَ[6] تُحْیِ الْمَوْتٰی کا سوال کر بیٹھے اور اَوَلَمْ[7] تُؤْمِنْ کا خطاب پایا۔ لیکن ایک جلالی تربیت یافتہ کی کیا مجال۔ کہ وہ ایسے کلمے منہ سے نکالے اس کا دل بوقلمون حقیقتوں سے اس قدر متاثر ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز اس کے لیے معرفتِ الٰہیہ کا گنجینہ ہوتی ہے۔ ساتھ ہی قدرت کا زبردست ہاتھ اس کے سر پر ہوتا ہے۔ اس کو اطمینان قلب کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہی اس کے اطمینان کے لیے کافی ہے۔

۴۶۳ میرا ارادہ تھا۔ کہ اس باب میں کچھ اور لکھتا۔ لیکن اتنا لکھنے پایا تھا۔ کہ سیلاب عظیم دریائے جہلم کے ذریعے میرے ارادے توڑ دیے گئے اور میرا قلم لنگڑا کر دیا گیا۔ مجبوراً یہ کہتا ہُوا رخصت ہوتا ہوں۔ جو کچھ اس باب میں لکھا گیا۔ سالک کی وضاحت کے لیے کافی ہے اور یہی خلاصہ ہے۔ جو آج پھر اس ذاتِ بے نیاز نے از سرِ نو تازہ کیا ؎

اندکے[8] پیشِ تو گفتم واز غم دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

---

[1] یعنی سالک کی بشریت چونکہ ہر وقت ساتھ رہتی ہے اور اس کا ملاحظہ مور کو اپنے پاؤں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے لیکن صفات عالیہ بھی ہیں جو محض اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے یہ دولت عطا فرمائی یہ بشریت کا کمال نہیں۔ بشریت تو ہر کجا ہے جہاں صفاتِ عالیہ کا خیال بھی نہیں آتا۔

[2] یہاں غور کریں کیونکہ یہ بہت باریک راستہ ہے جہاں سے گزرنا مشکل ہے۔

[3] میں نے اپنے اللہ کو اس طرح پہچانا ہے کہ وہ پختہ ارادوں کو توڑ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ارادوں کے خلاف عمل فرماتا ہے اور اُن کو اپنی ذات کے ارادے میں فنا ہونے کی مشق کراتا ہے تاآنکہ وہ خود کچھ نہیں چاہتے بلکہ عکسِ ارادۂ الٰہی ہوتے ہیں۔

[4] جمالی معرفت جو نرمی رحم و شفقت بخشش و عطا کی وجہ سے ہو۔ [5] جلالی معرفت جو آزمائش و امتحان اور مجاہدہ اور ریاضت سے وابستہ ہو۔

[6] (الٰہی) تو مُردوں کو زندہ کیسے کریگا؟ [7] (خطابِ الٰہی) کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟

[8] میں نے تھوڑا سا غمِ دل کا بیان تیرے سامنے کر دیا اور ڈر تا رہا کہ کہیں تو پریشان نہ ہو جائے ورنہ کہنے کی باتیں اور بھی بہت سی ہیں۔

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ[1] - ساتھ ہی یہ بھی اقرار ہے کہ یہ باب طویل الذیل[2] ہو گیا ہے لیکن ؎

لذیذ[3] بود حکایت دراز تر گفتم

؎ نہ بود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

۱؎ پس اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والے ہیں اور وہ بہترین رحم والے ہیں -

۲؎ لمبے دامن والا (دامن دراز) مراد کافی لمبا -

۳؎ یہ حکایت لذیذ تھی اس لیۓ میں نے اسے لمبا کر دیا

حِصّہ دوم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷

؎ بدانکہ ولایت ثلثہ و ایں کمالات و حقائق سبعہ و دیگر مقامات کہ نے ازاں دریا دریں قرطاس تراوشے یافتہ ہمہ متوسلانِ ایں خاندان شریف را معتبر ہست۔ بعضے بولایت قلبی بلکہ در دائرہ امکان، و بعضے بولایت کبرای بکمالات ثلثہ نادرے بحقائق سبعہ و جز آں فائز مے شود۔

و ازیں است کہ در حالات و تاثیرات ایں عزیزاں تفاوتہا است کہ حالات و علوم ہر مقام جدا است۔ چنانچہ نمونہ ازاں تحریر یافتہ۔

بالجملہ در ولایت قلبیہ تاثیر و حالات با ذوق و شوق ظاہر شود و در کمالات نبوت و حقائق سبعہ جمعے یا صفا در لطائف ہر یک پیدا گردد۔ کہ دریں جا تجلیات ذاتیہ بے پردۂ اسماء و صفات ظہور دارد۔ کما لایخفیٰ علیٰ اھلھا۔ و تفصیل ایں مقامات و معارف در مکتوباتِ مجدد علیہ الرحمۃ مذکور است۔

بالفعل در ایں کمالاتِ ثلثہ و ایں حقائق سخن نمودن رسمے بیش نیست۔ استعداد کجا و کرا لیاقت ایں مقامات بلند است ؎ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند — نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

بشارات معمولۂ ایں خانداں بے تحقیق آثار علامات در خارج باطن سالک مسموع نیست مگر" موشے بخواب اندر شتر شد" در دو حالات باشد پس بے خطرگی و دوام نگرانی و فناء ہوا و فناء ارادہ با فناء انا ضرور است۔

حضرت ایشان ما رضی اللہ عنہ مے فرمودند قریب است کہ راہِ تسلیک تمام مقامات مجددیہ مسدود شود۔ و اشارہ بقربِ انتقال خود فرمودند۔

معلوم نیست کہ بر روئے زمین کسے قوت تسلیک تمام مقامات باشد۔ محمد احسان اللہ در روضۃ القیومیہ کہ در مقامات مجددیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نوشتہ نیز نقل ایں معنی نمود۔ پس جذبات و کیفیات ولایات وسعتہا و نیرنگیہاء کمالات نبوت و دیگر مقامات گواہ صدق حصول مقامات کافی است از وہم خیال چہ مے شود بہ اشارت ایں حقیقت مغرور ساختن و مردم را در غلیہ انداختن چہ فائدہ۔ فائدہ نیست مگر ظاہر را باتباع سنت آراستن و باطن را بدوام حضور و توجہ بجناب الٰہی سبحانہ منور داشتن درویشی چیست، یکساں زیستن و یکسو نگریستن ؎

تا ز قید خود پرستیہا دمی آسودمے
ہمچو مظہر کاش راہی با خدا بودی مرا،

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھلے لفظوں یہ اقتدار فرمایا۔ کہ ہر ایک کو ایک جیسی نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی تمام سالکین منازل سلوک کلیہ طے کر سکتے ہیں۔ بلکہ موجودہ دور میں یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی عبارت سے واضح فرمایا۔ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ اصل نسبت کیا ہے۔ کمالات نبوت کیا ہیں۔ اور کمالاتِ ولایت کیا۔ اور صرف دعوٰی کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور وہم و خیال کی حقیقت اس راہ میں کچھ بھی نہیں۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ کیفیات اور اذواق و وجدان اور اسی پر نسبت کا دار مدار۔

بھلا جن دوستوں کو کیفیات و اذواق نے کبھی اپنا چہرہ بھی نہ دکھایا ہو۔ اور بے خطرگی و دوام نگرانی کا ملکہ بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ اور ساتھ ہی فناء ہوا فناء ارادہ فناء انا کے مدارج بھی طے نہ کیئے گئے ہوں۔ تو پھر کیونکر ایسے صوفی کو صاحبِ کمالات ولایت یا نبوت خیال کیا جاوے۔

کسی کی شہادت لے کر اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بے حقیقت ہے۔ بلکہ اپنی شہادت اپنے حق میں ایک نیک شہادت ہے۔ بشرطیکہ نفسی وساوس سے پاک ہو۔

نتائج

پروانہ ہائے عشق کی حالت

۱ نتائج دیکھنے دکھانے کی چنداں ضرورت نہ تھی جبکہ دُنیا نے خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیے تھے۔ پنجاب بھر کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہیں رہا۔ جس کے اندر حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ، مہذب با اخلاق، خدا یاد، بے ریا، روشن چہرہ موجود نہ ہوں لاہور جیسے شہر سے جب یہ لوگ گذرتے تھے۔ تو بازاروں میں اُنگلیاں اُٹھتی تھیں کہ میاں صاحب کے خادم جا رہے ہیں۔ گاڑیوں میں غیر مذہب کے لوگ پہچان لیتے تھے۔ لاہور ٹانگوں کا اڈا[1] اُن کے نورانی چہروں سے ممتاز رہتا تھا اور گذرنے والے تاڑ جاتے تھے کہ یہ پروانہ ہائے عشق کا جمگھٹا ہے جو شرقپور جا رہا ہے۔ لاریوں میں جب کسی کی نظر پڑتی تو سب صاف لباس اور مقطع ڈاڑھی کے نوری فرشتے نظر آتے۔ گاڑی بانوں تک ان لوگوں کا احترام کرتے تھے۔ راستے کے مُسافر انہیں سلام کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سکّہ اتنا روشن تھا کہ پہلی نظر میں آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ خود شرقپور شریف کے لوگ اور باشندے ان زائرین سے عقیدت رکھتے تھے کہ جتنے لوگ بھی حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کی خدمت میں آتے ہیں۔ بے ریا۔ عبادت گذار۔ صُوفی صافی ہیں۔ لیکن اِن کی حالت یہ ہوتی کہ بھرے بازار میں آنکھ[2] نہ اُٹھاتے۔ گردن ڈالے قدموں پر آنکھیں لگائے بازار سے نکل رہے ہیں۔ اور یہ نہ دیکھتے کہ بازار میں کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ لاہور جیسے پُر رونق شہر میں سے گذر ہوتا اور وہ بھی ڈبّی بازار اور کشمیری بازار سے ہو کر۔ لیکن کوئی خادم ایک گھنٹہ بھی اپنا وقت اِس تماشائے اعجوبہ پر صرف نہ کرتا۔ کیونکہ اُستادِ مشفق کی تعلیم یہ تھی کہ "بازار سب سے بُری جگہ ہے"۔ اور دل کو اتنی سردی[3] پہنچائی گئی تھی کہ دنیا وی حرارت آتی ہی نہ تھی۔

---

[1] اس زمانے شاہی مسجد کے جنوب میں موٹروں اور تانگوں کا اڈا تھا شرقپور شریف جانے والے یہیں سے سوار ہوتے تھے۔

[2] جب دل کے حواس اپنے باطن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دنیا کے غیر ضروری نظارے اور مشاغل از خود چھوٹ جاتے ہیں۔

[3] نفس حرارت غریزی میں خواہش کی گرمی پیدا کر دیتا ہے اور حواس اس گرمی سے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ہر دلچسپی کو اپنا لیتے ہیں۔ لیکن ولایت اور معرفت کی تاثیریں نفس کی یہ کیفیت ختم کر دیتی ہیں اسی کو سردی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اثر صحبت

۲ خود لاہور کے لوگ جو فلسفیت اور دہریّت کی فضا میں پیدا ہوئے جن کی نشو ونما فرنگی تہذیب سے ہوئی۔ جن کی تعلیم کا اکثر حصّہ لامذہبیت پر شامل ہے۔ وہ بھی آپ کے اس کمال کے معترف ہیں۔ غیر مقلّد اصحاب جو پیر پرستی کو شرکِ اکبر کہتے ہیں، یہ بھی اِس بدیہی امتیاز کے قائل تھے کہ حضرت میاں صاحب نے جس کو ہاتھ سے چھو دیا ہے وہ کُندن ہو گیا اور خالص مسلمان۔ شرک سے پاک صاف اور عبُودیتِ الٰہیہ کا پُورا پُورا مظہر بن گیا۔

۳ بڑے بڑے شہروں کے لوگ جو مغربی علوم کی اعلیٰ ڈگریاں لے کر دُنیا کے بڑے جلیل القدر مراتب پر سرفراز تھے اور جن کے خمیر میں فرنگیت تھی وہ خود حاضرِ خدمت ہُوئے اور پہلی شرف بابی پر پکے دیندار ہو کر اُسوۂ حسنہ[1] کے عاشق ہو بیٹھے۔ میں سینکڑوں کے نام گِن سکتا ہوں جن کو تعلیمیافتہ دنیا جانتی ہے اور اُن کی پہلی زندگی کئی ایک خاص امتیاز رکھتی ہے مگر جب سرِ نیاز تسلیم کیا تو پھر گیا ہو گئے[2]۔ لیکن جب میرا مقصود ذاتیات کا ذکر کرنا نہیں بلکہ ایک عام تبصرہ کرنا ہے اس لیے لکھ نہیں سکتا۔

۴ اگر ایسے حالات کے ہوتے ہوئے اس باب میں ایک لفظ بھی نہ لکھا جاتا تو مناسب تھا بلکہ بہتر تھا۔ مگر ایک مکرم دوست نے جو ایک کامل بزرگ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اور کئی بزرگوں کی خدمت سے سرفراز رہ کر خلعتِ خلافت سے ممتاز ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات پر آنسو بہاتے ہُوئے لکھّا کہ میرے پیر و مرشد کے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا، کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تو بڑے کامل تھے لیکن دیا کسی کو کچھ نہیں۔ ہاں اگر اُسے (مجھے) دیا ہو تو معلوم نہیں۔ وہ دیکھے نہیں" ان کو تو اپنے موقعہ پر جواب دیا گیا۔ لیکن اس فقرہ نے میرے دل پر خاص اثر کیا۔ موجودہ فقر[3] کی حقیقت سلف صالحین کے فقر کی حقیقت سے الگ ہے جس امر کے لیے پہلے بزرگ عمریں صرف کرتے اور اُس کے

سالکین کا تصوف اور موجودہ دور کا تصوف

---

[1] اُسوۂ حسنہ، حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عادات و اخلاق و اعمال۔ حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے اندر باہر بدل گیا، دنیا پرستی چلی گئی اور خدا پرستی آگئی [2] یعنی اپنے حال میں مست اور دنیا کے نظاروں سے بے نیاز ہو کر چلے جاتے۔
[3] سلف صالحین کے فقر میں ان کے ناقص ماحول کا کوئی اثر نہ ہوتا، ان کی الٰہولی فنا ہوتی، لیکن موجودہ دور میں اکثر بے ہمت لوگوں نے ماحول کا اثر قبول کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے خواہش کی فنا نہ ہوتی اور اسی فنا کا نام فقر تھا اب فقر کا نام ہے لیکن حقیقت نہیں۔

حاصل کرنے کے بعد جب اپنی نیستی پاتے تو دنیا و ما فیہا کی کامیابی جانتے ۔ آج اس کا خیال بھی کسی ایسے بھلے صوفی کے دماغ میں نہیں آتا بلکہ موجودہ دور کا تصوّف کچھ ایسا نرالا ہو گیا کہ قدیمی تصوّف کی ایک سادہ جھلک بھی اِس میں نظر نہیں آتی ۔

۵ موجودہ دور میں تصوّف ایک علمی درسگاہ[۱] ہو گیا ہے اور خلافت ایک زرکش مشین خیال کی جاتی ہے ۔ اور اکثر لوگ اس میں اپنا روپیہ صرف کرتے ہیں اور اپنا وقت خرچ کرتے ہیں ۔ تاکہ ایک دن اِس تجارت[۲] سے فائدہ اٹھایا جائے ۔

۶ بعض احباب اعتراض فرمائیں گے کہ یہ کہنا غلط ہے بلکہ مجاہدہ و ریاضت صرف تہذیب نفس کے لیے کیا جاتا ہے اور پیر کی صحبت تہذیب اخلاق کے لیے حاصل کی جاتی ہے ۔ نذر و نیاز خدائے عزّ وجل اور رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی کے لیے دی جاتی ہے ۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نام ہی نام ہے اِس کے اندر کچھ اَور ہے ۔ ورنہ تہذیب نفس اور تہذیبِ اخلاق سے مُسترشد کو محبوبیت[۳] کا درجہ کیونکر نہ حاصل ہو ۔

۷ جہاں تک میری وسعت نظر کام کرتی ہے ۔ اکثر احباب کو خاص[۴] تہذیب، خاص اخلاق میں تو پکا پایا جاتا ہے ۔ لیکن جب عام تہذیب اور اخلاق میں موازنہ کیا جائے تو سوائے صفر کے ان کے اندر کچھ نظر نہیں آتا ۔ آخر اس کی وجہ کیا ؟

۸ موجودہ زمانہ میں بزرگ کی عنایت یہ سمجھی جاتی ہے کہ خلافت کے حاصل ہوتے ہی لاکھوں کی تعداد میں مرید ہو جائیں اور ہزاروں روپے ماہوار حاصل ہونے لگیں اور دنیا کہنے لگ جائے کہ فلاں بزرگ کا فلاں خلیفہ ہے اور ایسا لنگر رکھتا ہے ۔ ایسا ہے، ویسا ہے ۔ لیکن اصل صفاتِ صوفی کی طرف کسی کی توجّہ تک نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ نہیں جانتے کہ کونسا وصف اِس میں ہے جس کے لیے اُسے خلافت عنایت ہُوئی اور یہ کہ خلافت دینے والا کس[۵] درجہ کا انسان ہے ۔

۱؎ اصطلاحیں یاد کر لینا ۔ شکل میں امتیاز پیدا کر لینا اور زعم، کبر کا مظاہرہ کرنا وغیرہ عاداتِ ناقص موجود ہیں ۔ ۲؎ بے ہمتی کی وجہ سے دنیا داروں کی طرح روپیہ حاصل کرنے کا خیال دامن نہیں چھوڑتا ۔ ۳؎ جب مُرید مُرشد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی مقبولیت محبوبیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اسے محبوب سمجھتا ہے اور یہ اس کی اپنی محبت عامہ کا اثر ہوتا ہے ۔ ۴؎ خاص تہذیب شکل و صورت ۔ ورد وظائف، سنت کی وہ قسم جو ایک خاص استعمال تک محدود ہے حالانکہ سنت تو حضورؐ کی زندگی مبارک کا ہر قول و فعل ہے لیکن معاملات اور وہ افعال جو عام برتاؤ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ خاص قسم کے صوفی ناکام رہ جاتے ہیں ۔ صبر، خودداری، توکّل وغیرہ اخلاق کی مشق نہیں کرائی جاتی ۔ ۵؎ خلافتیں بہت سی ہیں بعض علمی ہیں بعض رسمی اور کسی سلسلے کی اصل خلافت وہ ہے جو کامل مرشد اپنے تربیت یافتہ مرید کو عنایت کرے ۔

۹ جس ہستی کے مٹانے کے لیے کئی سال صرف کیے گئے تھے۔ اگر وہ پہلے سے بھی زیادہ چالاک۔ زیادہ قوی اور زیادہ روشن ہو جائے تو پھر ایسی "فنائے نفس" سے کیا حاصل؟ بلکہ اسفل السافلین میں لے جانے والی یہ "فنائے نفس" قرار دی جائے گی۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک اور اس کی انتہا

۱۰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی دیگر صفات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اسی طرح "عقلِ کُلّی" میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے تاڑ لیا تھا کہ موجودہ دور میں کونسی بات تصوّف میں تباہ کن ہے۔ اِس لیے آپ نے ایک ایسا طریقہ سلوک اور رُشد و ارشاد اپنی جدتِ طبع سے پیدا کیا۔ جو متاخّرین سے الگ تھا۔ آپ نے کسی سالک کو کبھی یہ نہ فرمایا۔ کہ یہ کچھ تم نے حاصل کر لیا یا بعد کچھ باقی ہے بلکہ کامل سوار کی طرح اپنے گھوڑے کو منزلِ مقصود کی طرف گاہے دوڑاتے، گاہے چلاتے۔ اور کبھی آرام دیتے۔ لیکن ہمیشہ سفر کی دُوری کا منظر دکھاتے کہ سفر کا اختتام اُسی وقت ہے۔ جب مراحلِ عمر[1] اپنی آخری منزل پر پہنچ جائیں گے۔ اور سفر اُسی وقت کامیاب اور سعادت مند خیال کیا جائے گا، جب راستے کی تمام منازل بخیر و خوبی طے ہو جائیں گی۔ ورنہ سب کچھ بے[2] سُود۔

آپ ریاکاری سے سخت متنفر تھے

۱۱ ریاکاری اور عُجب[3] کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اخلاص و نیاز کے جوہر بالکل مفقود ہیں۔ دنیا بھر کی جواہری منڈیاں چھان ڈالو۔ لیکن کسی جگہ یہ جوہر آج نہیں ملتے۔ لیکن حضور قبلہ نے اپنے متوسّلین میں یہ صفت ایسی راسخ پیدا کی کہ جو بھی نظر آتا ہے، ٹھوس اور بے لاگ۔ تسبیح تک ہاتھ میں نہیں۔ لیکن ہر وقت مراقب۔ لیکن وہ مراقبہ نہیں، کہ جس میں تصنّع اور ریاکاری ہو، بلکہ وہ مراقبہ جو چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہو۔ اور اندر ہی اندر یہ آگ سُلگ رہی ہو۔

اخلاص ہی اخلاص پسند فرماتے

۱۲ عام لوگ کہتے ہیں کہ میاں صاحب رحؒ نذر و نیاز قبول نہ فرماتے تھے۔ نہیں، قبول فرماتے تھے۔ لیکن کونسی؟ جو سراسر اخلاص اور نیاز سے پیش کی جاتی۔ اعمال میں بھی وہی بات پسند فرماتے

---

[1] فقر و ارشاد گو اسلام کا انتہائی درجہ ہے لیکن کوئی مقام زندگی خطرات سے خالی نہیں۔ اس لئے انجام بخیر کی فکر میں عمر بھر ساعی رہنا ہی حقیقی اور پائدار کامیابی ہے۔

[2] اگر خاتمہ میں نقص آگیا تو کتنی محرومی ہوگی کہ زندگی اور محنت سب کچھ برباد۔ اسلئے پائدار کامیابی اور انجام کی بھلائی ہی کو مقصود بنانا چاہیئے۔

[3] تکبر اور عُجب حرام ہے خواہ وہ کسی نیکی پر ہو۔ دکھلاوا تو توحید کے بالکل منافی ہے۔ صوفی کو اپنی نیستی اور توحید کے اثبات کے لئے ہر عمل کی چھان بین کرنی چاہیئے کہ کہیں کسی عمل کو کیڑا تو نہیں لگ گیا۔ بس اخلاص و محبت اور صداقت میں تصنع کو دخل نہ ہو۔

کہ جس میں ذرّہ بھر بھی شائبہ ریاکاری نہ ہوتا۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مارتے اور "کالا ئے بد[1] بریش مالک" کا عمل ہوتا۔

۱۳ اب وہ لباس جو خاصانِ خدا کا ہے، وہ ہر جگہ پھٹا ہوا نظر آتا ہے، اکثر بزرگوں نے تو یہ لباسِ فقر سرے سے ہی الگ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ادب[2] وہی ہے جو دل میں ہو جیسا کہ بھنگی لباسِ عُریانی میں آکر کہتے ہیں کہ لباس اور کپڑے کی کیا ضرورت ؟ جبکہ لباسِ اخلاص سینے کے اندر ہو اور پیر و مُرید تو بیشک ہمراز ہو کر باتیں کریں۔ برابر بیٹھ جائیں۔ ہنسیں اور مذاق کریں لیکن اصلی ادب کی بابت کیا کہا جائے۔ جبکہ وَ[3]اللّٰہُ علیٰ کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ صوفی کا نظر ہے اور وَاللّٰہُ[4] مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ مُّحِیۡطٌ اُن کا عقیدہ ہے۔ پھر ننگے سر بیٹھ کر مجلس کرنا۔ ننگے سر مربّعہ نشست خدائے ذوالجلال کو حاضر ناظر جان کر یَا[5] اللّٰہُ۔ یَا رَحۡمٰنُ۔ یا رَحِیۡمُ یَا کَرِیۡمُ یا رَقِیۡبُ پکارنا چہ معنے وارد ؟ فَاِنَّ[6] الۡمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ کا حکم پڑھتے ہوئے مسجد کی بے ادبی کرنا اور اُسے اپنا خانگی تکیہ جاننا کیا معنے رکھتا ہے ؟

۱۴ اور بعض پاک نفوس نے ادب کی تعلیم کی طرف اگرچہ توجہ فرمائی بھی ہے تو اپنے حضور میں کہ باادب بیٹھیں باادب کلام کریں۔ باادب سلام کریں۔ لیکن حقیقی ادب کا پتہ تک نہیں دیا۔ اکثر صوفی مراقبہ۔ مذاکرہ اور دیگر مؤدّبانہ اعمال میں ایسے بے ادب دکھائی دیتے ہیں۔ کہ الٰہی توبہ ! کھانا کھاتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ تک زبان پر نہیں آتی۔ اور سر کی چوٹی ننگی کر کے فرنگیانہ تہذیب سے کھاتے ہیں۔ واقعہ یاد آگیا۔ کہ جب میرے ہاتھ کھانے کے لیے دھلائے جاتے، یا خود دھوتا تو صرف ایک ہاتھ دھو کر حسب عادت سابقہ دستر خوان پر بیٹھ جاتا۔ حضور میاں صاحب رح ایک دن تشریف لائے اور پہلا ارشاد اس طرح فرمایا۔ کہ "فرنگیوں کی طرح ایک ہاتھ دھونا اور دُوسرا چھوڑنا کتنا بُرا ہے۔ اب تو بڑے بڑے لوگ بھی اسی طرح کرنے لگ گئے اور سنّت پر عمل نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھایا جائے"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی۔ اب دونوں

---

[1] بُرا سودا مالک کے منہ پر دے مارو [2] ادب کی اکائی اپنے پیر و مرشد سے شروع ہوتی ہے جب یہاں ادب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے آداب کیسے ملحوظ ہوں گے اور کس طرح عمل میں آئیں گے [3] اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے [4] اور اللہ تعالیٰ اُن سب کے اردگرد احاطہ کئے ہوئے ہے۔

[5] جب اللہ کے ناموں کو یا سے ندا دی جا رہی ہے تو اس کی حضوری کیوں خیال میں نہ ہو اور حضوری کے آداب کیوں ملحوظ نہ ہوں۔

[6] مسجدیں اللہ کے لئے ہیں تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو۔

اسرار کی حقیقت

ہاتھ دھوتا ہوں اور ہمیشہ دھونے کے وقت حضور کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔

۱۵ یہی وجہ ہے کہ عام مریدین نے ادب کو صرف پیر و مرشد کی حضوری کے لیے ضروری سمجھا ہوا ہے۔ خدائے علام الغیوب[1] کے کسی امر میں یا نہی میں کسی قسم کے ادب کا خیال بھی نہیں کیا جاتا لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِن آداب مریدانہ پر یکدم قلم کھینچ دیا اور وہ آداب تعلیم کئے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ارشاد فرمائے تھے جسے اُسوۂ حسنہ کہتے ہیں اور تمام شب و روز میں انھیں مدِ نظر رکھنا صوفی کا ایک اوّلین فرض ہے۔

۱۶ تقویٰ[2] جس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (لباسِ پرہیزگاری سب سے عمدہ لباس ہے) اس لباس کی اب وہ تنگی اور بے مائگی ہے۔ کہ سوائے طہارت بدن کے اب کسی صوفی پر یہ نظر نہیں آتا۔ تقوے کو لباس کہنے کے معنے یہ تھے کہ ہر گھڑی ہر آن ہر حال اور ہر موقعہ پر جس طرح لباس انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تقویٰ بھی ایک مسلمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صوفی سے کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ وہ اس سے جدا ہو جائے۔ اگر کسی وقت جدا ہو جاتا ہے تو ایک بھاری کمی ایک مسلمان میں ہے۔ فقیری تو الگ رہی۔ یہ تو ایک مسلمانی لباس ہے اُسے فقیری سے کیا واسطہ؟

(حاشیہ: حقیقتِ تقویٰ)

۱۷ حضرت قبلہ مرحوم و مغفور فرمایا کرتے کہ لوگوں نے ذکر و اذکار فقر کا لازمہ خیال کیا ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ تو مسلمانی کا لازمہ ہے اور تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ ارشادِ باری ہے۔ يَذْكُرُوْنَ[3] اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔

(حاشیہ: آپ کا ایک ملفوظ)

۱۸ تقویٰ کے معنے موجودہ زمانہ میں نہایت تنگ کر دیے گئے۔ اور طہارت بدنی سے بڑھ کر اگر نماز تک اس کا حلقہ وسیع کسی ہستی سے ہو جائے۔ تو لبسا غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ باقی تمام حالات واقعات اور عادات کو اس سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر

---

[1] اصل مقصد فقر و فقیری ایسی لطافت حاصل کرنا ہے جو علام الغیوب کی لطافتوں تک پہنچ سکے اور جسمانی آداب اور روحانی اتقا کا عمل ہی ان لطافتوں کو پیدا کر سکتا ہے اور اسوۂ حسنہ بھی یہی عمل جسم و روح ہے۔

[2] تقویٰ: کسی ایسے عمل سے بچنا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خطرہ ہو۔ صوفی کو تو تقویٰ کی روحانی منازل طے کرنا چاہئیں تقویٰ کی جسمانی عملی صورتیں تو عام مسلمانوں پر بھی فرض ہیں۔

بے دین اس تقویٰ پر پھبتیاں اُڑاتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ نماز یا وضو دیکھو تو فرشتے معلوم ہوتے ہیں۔ معاملات اور اعمال دیکھو تو صاف شیطان۔ لیکن حضرت میاں صاحب نے اپنے متوسّلین کی جماعت کو اس تقویٰ کے وسیع تر معانی سے زینت دی اور ہر شعبہ زندگی کا دار و مدار تقویٰ پر فرض کر دیا گیا کہ اگر تقویٰ[1] نہیں تو سب کچھ اورادِ اذکار عبادات بیکار۔

حقیقتِ اتباع

۱۹ اِتباعِ سنّت کا جوہرِ گرانمایہ مسلمانوں سے اب ایسا گُم ہو گیا۔ کہ مُسلم آبادی کے اگر ایک ملین پر نظر کی جائے۔ تو حقیقی متبعِ سنّت کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں جُزئیات میں بہت سی جماعتوں نے اپنے لیے چند سُنن مقرر کر رکھّی ہیں جن پر وہ نہایت زور سے پابند ہیں لیکن اِن مقرر کردہ اور مجوّزہ زیرِ عمل سُنن کے علاوہ نہ تو توجّہ ہے۔ نہ خیال ہے بلکہ فرقہ بندی کے لیے اور اپنا تعصّب دکھانے کے لیے بعض اختلافی اِتباع پر کلہاڑیاں اور چھُرے نکال لیے جاتے ہیں۔ لیکن مُتفقہ اِتباعِ سنّت پر توجہ تک نہیں۔ مثلاً داڑھی۔ لباس۔ نشست و برخاست۔ اکل و شرب اور باقی آداب میں کوئی اختلاف کسی فرقہ کو نہیں لیکن تمام فرقے اس اتباع سے غافل ہیں اور ذرّہ بھر بھی توجّہ نہیں رکھتے بعض جماعتوں میں کچھ زیادہ شوق اتباع کا دیکھا بھی جاتا ہے۔ لیکن اندر کھوکھلا ہے۔

۲۰ آج اِتباع کے نام سے بھی مُسلمان ناآشنا ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم یافتہ اصحاب فرنگی[2] تہذیب کے اندر جذب ہو کر اسلامی تہذیب (اتباعِ سنّت) پر پھبتیاں اڑانے میں مصروف ہو گئے۔ اور دیہاتی اپنی جہالت میں گم ہو کر اتباع کے نام سے بھی ناآشنا ہو بیٹھے۔

اتباع کی عزیمت

۲۱ اتباعِ سنّت پر چلنے کی ہدایت دینا ایسی ٹیڑھی کھیر ہو گیا۔ جیسے جُوئے شیر لانا بلکہ دعوت دینے والے کا مضحکہ بعض وقت اُڑایا جاتا ہے اور بعض وقت دعوت دینے والا مشکلات کو دیکھ کر حوصلہ ہار بیٹھتا ہے۔ ایسے وقت میں کسی ایک کو بھی حقیقی اتباعِ سنّت

---

[1] ھُدًی للمتقین: نور باطن متقی لوگوں کے لئے ہے صوفی کے اعمال و اشغال کی غرض و غائت نورِ باطن حاصل کرنا ہے۔ اور تقویٰ کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں تو پھر بغیر خوفِ خدا کے ذکر و اذکار وغیرہ کا کیا فائدہ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرض ہے۔ لیکن مسلمان اس فریضے سے ناآشنا ہیں اور اہلِ علم کی فرقہ پرستیوں نے اتباعِ رسول صلعم کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں بلکہ ایک فرقہ کی اتباعِ رسول دوسرا فرقہ ناپسند کرتا ہے اور اس اتباع کو بھی اتباع سمجھنے میں تامّل کرتا ہے یا انکار کر دیتا ہے [3] انگریز نے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور معاشرہ اسلامی کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ بعض انگریز زدہ لوگوں نے سنت کا مضحکہ اُڑا کر اپنا رہا سہا ایمان بھی برباد کر دیا۔

پر راسخ کر دینا درحقیقت معجزہ اور کرامت ہے۔

۲۲ حضرت اقدس کی ذات بابرکات جس بیتابی اور جس لاپروائی سے اس تلاطم میں کود کر خلق اللہ کو شاہراہِ سنّت پر لے نکلی یہ آپ کا ہی حصّہ تھا اور اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ آپ کی پہلی کوشش اور پہلی توجہ اتباع سنّت پر تھی۔ جب یہ اتباع مکمّل ہو جاتا تو باطن پر توجّہ ہوتی بلکہ درحقیقت ظاہری اتباع باطنی نور (ایمان) کا مُمِد ہوتا تھا اور باطنی نور ایمان ظاہری اتباع کی جڑ ہوتی تھی۔

۲۳ اس صفت میں آپ کی جماعت موجودہ وقت میں سب سے ممتاز ہے۔ جب آپ کے وصال کے بعد صوفی محمد ابراہیم صاحب نے بمشورہ صاحبزادہ صاحب والاجاہ مولانا مظہر قیوم صاحب سلمہٗ ربّہٗ کُلاہائے اجازت حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجازوں کو حضرت صاحبزادہ صاحب سلّمہٗ ربّہٗ کے ہاتھ سے دلوائیں تو بعض احباب نے انکسارانہ عرض کیا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں لیکن برادرم سیّد نور الحسن صاحب نے کہا کہ تم لوگوں نے کیا کچھ سیکھا ناہے جس کے تم اہل نہیں بلکہ تم نے صرف سنّت نبوی علیہ السّلام کی دعوت خلق اللہ کو دینی ہے اور بس۔ اس میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔

۲۴ سلف صالحین کی تمام آبیاری صرف اسی درخت کی بنیاد اور جڑوں کے مضبوط کرنے میں صرف ہوتی تھی اور یہی فقر کی انتہا خیال کی جاتی تھی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس بنیادی پتھر کی طرف توجہ نہ رہی، جس کی وجہ سے اکثر غیر مقلّدین حملے کرنے لگے۔ کہ یہ لوگ سنّتِ نبوی علیہ التحیۃ سے بے بہرہ ہیں اور شرک و بدعت کے موجد اور ان کی تمام عمارت فقر کھوکھلی ہے مگر مرحوم و مغفور قبلہ مرشدم کی جماعت کو دیکھ کر یہ غیر مقلدین کی جماعت بھی عش عش کرنے لگی کہ اتباعِ سنّت کے سچّے حامی ایسے ہوتے ہیں اور اتباع سنّت کے دلدادہ ایسے ع سوا سنّت دے پانی بھی نہ چکھن

۱؎ ظاہری اتباع کے بغیر باطنی اتباع کے کچھ معنی نہیں۔ شریعت ظاہری اتباع کو کہتے ہیں ظاہری اتباع کی کمی یہاں تک پہنچی کہ علم کے مرکز بھی اتباع چھوڑ بیٹھے ایسی صورت میں سنتِ مطلقہ کو زندہ کرنا بے حد مشکل تھا لیکن حضرت اعلیٰ کی برکت سے سلسلہ شرقپوری میں ظاہر و باطن میں سنت کی اتباع کا ایسا دور دورہ ہوا کہ دیکھنے والوں کی انگلیاں اٹھتی تھیں۔

۲؎ فقرِ حقیقی کا اظہار اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں یہی ہے وہ فنا جو حضرت قطب العالم شرقپوریؒ نے پیدا کی ۳؎ سنت خیر الوریٰ میں اگر فقر کی جان آجائے تو یہی ہے جانشینی نبوت کا کارنامہ اور جسم کے بغیر جان کہاں ٹھہرے اس لئے حقیقی فقر سنت کا جسم رکھتا ہے اور اخلاص و محبت کی جان اور ایسے جسم و جان سے حقیقی اسلام بنتا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۹۵ پر)

ذکر حضرت قبلہ مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ

تصوف کی بنیاد

موجودہ زمانے کے تصوف کا نقص

حضرت کا فیض عام

۲۵ جن اَن مول جواہر انسانی کا ذکر کیا گیا۔ آج اس لامذہبیت اور فلسفیت کے دَور میں اصُولی طور پر صرف گم ہی نہیں۔ بلکہ ان کا نام تک بھی دلوں سے اُڑ گیا۔ ہر حالت میں خواہ دینی ہو یا دنیوی شطرنجی چال چلنا عقلمندی خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے نازک وقت میں اگر ایک پاک ہستی خزانۂ علام الغیوب سے یہ جواہر خلقی دنیا بھر میں بکھیر دے۔ اور دنیا کو اس سے اپنے طریقے سے بھر دے۔ تو کیا کوئی ہو گا کہ سخاوتِ عامہ پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہ دے کہ اس نے کسی کو کچھ دیا ہی نہیں۔ یا اُس نے بخل سے کام لیا۔ نہیں ہرگز نہیں ؏

فکرِ[1] ہر کس بقدرِ ہمّت اوست

جو کام آپ نے کیا۔ کسی دوسرے اہل اللہ کو اس کی طاقت کہاں؟ وہ کسی ایک کا گھر بھرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ تمام کائنات کو اچھے اخلاق میں، اچھے عادات میں، اچھے خیال میں، اچھے لباس میں اور اچھے اکل حلال میں دیکھنا چاہتے تھے۔

آپ کا مطمع نظر یہ تھا کہ مسلمان مسلمان نظر آئیں

۲۶۔ آپ کے یہ مدّ نظر نہ تھا کہ فلاں یہ کہلائے یا وہ کہلائے۔ بلکہ یہ پیشِ نظر تھا۔ کہ مسلمان مسلمان نظر آئیں۔ اور دنیا رسُولی رنگ میں رنگی نظر آئے۔ آپ کا خیال تھا کہ صبغۃ اللہ ساری دنیا پہ پھر جائے۔ نہ یہ کہ زید و بکر بن کر دنیا میں مشہور ہو بیٹھیں اور اپنی تمام قوتِ روحانی کسی ایک یا دو درختوں کی آبیاری میں صَرف کی جائے۔

۲۷۔ آپ نے اپنے ایک ممتاز خلیفے کو جو آپ کی عمر میں صاحبِ برکت و مُمِن تسلیم ہو چکے تھے۔ ایک خط لکھوایا کہ

"تم پیر[2] ہو چکے لیکن انسان بننے کی کوشش کرو۔ پیری کے گھمنڈ میں انسانیت کے حصول سے غافل نہ ہو بیٹھو۔" (ملفوظ)

حضرت کی کارگزاری

۲۸۔ جس شخص نے حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے آبیاری کردہ کسی ایک درخت کو بھی دیکھا ہے۔ وہ میری تحریر کو حرف بحرف صحیح پائے گا درخت اپنے پھل پھول سے پہچانا جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۴) ۲ اخلاص و محبت کے عمل میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ مخالف بھی اعتراف کیئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ سنت اور شریعت کو چھوڑ کر فقر کا دعویٰ آج کی پیداوار نہیں غلط قوتوں نے اسے بڑی دیر سے جاری کیا ہوا ہے یہ دور تو اسلام کے انحطاط کا دور ہے اس میں ایسا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے لیکن مخلص اور صاحب محبت کو اپنا راستہ متعین کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے

[1] ہر ایک کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔

[2] جب کوئی شخص کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے اور خلق اللہ اس کی عزت کرتی ہے تو وہ فطرتاً بلندی محسوس کرتا ہے اور اپنی تکمیل۔ اگر نفی اور نیستی کا سبق پوری طرح یاد نہ ہو یا اپنی کمتری کے اسباب موجود نہ ہوں تو ایسا شخص انہیں عزت کرنے والوں کو کمتر سمجھتا ہے۔ اور یہ نقص بشریت کا بنیادی نقص ہے۔

ہے) یا جس نے ایک دو دن حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے ایامِ زندگی میں شرفِ قیام کیا یا آپ کے ختم پر حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنی آنکھوں سے مکرر سہ کر رجاعت پر نظر دوڑائی۔ تو صاف بے اختیار کہہ دے گا۔ کہ جو کچھ لکھا گیا۔ کم لکھا گیا۔ اور جو کچھ وہ کر گئے یاد دے گئے۔ اس کے لئے یہ کاغذی پلندے کافی نہیں۔

۲۹ - کاغذی گلدستے میں نہ وہ اصلی رنگ ہے نہ اصلی بُو ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ اصل کی نقل اس کے بغیر اُتر بھی تو نہیں سکتی۔ جس طرح حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کی دید اور شنید میں بڑا فرق ہے۔ اتنا ہی اصلی گلشن آبیاری کردہ کی سیر اور میرے اس نقلی گلدستہ کے رنگ میں فرقِ عظیم ہے۔ بُوئے خوش اور لطافت تو کجا۔ نام تک نہیں۔

۳۰ - آپ نے اِس لباس تقوی۔ اِس اِتباعِ سنّت۔ اِس نیاز اور اخلاص کے اندر ایک ایسی تجلی[1] لگائی تھی۔ جو ہر گھڑی ہر آن اِن اوصاف کو روشن کرتی رہتی۔ جس طرح روئی کی بتّی کو تیل اپنی مدد پہنچا کر اُسے گُل نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح دل کے اندر ایک حوض محبّت بھر دیا تھا۔ کہ ان اوصاف کو دمبدم روشن تر کرتا رہے اور بجھنے نہ دے۔

وہ محبّت کیا تھی؟ وُہی محبت لم یزلیہ! ؎

وہی قلبِ سلیم[2] اے جان ہے آہ	جسے مارِ محبّت نے ڈسا ہو
نہ چین اس کو ہو بیٹھے اور لیٹے	تڑپتے ہی محبت میں مرا ہو

وہ محبّت سینہ میں رکھی تھی کہ ہاتھ اُٹھتے تھے اور آنسو رُخساروں پر سے نکل کر دامن تر کر رہے ہوتے اور زبان پر ہوتا تھا ؎

ظاہر و باطن ہو برائے خدا	چاہے خدا سے نہ سوائے خدا
دیدۂ[3] بینا ہو ہر اک موئے تن	محوِ تجلّے رہے روح و بدن

---

[1] وا ئر نگ خوب ہو۔ بلب اور قمقمے بیش قیمت ہوں لیکن کرنٹ موجود نہ ہو تو سب بیکار۔ شریعت کے لباس میں اگر طریقت کی روح نہ ہو اخلاص ہو محبت نہ ہو تقوئی نہ ہو اور انوارِ عالم کی عکس ریزی نہ ہو تو جسم ہے جس میں روح نہیں۔ ایسے جسم میں تاثیریں کہاں [2] قلب سلیم کی مختلف تعبیریں ہوئیں لیکن یہ نہایت عمدہ تعبیر ہے "وہ قلب سلامت ہے جس کو محبت کا زہر چڑھ چکا ہو" [3] جب اللہ کے نام کی مشق کی جائے اور قربانی دی جائے تو لازماً محبت الٰہیہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر محبوب کے سوا کوئی دوسری طلب بھی نہیں رہتی اور جب طلب بیدار و بیزار ہو تو مطلوب کا قرب یقینی ہے اور قرب الٰہی کا کمال مشاہدہ کی آنکھ کھول دیتا ہے اور جب مجاہدہ کے بعد مشاہدہ کی لذت مل جائے تو جسم و جان اس میں محو رہتے ہیں۔

گاہے گاہے رندانہ لب و لہجہ سے یہ نکل جاتا ؎

دلم[1] با من ہمیگو ید منم شاہباز لاہوتی — بہ سیرِ عالم قدسی پر یدن آرزو دارم

دریں وحشت سرائے من چرا باشم چرا باشم — کہ من در گلشنِ وحدت چمیدن آرزو دارم

اور کبھی یہ محبت دوسرے انداز میں یوں بول اٹھتی ؎

ہمہ[2] انبیا در پناہِ تو اند — مقیم درِ بارگاہِ تو اند

تو مہرِ منیری ہمہ اختر اند — تو سلطانِ ملکی ہمہ چاکر اند

اور گاہے محبت کی بانسری نغمہ زائے درد اس طرح بجتی ؎

خدا کس کو کہتے ہیں کیا جانتے تھے — ترے منہ سے ذکرِ خدا ہے محمد ﷺ

جسے کہتے ہیں سب کلام الٰہی — وہ تیری زباں سے سنا ہے محمد ﷺ

ترا وصل جنت ترا ہجر دوزخ — تری دید۔ دیدِ خدا ہے محمد ﷺ

۱۳۔ حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے جہلم پر جب حاضر ہوا تو مجھے نہایت شوق تھا کہ مجازوں کی زیارت کرکے اپنا ارمان نکالوں۔ بلکہ جناب حاجی صاحب سے میں نے یہ خواہش بھی کی کہ ان کے ناموں کی فہرست عنایت ہو۔ لیکن حاصل نہ ہو سکی۔ پھر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کے مجمع پر جب میری نظر اٹھتی تھی۔ تو تمام چہروں کو دیکھتی ہوئی پار نکل جاتی تھی اور کسی ایک پر نہ جمتی تھی۔ کیونکہ تمام نورانی اور مبارک چہرے ایک جیسے تھے اور تمیز مشکل تھی۔ تاہم میں نے خیالی تصور سے بہت سے لوگوں پر نظر جمائی۔ کہ یہ مبارک چہرے ایسے ہیں۔ کہ خلافت اور اجازت عامہ ان کو حاصل ہو گی۔ لیکن دوسرے دن جلسۂ خاص میں مجاز حضرات اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک بھی نہ تھا جنہیں میں نے اپنے تصور اور خیال میں لے رکھا تھا۔

---

[1] میرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ میں شاہباز لاہوتی ہوں ؎ اور عالم قدس میں اڑنے کی تمنا رکھتا ہوں
اس وحشت کے گھر میں میں کیوں ٹھہروں ؎ میں تو وحدت کے باغ میں چلنے پھرنے کی آرزو رکھتا ہوں

[2] تمام انبیاء علیہم السلام تیری پناہ میں ہیں اور تیری بارگاہ کے دروازے پر مقیم ہیں۔
تو آفتاب ہے اور وہ تمام سیارے ہیں۔ تو ملک کا بادشاہ ہے اور وہ تیرے نوکر چاکر ہیں۔

ذکر و فکر کی جماعت اور حضرت کے متوسلین کا امتیازی صفت

۳۲ - اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرا قیاس غلط تھا ع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را[1]

کا مسئلہ تھا۔ بلکہ بعض اصحاب تو اپنے صفاتِ خاصہ میں ایسے ممتاز تھے کہ مجاز حضرات اُن سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جس طرح حکمتِ الٰہیہ گرفت سے پاک ہے۔ اُسی طرح اس کے اولیائے برگزیدہ کے اسرار اور حکمتیں گرفت سے بالاتر ہیں۔ اجازت اور خلافت کے لئے اوصافِ مذکورہ کے سوا کسی دُوسری چیز کی ضرورت ہے۔ جسے میں عقلِ عامہ سے تعبیر کرتا ہوں تاکہ وہ اپنے متوسلین کی ہر طرح کی نگہداشت اور ہر طرح کی تربیت کر سکے اور راستہ بتلا سکے ورنہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں ایک ایسی جماعت دیکھنے میں آئی کہ اپنی استعداد روحانی میں نہایت بالاتر اور جسے اپنے اور پرائے سے تعلق نہیں۔ مگر چونکہ خود حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ پر کمالاتِ نبوّت[2] کا غلبہ تھا۔ اور کمالات ولایت مغلوب ہو چکے تھے۔ اس لئے نگاہ انتخاب نے بھی انہیں پسند کیا جو کمالات نبوّت کا ظل ہو سکیں۔ خواہ کمالات ولایت کی اُن میں نمایاں کمی ہو۔

۳۳ - حضرت والا جاہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ نے جب مرض الموت میں جمعہ کے دِن مجھے رخصت فرمایا۔ تو میں نے فیض پور میں قاری اللہ بخش کے ہاں اقامت چند روزہ کا ارادہ کیا۔ تاکہ حضرت کی علالت کا یکسوُ نتیجہ دیکھے بغیر نہ جاؤں اور ہمیشہ کے لئے نہ روتا رہوں۔

صوفی رحمت علی صاحب کا ذکر

۳۴ - رخصت لے کر جب باہر نکلا۔ تو آپ کے ایک خادم رحمت علی[3] بھی ساتھ ہوئے۔ وہ بھی گھر سے حضرت کی بیماری سُن کر آئے تھے۔ اور جمعہ پڑھ کر جانے کا ارادہ تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ جمعہ اب کہاں، آپ تو بیمار ہیں۔ پھر یہاں جمعہ کی نماز تک رہنے کا کیا فائدہ ؟ اُس نوجوان نے کہا۔ آخر کہیں جمعہ تو ادا کرنا ہے۔ اس پر جمعہ ادا کرنے کے لئے میرے ہمراہ ہو گئے اور چار پانچ روز ہم دونوں اکٹھے رہے لیکن حیران ہوں۔ جب دیکھو اپنے خیال میں غرق۔

---

[1] کسی ایک بندے کو عمومی بھلائی کے لئے خصوصیت عنایت کی جاتی ہے [2] کمالاتِ نبوت میں سرفہرست بقائے کامل انتظار حکم باری، پھر اظہار انوار اور تربیت مخلوق، عقلِ کل، اور دانش عامہ اور اس کا اظہار تبتّل عن الخلق، محویت۔ فی التجلیات

[3] یہ وہی صوفی رحمت علی صاحب ہیں جو حضرت اعلیٰ کی تربیت سے صاحبِ کمال ولی اللہ بنے اور موضع گنگ ضلع لاہور کو گنگ شریف بنایا۔ اور شرقپوری سلسلے میں جن کا ظہور نہایت شاندار ظہور رہے اور عوام و خواص آپ سے فیض نسبت حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی زندگی لمبی فرمائے۔ امین۔

دوپہر ڈھلنے پر اٹھ کر باوضو قبلہ رُخ جنگل میں بیٹھ جاتا اور برابر شام تک اپنی حالت میں مست نظر آتا۔ اور پھر آدھی رات کو جاگ اٹھتا۔ عادات۔ اخلاق ایسے پاکیزہ کہ سبحان اللہ کیا کہوں۔ ایک دن مجھ سے کہا۔ کچھ سناؤ۔

۳۵۔ مَیں نے کہا۔ کہ نیک آدمی کو دھوکے بہت لگ جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اللہ کرنے لگتا ہے تو اس کی شہرت ہو جاتی ہے۔ جس پر لوگ دم۔ دُعا۔ تعویذ۔ گنڈا کرانے کے لئے اُس کے پاس دوڑتے ہیں۔ اور بے چارے صوفی کو دھوکا لگنا شروع ہو جاتا ہے کہ اب تو میں محبوبِ الٰہی ہو تا جاتا ہوُں یہ دعا میری منظور ہو گئی اور وہ کام میری بد دعا سے تباہ ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۶۔ اس پر ہمارا نوجوان صوفی کہنے لگا۔ کہ لوگ میرے پاس بھی تو آتے ہیں۔ اِس کے بعد پھر دم وغیرہ نہ کروں گا۔ اگلے دن ایک آدمی نے مشہور کر دیا کہ رحمت علی شرق پور شریف کے دروازہ پر مجھے ملا تھا۔ لیکن جب گاؤں میں آیا تو یہ یہاں تھا۔ لوگوں سے پُوچھا گیا۔ تو لوگ کہتے ہیں۔ رحمت علی کہیں نہیں گیا۔ اس پر وہ میرا بڑا معتقد ہو گیا۔ اور لوگ بھی حیران ہیں۔ مگر میں تو واقعی نہ گیا تھا۔ نہ وہ مجھے کہیں ملا بلکہ کسی پر میرا شبہ ہوُا، ورنہ مَیں تو یہاں تھا۔

۳۷۔ مَیں نے رحمت علی سے دریافت کیا کہ حضرت قبلہ مدظلہ بھی تم کو جانتے ہیں؟ کہنے لگا۔ کہ ہاں! کبھی رحمت علی فرماتے ہیں۔ کبھی رحمت اللہ۔ مَیں نے پھر کہا کہ کتنی مدت سے آتے ہو؟ کہا۔ دس بارہ سال سے۔ مَیں نے کہا۔ پھر تمہیں خادم نہیں جانتے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ جب کبھی حاضر ہوتا ہوُں تو بہت ہی کم حضور کی خدمت میں حاضری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف آپ نے کچھ فرمایا۔ دوسری طرف باہر جانے کا حکم ہو گیا۔ ازاں بعد دریافت کیا کہ شادی کی؟ کہنے لگا۔ مَیں نے شادی کرنا پسند نہیں کیا۔ ماں باپ نے بہت زور دیا تھا۔ لیکن مَیں نے

۱؎ جب محبت اور ذکر فکر اور مجاہدات سے روحی نسبت جسم پر غلبہ پا جاتی ہے تو پھر یہی نسبت اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور عالمِ امر کی مخلوق (ملائکہ) کی طرح بے ارادہ و با ارادہ مقام بدلتی ہے اور جذب سے متاثر ہو کر زمان و مکان کی قیود سے بالا تر ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے وحدت و کثرت کا عقدہ بھی کوئی مشکل عقدہ نہیں رہتا اور صاحبِ نسبت ولی اللہ کے اکثر کرامات اور بیشتر کمالات اس سے نکلتے ہیں لوگوں کے حسن ظن، اعتقاد اور محبت کا وسیلہ یہی نسبت بنتی ہے لوگ اسی نسبت پر شیدا ہوتے ہیں ؎ تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا۔

کہا۔ خواہش[1] نہیں۔ جب ہو گی دیکھا جائے گا۔

۳۸۔ اب خود سوچو۔ کہاں وہ صوفی صافی[2] جو مجسم شہوت ہوتے ہیں اور ہر گھڑی سنت نکاح میں سرگرم۔ بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے بہت سے ایسے بزرگ ہیں کہ ظاہراً اور پوشیدہ کئی کئی نکاح کر کے لذتِ نفس حاصل کرتے ہیں۔ بھلا جسے محبت الٰہیہ ہو۔ وہ ان گنت نکاحوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ اور سچی محبت سنتِ نکاح کا بہانہ اُس کے لئے چھوڑتی ہے۔ سچ ہے۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ط (خدا نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل پیدا نہیں کئے[3])

ایں مدعیاں[4] در طلبش بے خبرانند ۔۔۔ کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۳۹۔ مجھے اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا پر نظر نہ جمتی تھی۔ اور کہتا تھا کہ حضرت صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ کا جو بھی خلیفہ ہے۔ تعلیم و تعلّم کے سوا کچھ جانتا نہیں۔ نہ حلقہ مریدین زیادہ رکھتے ہیں۔ نہ وسعتِ رزق کا ڈھیر اُن کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جب سے اللہ تعالیٰ نے کچھ نظر بلند عنایت فرمائی اور اکثر خلفائے وقت مشہور اور غیر مشہور کا توازن کیا۔ تو اوصاف مذکورہ میں کوئی بھی ممتاز نہ پایا۔ بلکہ اکثر قلیل۔ ہاں حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ کے خلفاء کو جتنا پایا۔ ٹھوس پایا۔ بناوٹ ان میں نہیں۔ اور تقویٰ و دیانت سے لبریز۔ اور پیر و مرشد کے ارشاد پر کاربند۔ اور اپنے حالات پر قانع اور شاکر۔ اب میں انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ جیسے کامل تھے۔ ویسا ہی کام بھی کامل کیا۔

۴۰۔ حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر متوسلین (بلکہ کوئی اور شاذ ان کے سوا ہو گا) بلکہ بتمامہ نسبتِ باطنی سے سرفراز ہیں۔ اگرچہ وہ صاحبِ اجازت نہیں اور جن لوگوں کو اجازت بخشی گئی وہ میری نظر سے گذرے۔

۴۱۔ اصل میں وہ بموجب حکم آیت[5] فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ بارہ تھے۔ اور تیرھواں بارشاد اِنَّ[6] اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ ہے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ تمام امور میں وتر پسند فرماتے۔

---

۱ نفسی خواہشات عوام کو بلند نہیں ہونے دیتیں لیکن جب فضل خداوندی سے کامل مرد کی تربیت شروع ہو جاتی ہے تو عالم بالا کی تاثیرات سے روح و جسم بھر جاتا ہے اور نفسی خواہشات کھانا۔ پینا لذات نظارہ و نکاح مراتب و دولت دنیوی تمام دب جاتی ہیں اسی کو فنا کی تاثیرات کہتے ہیں لیکن جب فنا میں رہ کر تربیت مکمل ہو چکتی ہے تو پھر یہی ضروریات بشری ہوش سنبھالتی ہیں اور ہوش میں رہ کر اپنا وظیفہ حیات پورا کرتی ہیں ۲ جن بیچاروں نے کامل کی تربیت قبول نہ کی یا کامل نہ ملا ان کے ظاہر حالات گو بدل گئے۔ لیکن نفسی کیفیات کا غلبہ جوں کا توں رہا۔ اب جتنا موقعہ خواہشات کے پورا کرنے کا ملے گا اتنی خواہشات نفسی پوری ہوں گی۔ کھانا۔ پہننا۔ لذات شہوات۔ دولت کے حصول اور اس کے استعمال و ذخیرہ کی اقسام سے جی کھول کر حصہ لیں گے۔ اعاذنا اللہ ۳ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے (یعنی یا للہیت ہو گی یا نفس پرستی) ۴ یہ دعویٰ کرنے والے اس کی تلاش میں بے خبر ہیں جس کو خبر ہو گئی (یعنی یار مل گیا) ۵ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۶ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔

آپ کے مشہور خلفاء

۴۲ - قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ط کی تعمیل بھی اپنی زبان سے فرما گئے۔ لیکن اُن میں سے چار کو اصالۃً جانتا ہوں۔ کیونکہ آں حضور سراپا رحمت نے اِن چاروں سے تعارف کرایا۔

(۱) حضرت مولانا صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب[۲]

(۲) مکرمی حاجی عبدالرحمٰن صاحب[۳]

(۳) مشفقی جناب سیّد اسماعیل شاہ صاحب[۴]

(۴) برادرم سیّد نورالحسن شاہ صاحب[۵]

۴۳ - میری کیا طاقت کہ میں کسی کی حالت یا کسی کا درجہ دکھاؤں۔ لیکن تبصرہ لکھنے والا مجبور ہے کہ جو کچھ اُس کے ذہن میں آئے بلا کم و کاست احباب کے سامنے پیش کر دے۔ اس وجہ سے مَیں چند حروف لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

حضرت قبلہ مظہر قیوم صاحب

۴۴ - (۱) حضرت قبلہ مظہر قیوم صاحب سجادہ نشین مکان شریف سے تعارف نہیں بلکہ نیاز بمقام مکان شریف بموقعہ عُرس شریف کرایا گیا۔ گو حضرت صاحبزادہ صاحب والا جاہ آپ کے اخلاص مندوں سے تھے۔ لیکن حضرت رح ہمیشہ اُن کو مرشد زادہ اور سجادہ نشین کے درجہ میں دیکھتے تھے۔ اور اس اخلاص سے پیش آتے تھے جس طرح ایک اخلاص مند مرید اپنے مُرشد زادہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا اخلاص مند ہونا اور آں حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہونا صحیح اُس وقت معلوم ہوا۔ جبکہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے کلاہِ اجازت بذاتِ خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر مبارک پر رکھی۔ مجھ سے بڑھ کر احباب اور اخلاص مند اُن کے حالات۔ اخلاق۔ عادات سے واقف ہیں بلکہ مجھے شرفِ نیاز بھی زیادہ حاصل نہیں ہوا۔ جو کچھ زیادہ عرض کروں اور کروں بھی تو گستاخی ہے۔

حضرت قبلہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب

۴۵ - (۲) جناب حاجی عبدالرحمٰن صاحب کا تعارف محتاج بیان نہیں۔ جو بھی شرقپور شریف گیا۔ اور حضرت کے خادموں میں داخل ہوا۔ وہ حاجی صاحب کو جانتا ہے۔ عادات۔

---

[۱] ہر انسان نے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا۔ [۲] حضرت سید مظہر قیوم صاحب مکان شریف کے سجادہ نشین تھے۔ نہایت پُر درد طبیعت رکھتے تھے۔ قبر مبارک مکان شریف میں ہے۔ اب حضور کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ سید محفوظ حسین صاحب ہیں۔ علوم ظاہرہ و باطنہ میں کامل ہیں اور بحیلہ سیداں ضلع شیخوپورہ میں مقیم ہیں۔ [۳] حضور قبلہ میاں صاحبؒ کے خلفاء میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ قصور شریف میں مزار پُر انوار ہے۔ سالانہ عرس خاصے اہتمام سے ہوتا ہے۔ قبر مبارک مرجع خلائق ہے۔ [۴] حضرت قبلہ محمد اسماعیل شاہ صاحبؒ کی ذات بابرکت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی (وفات ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء) اور لاکھوں بندگان خدا نے آپ سے فیض پایا۔ [۵] حضرت شاہ صاحبؒ کے سوزِ محبت نے مخلصین کے سینوں میں تلاطم پیدا کر دیا۔ ان کی صورت و شکل اور لباس سے نسبت نمایاں تھی۔

اخلاق۔ اتباع اور تقویٰ میں بے مثل ہیں لیکن درد اللہ تعالےٰ نے ان کی ذات میں اتنا بھرا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ جب جمعرات کی سحری کو اذانیں کہتے اور درود شریف باآواز بلند ماذنہ (مینار مسجد) پر کھڑے ہو کر پڑھتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینہ بے کینہ شق ہو کر آواز آرہی ہے اور سونے جاگنے والے کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔ حالانکہ عام مجلس اور صحبت میں وہ کالعوام بیدرد نظر آتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ درد کو اتنا ضبط کر رکھا تھا کہ سوائے آواز کے کسی اور طرح ظاہر نہ ہونے دیتے۔ یہی درد تھا کہ جب حضرت قبلہؒ کے جہلم پر حاجی صاحب نے قرآن کریم پڑھا اور جب لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ[۱] کی آیت منہ سے نکالی تو دس بارہ ہزار کے مجمع میں سے کوئی ہو گا جس کے آنسو نہ پھوٹ آئے ہوں اس کے بعد هُوَ الَّذِیْ کہتا تھا کہ رونے کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اور پھر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کا منہ سے نکلنا تھا کہ قیامت کی طرح گریہ و زاری کا شور اٹھا۔

۴۶۔ اب خود سوچو کہ پہلے تو مجلس میں عربی دان بہت کم تھے۔ پھر جن الفاظ پر قیامت برپا ہوئی وہ ایسے نہ تھے کہ ان کے معانی درد سے بریز ہوں۔ لیکن خود حاجی صاحب کا درد ایمانی تھا کہ ھٰذا القرآن کی عظمت سے تھرا اٹھا۔ پھر هُوَ الَّذِیْ کی توحید نے آپ کے رگ و ریشہ میں جنبش پیدا کر دی جس نے سارے جلسہ کو ہلا دیا۔ پھر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی حقیقت ایمانی نے رہے سہے صبر کو بھی چاک کر دیا۔ لیکن واہ رے ضبط! کہ حاجی صاحب کے ظاہری چہرے پر ایک ذرہ بھی تبدیلی نہ ہوئی نہ آنسو پھوٹے نہ طبیعت میں کچھ تغیر واقع ہوا۔ یہ وہ صفت ممتاز تھی جو حضرت قبلہ مرحوم سے بالخاصہ آپ کو عنایت ہوئی۔

حضرت قبلہ رح کا درد کہ آپ کی ذات بابرکات میں بھی ایسا درد بھرا تھا کہ جو بھی سامنے آیا۔ جس سے بھی کچھ فرمایا۔ وہی سر ڈالے آنسو گرا رہا ہے۔ لیکن خود حضورؒ ہیں کہ پورے ضبط سے باتیں فرما رہے ہیں۔

---

[۱] اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے (تو تو اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ عاجزی میں گر جاتا اور اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے دیں تاکہ وہ فکر کریں۔

دوسرے کے دل میں درد کس وقت پیدا ہوتا ہے

۴۷۔ یہ یاد رہے کہ جب تک متکلم کے دل میں اثر نہ آئے دوسرے کے دل میں اثر ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دردانگیز قصہ سنا کر شکستہ دل کا دامنِ صبر پھاڑ دیا جائے۔ لیکن ایک بے درد کو درد کے بغیر جنبش نہیں دی جا سکتی۔

حاجی صاحب کا درجہ

۴۸۔ یہی ایک صفت تھی۔ جس نے حاجی صاحب کو صدیقیت[1] کے بلند درجے پر کامیاب کیا۔ اکثر جب کبھی کوئی شخص خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے تھے کہ

"عبدالرحمن جو مسجد میں تھا۔ اس سے بات کر لیتے۔ جاؤ عبدالرحمن سے کچھ پوچھ لو عبدالرحمن تم کو سمجھا دے گا۔" (ملفوظ)

۴۹ ا۔ جب سے میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے حاجی صاحب سے تعارف کرایا۔ جو کچھ آپنے فرمانا ہوتا تھا۔ اکثر آپ کی زبانی فرمایا کرتے تھے۔ جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ اکثر ان کی معرفت دریافت فرماتے۔

ب۔ حضرت قبلہ کی جُزرسی

ایک دفعہ حاجی صاحب سے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا۔ کہ کچھ ان پر قرض تو نہیں۔ پھر دریافت کیا۔ ان کی کیا حالت ہے، حاجی صاحب نے عرض کی کہ میں نے تو کچھ دریافت نہیں کیا۔ فرمایا" واہ اتنا بھی نہ کیا کہ اپنا آدمی آئے۔ اور اس سے اُن کی خانگی اور باطنی حالت بھی نہ پُوچھی جائے۔" چنانچہ حاجی صاحب نے میرے ہمراہی میاں دوست محمد سے دریافت کر کے عرض کی۔ آپ بہت خوش ہوئے۔

ج۔ پیر کو مُرید کی ہر حالت کا نگران رہنا ضروری ہے۔

تشییع احباب ضروری ہے

۵۰۔ خاص ارادت مندوں کی تشییع (روانگی) کے لئے حاجی صاحب کی ذات بابرکات کو انتہائی تھا۔ بلکہ ایک طرح اپنے قائم مقام روانہ فرماتے۔

۵۱۔ ایک بار قاری صاحب آئے اور رخصت لے کر روانہ ہوئے۔ میں خوف کے مارے بیٹھا رہا۔ کہ مبادا ان کے ہمراہ جانے میں گستاخی ہو۔ جیسا کہ موجودہ وقت میں پیر رگوں کے ہوتے ہی مصافحہ وغیرہ امور بے ادبی خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دروازے سے نکلنے پر آپ نے تبسم

---

[1] صدیقیت: قلبی اور سچی دوستی: حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت گہری قلبی محبت تھی جس نے فداکاری کے درجے عطا کئے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے حد شفقتیں فرمائیں اور اس تعلق محبت واطاعت نے خلافت کے پہلے درجے اور بلند ترین مسند پر بٹھایا۔
حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت اور جاں نثاری کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

بھی فرمایا۔ اور کہا "کہ ان کو آگے تک چھوڑ تو آؤ"۔ (ملفوظ)

آپ کا اجتہاد اور تقلید

۵۲ الف قبلہ حضرت مرحوم مجتہد[1] تھے۔ اور کورانہ تقلید کے سخت مخالف تھے بلکہ جو امر درست نظر آتا وہی اختیار فرماتے اور کسی کی پیروی نہ فرماتے۔ ہاں اگر وہ استحباب ہوتا۔ تو پھر سلف صالحین کے طریقہ پر اتنے راسخ تھے کہ فرضیت کا رتبہ نظر آتا۔

۵۲ ب سالک کے نزدیک مستحب فرض کا درجہ رکھتا ہے

حاجی صاحب کی عدم شہرت کا باعث

۵۳۔ اگر حضرت حاجی صاحب کو مرکزی خلافت گاہ میں نہ رکھا جاتا۔ تو آج ہزاروں کی تعداد میں آپ کے خادم اور متوسل نظر آتے۔ لیکن آفتاب کے ہوتے ستاروں کی چمک کہاں، ستارے کا وجود بھی نظر نہیں آتا بلکہ خود ستارہ اپنی ہستی سے شرمندہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے وجودِ باوجود کو حضرت قبلہ کی حیاتِ طیبہ میں فروغ نہ ہوا ورنہ آپ کی ذات میں کوئی کمی نہیں

۵۴۔ اب مجھے قوی امید بارگاہِ الٰہی سے ہے کہ اگر کوئی خاص مانع اور حجاب پیش نہ آگیا تو وہ دن دور نہیں کہ حاجی صاحب کی ذات بابرکات خواص اور عوام میں مغتنمات سے خیال کی جائے گی۔ اور مسدود دروازے روحانی آپ کے ایک اشارہ سے کھل کر شعاع[2] لاہوتی سے اکتسابِ فیض کریں گے۔

جناب سید اسمٰعیل شاہ صاحب

۵۵ الف (۳) جناب سید اسمٰعیل شاہ صاحب کی طبیعت نے حضرت قبلہ مرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات سے سکینت[3] حاصل کی۔ اتباع، تقویٰ، نیازمیں بے مثل نظر آتے ہیں اور نیاز آپ کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں درجہ امتیازی رکھتے ہیں۔ پیرومرشد رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ میں مسندِ خلافت کو اتنی رونق دی کہ کسی دوسرے کو یہ نصیب نہیں ہوئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ دیکھا کہ اُن کے متوسلین پر وہی جھلک اور وہی رنگ نظر آتا ہے۔ جو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں پر نظر آتا ہے سب کے سب نہایت متادّب۔ منکسر المزاج۔ سلسلہ بعیت میں اچھے اچھے عالم بھی داخل ہو رہے ہیں۔

۵۵ ب خلیفہ وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے مریدوں پر اس کے پیر کا اثر نظر آئے

---

[1] اجتہاد: جن مسائل کا حل مشکل ہو ان میں ایک موزون راستہ چلنا بعض اوقات علم میں اور فقر میں ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ علم و فقر کے مقتدا اپنی طبعی افتاد یا کسی خیالی جھکاؤ سے ایک راہ چلتے ہیں اور ان کے پیرو اس راستے کو سب سے اعلیٰ جانتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں علم ہو یا فقر کوئی ایسا مردِ مجتہد پیدا ہو جاتا ہے جو موزوں اور بے خطر راہ انتخاب کرتا ہے۔ فقر میں حضرت اعلےٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تعریف تھی۔ (بقیہ صفحہ ۲۰۵ پر)

۵۶ - میں ایک بار حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خادم مولوی عبدالحق دیوبندی فارغ التحصیل حسب الارشاد اپنے مُرشد حاضر حضور ہُوئے۔ حضرت قبلہؒ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا۔ کہ شاہ صاحب، اسمٰعیل شاہ صاحب سے تعلّق ہے۔ آپ نے تین چار روز اپنے ہاں ان کو ٹھہرایا۔ اور نہایت محبّت سے رخصت فرمایا۔

حضرت قبلہؒ اپنے خلفاء کے عقیدتمندوں سے نہایت محبّت فرماتے۔

۵۷ - اکثر شاہ صاحب کے خادم آتے۔ تو آپ مہربانی فرماتے۔ اور ان کو اپنے خادموں کی طرح جانتے شاہ عبدالغفور شاہ نوجوان لڑکے نے جب کلام اللہ شریف حفظ کر لیا۔ تو آپ نے شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ اَب میں دیکھتا ہوں کہ حافظ مذکور کے چہرے بشرے سے وہ انوار چمکتے ہیں۔ جو ایک ہونہار طبیعت اپنے کامل پیر سے جذب کر سکتی ہے۔ ضلع فیروز پور اور گرد و نواح کے لوگ جب شرقپور شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تو حضرتِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ”شاہ صاحب جو تھے۔ ان کے پاس چلا جانا تھا۔ ایک ہی بات ہے۔“ (ملفوظ)

شیخ اپنے مجازوں کے مریدوں کو اپنا مرید جانتا ہے

شاہ صاحب کا اثر

۵۸ - شاہ صاحب کی ذات بابرکات نہایت خائف واقع ہوئی ہے۔ کیا مجال کہ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں آنکھ بلند کر جائیں یا کوئی لفظ مُنہ سے نکال بیٹھیں۔ جب مرض الموت میں شاہ صاحب آئے تو دوسری صبح جب آپ دوائی پینے کے لئے اُٹھے اور نظر پھیر کر جو دیکھا تو شاہ صاحب مغرب کی جانب آپ کے سرہانے کی طرف بیٹھے تھے۔ آپ نے نہایت عوز سے توجہ فرمائی اور فرمایا۔ یہ تو ہمارے شاہ صاحب ہیں۔“ (ملفوظ)

شاہ صاحب سے حضرت قبلہؒ کی محبّت

۵۹ - سبحان اللہ! کتنا محبوب لفظ ”ہمارے شاہ صاحب“ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

(بقیہ صفحہ ۲۰۴) ۳۲؎ روحانیت لطافت کی بلند ترین قسم ہے۔ مادیت کی روکاوٹوں سے اُس لطافت کی روکاوٹیں کہیں سخت ہیں موانع کی وجہ پر نظر نہیں پڑتی لیکن بلند روحانیت کا مالک اپنی توجہ سے قلبی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ شعاع لاھوتی، ذاتِ الٰہی کے انوار اُن سینوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں جو سینے ابھی ابھی سخت ترین آلودگیوں سے آلودہ تھے۔

۳۳؎ فقر کی امتیازی خصوصیت یہی تین اوصاف ہیں۔ مسکنت۔ اتباع اور تقویٰ کسی طبع میں جب یہ جواہر موجود ہوں تو ایسا فقر شجرِ پُربہار ہے اور سلسلے کی رَونق۔

رخصت فرمایا۔

حضرت قبلہؒ کا استغناء کامل ولی کے نیاز ہوتا ہے۔

۶۰۔ حاجی صاحب موٹر پر بیٹھنے کے لئے ہمراہ گئے میں بھی ساتھ تھا۔ کہ سید نور الحسن شاہ صاحب اڈے والی مسجد میں پہنچے اور جیب سے دو سو دس روپیہ جو شاہ صاحب نے نذرانہ پیش کیا۔ واپس دیا۔ اور کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ سنا ہے۔ کہ "شاہ صاحب نے مسجد بنوانی ہے سو یہ رقم مسجد پر خرچ کر دیں"۔ (ملفوظ)

شاہ صاحب کا اخلاص

۶۱۔ شاہ صاحب کا اخلاص یہ تھا کہ جو کچھ لنگر سے بچتا تھا حضور کے لنگر[۱] میں داخل کر دیتے تھے گاہے اپنی حاضری پر اور گاہے اپنے خواص کے ذریعے نوٹ لے کر ایک لفافہ میں بند کر دیتے اور دو تین سو سے زائد رقم پیش کرتے۔ اپنے لنگر میں پوری قناعت اختیار کر رکھی تھی۔ اور اخراجات نہایت ہی معمولی بنا رکھے تھے۔ آخری سفر مکان شریف کے مصارف آپ کے نذرانہ ہی سے پورے ہوئے جو ایک مخلص کے ذریعے شاہ صاحب نے مبلغ تین سو روپیہ خدمت عالیہ میں پہنچایا۔

فقیر پیری میں جوان ہوتا ہے

۶۲۔ ابھی ان کی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ فقر جوانی[۲] میں اس وقت آتا ہے جب فقیر اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہو۔ ابھی انشاءاللہ بہت میدان وسیع ہے اور بہت کچھ امید ہے۔ وقت آئے گا کہ دنیا کہے گی کہ یہ فلاں قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْہِ۔

جناب سید نور الحسن شاہ صاحب

۶۳ و (۴) جناب سید نور الحسن شاہ صاحب کی بابت کچھ لکھنا بے معنی ہے۔ اکثر دوست ان سے زیادہ تعارف رکھتے ہیں۔ اور مجھ سے زیادہ ان سے واقفیت حضرت شاہ صاحب کو مابہ الامتیاز جو خاصہ حضرت سے عنایت ہوا۔ وہ "سوز"[۳] ہے آپ کی طبیعت عاشقانہ ہے۔ ان کے اور حضرت قبلہؒ کے راز و نیاز محبوبانہ تھے۔ پیری مریدی کا تعلق نہ تھا۔ گاہ ان سے ناراض معلوم ہوتے! اور گاہ ان پر فدا۔

۶۳ب پیر مرشد کے تعلقات بعض مرید مراد ہوتے ہیں۔

---

۱ لنگر: بزرگانِ دین کا مہمان خانہ جب اللہ کریم نورِ قدیم کے چشمے جاری فرماتے ہیں تو دروزہ دیگ سے مخلوق سیرابی کے لیے حاضر ہوتی ہے۔ اور بزرگ کی طبع کے مطابق ہر ایک کی مہمان نوازی ہوتی ہے اگرچہ لنگر کا تمام دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہوتا ہے اور پرشیدا امداد الٰہی پر تاہم تحفہ تحائف نذر و نیاز کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ خدمتِ شیخ ضروریات مرشد سے نہیں کامل مرشد وہی ہے جو بے نیاز ہو اور مستغنی لیکن خدمت کے بغیر مرید کی ادیت کو چوٹ نہیں لگتی اور جب تک مادیت شکستہ نہ ہو روحانیت کا داخلہ مشکل ہوتا ہے ۔ تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

۲ جب کتاب لکھی گئی حضرت شاہ صاحب قبلہ جوان تھے۔ یہ ایک فقیر کی پیشگوئی ہے کہ فقر بڑھاپے میں جوان ہوتا ہے۔

۳ خوشا وہ دل جو محبت کا امانتدار ہے حضرت مجدد الفثانیؒ فرماتے ہیں [illegible]

جتنا اختلاط حضرت شاہ صاحب سے آپ کو تھا۔ اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ اِس والہانہ طبیعت نے آپ کو ایسا بے اختیار کر رکھا تھا کہ بعض وقت خلافِ ارشاد دامنِ محبت نہ چھوڑتے۔ کئی بار آپؒ نے شاہ صاحب کو اپنے گھر رہنے کا ارشاد فرمایا۔ کئی بار فرمایا۔ کہ اپنی حیاتی میں تمہارا ثمر دیکھوں گا۔ گاہ شاہ صاحب کو محبت سے رُخصت کیا۔ اور گاہ خفگی سے۔ مگر ہفتہ گذرنے نہ پاتا۔ کہ شاہ صاحب آ دھمکتے۔ پہلے تو حضرتؒ قبلہ روحی فداہ دیکھ کر ناراض ہوتے۔ لیکن بعد میں اُن کی جبلّی طبیعت پر نظر فرماتے ہوئے مُرید و پیر شیر و شکر ہو بیٹھتے۔ شاہ صاحب کی طبیعت نہایت

۶۳ شاہ صاحب کی طبیعت

مُستعد تھی اور بے دھڑک۔ باوجودیکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر فریفتہ تھے۔ لیکن پھر بھی بے خوف بے دھڑک، آپ سے بات چیت کر لیتے تھے۔ اگرچہ مسندِ ارشاد پر بھی کبھی پاؤں نہ جاتے تھے۔ تاہم علاقہ کے لوگ اُنہیں نہایت پسندیدہ خصال خیال کرتے تھے۔ اور گردونواح کے لوگ اُن کے زیرِ اثر نظر آتے۔ کئی آدمی اُن کے تعلّق رکھنے والے دیکھے۔ شکر ہے کہ ان پر شاہ صاحبؒ کا اثر نمایاں نظر آیا۔ اور اُن لوگوں کو شاہ صاحب سے پُوری عقیدت ہے جیسا کہ لکھا گیا۔ وقت آئیگا۔ "سوز" کئی "ساز"[۱] پیدا کرے گا۔ اور ایک دن آئے گا کہ پیر و مُرشد علیہ الرحمۃ کے یہ فرزندِ ارجمند سپُوت کہلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عُمرِ دراز بخشے اور ہمارے لئے ان کو باعثِ سعادتِ دارین فرمائے آمین ثم آمین۔

۶۴۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کوئی ایسی طبیعت نہ رکھتے تھے کہ کسی کو بھی آپ کے متوسّلین سے آپ کی نسبتِ خاصہ کا اہل سمجھا جائے۔ اور ایسی پاک رُوحیں دُنیا[۲] میں بہت کم ہوتی ہیں کہ جن کی ذات میں فطرتی استعداد نہایت بلند ہو۔ جسے عام لوگ مادرزاد ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں کہ عالمِ طفولیت سے اُن کے آثار اور حالات الگ ہوتے ہیں۔ اور بچپن سے طبیعت کی اُفتاد منازلِ عشق میں واقع ہوتی ہے اور پیر و مُرشد کے تعلّق سے پیشتر ہی یہ لوگ ذاتی وسطہ باری عزاسمہ کے ساتھ رکھتے ہوتے ہیں۔ دیگر لوگ جو بعد سلوک اپنے میں پاتے ہیں۔ یہ لوگ اُس

مادرزاد ولی لوگوں کے بعض خصوصیات

---

[۱] وقت آیا اور سوز سے ساز پیدا ہوئے۔ شاہ صاحب قبلہ نے وہ مرتبہ پایا جو حضرت میاں صاحبؒ کی خصوصی نسبت کے لائق تھا۔ صاحب جذب کامل صاحب سلوک اتم تھے اور تاثیری نسبتوں نے کرامات کے باب کھول رکھے تھے رحمۃ اللہ علیہ۔

[۲] دنیا میں تضاد بھی موجود ہے اور اختلاف بھی اور کمی بیشی بھی اور یہی چیز اس جہان کا حسن ہے۔ اور حکمتِ الٰہی کا نمونہ اور ہر فن میں یہ فرقِ مراتب موجود ہے۔ سلوک الی اللہ جو مقصدِ اعلےٰ ہے انسانیت کا اس کے لئے بھی بعض لوگ فطرتاً تیار ہوتے ہیں اور ان کے احوال ان کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں اور عبادت و اطاعت میں وہ اوائل عمر ہی سے کمربستہ ہوتے ہیں۔ اخلاق و عادات میں وہ تربیت یافتہ لوگوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

سے کئی گنا بڑھ کر سلوک سے پیشتر دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ بلکہ آتشِ عشق کو صرف پیر و مُرشد ایک خاص ڈھنگ اور خاص طریقہ پر کم کرنے اور بڑھانے میں اپنی تربیت کو صرف کرتا ہے اور بس۔ خود تجلّی وارفتگی اور تموّج دینے کی پیر کو بالکلیہ ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض وقت ایسی پاک طبیعتوں کی وارفتگی کم کرتا ہے۔ ان کی آتشِ عشق پر آبِ محبت کے چھینٹے دیتا ہے اور اُسے مدھم کرتا ہے۔ بخلاف عام طبائع کے کہ ان میں پیر و مرشد اپنے قدسی انفاس[1] کی برکت سے آگ لگاتا ہے۔ تاکہ منزل سلوک کے لئے طالب تیار ہو سکے۔ اور مجاہدہ و ریاضت کی کٹھن اور مشکل گھاٹی پر بآسانی چڑھ سکے۔

۶۵۔ پورا اکتسابِ روحانی اُسی وقت ہو گا۔ جب دونوں طبیعتیں (پیر و مرشد) استعداد میں برابر ہوں۔ ورنہ مُرید اپنی طبیعت کے مطابق فیضان جمع کرے گا اور بس۔ آئینہ خواہ کتنا بھی چوڑا اور صاف ہاتھ میں لے کر شعاعِ شمسی کا اکتساب کیا جائے۔ لیکن معمولی انعکاس ہی حاصل ہو گا۔ انعکاس کامل آج تک کسی نے بھی آفتاب سے پیدا نہ کیا۔ کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں بلحاظ مادہ بلحاظ قد و قامت اور بلحاظ صفائی اتنا فرق ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۶۶۔ سو جہاں تک مجھے خیال ہے۔ کوئی ایسی طبیعت آپ کے سامنے ہوئی ہی نہیں جو پورا اکتسابِ فیض پورے طور پر کر سکتی۔ ہاں اپنی اپنی طبیعتوں کے مطابق ہر ایک نے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا۔ اللہ تعالٰی عز اسمہٗ کا ارشاد ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ[2] سو حضرت بابرکت کی ذات بابرکات تو ایک تھی لیکن اپنی اپنی طبیعت نے اپنا رنگ وجود باوجود سے حاصل کیا کسی نے مسکنت حاصل کی۔ کسی نے درد اور کسی نے جنون ؎

قسمت کیا ہر شخص کو قسّامِ ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا ۔۔۔ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

---

[1] کامل پیر کی ذات میں انوار الٰہی کا نور اور نسبت ذاتِ باری کا وزن اور ذکرِ محبوب کی گرمی اور محبت کاملہ کی تڑپ موجود ہوتی ہے اور یہی تاثیرات مرید مخلص کا کام کرتی رہتی ہیں اور اسے منزلِ مقصود پر لے جاتی ہیں۔

[2] زمین میں قریب قریب کئی ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ اور کھجور کے درخت دو شاخے ہوتے ہیں۔ اور دو شاخے نہیں بھی ہوتے۔ ان کو ایک ہی پانی ملتا ہے۔ لیکن ہم بعض پھلوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

۶۷۔ ہمیشہ میری یہی عرض رہی کہ درد نصیب ہو۔ اور اکثر تمنّا یہی رہی کہ کاش کبھی میرے ہونٹوں سے یہ آواز جنبش کھاتی ہوئی نکلتی ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را[2]   ذرّہ دردے دلِ عطّار را

لیکن قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔ تاہم شکر ہے کہ حضرت نظام الدّین اولیا[1] رحمۃ اللہ علیہ کی التجا کی جھلک کا اثر اس ذرّہ بے مقدار پر ہو کر ہی رہا اور یہ سب کچھ حضرت قبلہ رُوحی فداہ کی عنایت خاصہ کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

۶۸۔ اللہ اللہ! آپ فرمایا کرتے تھے کہ "پہلے جنون ظاہر تھا۔ اب وہ جنون اندر چلا گیا" (ملفوظ) یہ جنون کچھ کم درجہ کا نہیں۔ یہ وہ جنون ہے کہ حضرت نظام الدّین رحمۃ اللہ علیہ اس کے طالب بارگاہ صمدیت سے بایں الفاظ ہوئے تھے ؎

نخواہم[3] ذوقِ رندی نے ہوائے پاکدامانی   مرا دیوانہ خود کن بہر رنگے کہ می خواہی

۶۹۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود باوجود ہزارہا خوبیوں کا مجموعہ تھا۔ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق جو کچھ کسی نے فائدہ اٹھایا۔ وہی اُس کے لئے باعثِ عزتِ دارین ہے۔ اور وہی باعثِ افتخار۔ ہر ایک صفت۔ ہر ایک عادت ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ انشاءاللہ تعالیٰ حصّہ سوم میں اسے بیان کیا جائے گا۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے۔ اگر کسی کاشتکار کو مناسب اور موزون زمین میسر نہ آئے۔ تو اُس کا کیا قصور ؎

(حضرت قبلہ کا وجود باوجود ہزارہا خوبیوں کا مجموعہ تھا)

نصیب[4] من چو خرابات کردہ است اِلٰہ   ازیں میانہ بگو زاہدا مرا چہ گناہ

۷۰۔ تاہم یہ کمالِ قابلیت ہے کہ اپنے زیرِ تصرّف کسی قطعہ کو خالی نہ چھوڑے اور حسبِ طبیعت اور خواص کچھ نہ کچھ کاشت کر چھوڑے۔ اگرچہ وہ تمام مملوکہ میں پھول پھل نہ سجا سکے۔

(کمالِ قابلیت)

۷۱۔ اس کے بعد ایک تفصیلی انقلاب دکھلاتا ہوں تاکہ اجمال میں جب تفصیل نہ آئے حقیقت چہرہ کشا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ کسی دوسرے کی حقیقت دیکھنا اپنی نادانی ثابت کرنی ہوتی ہے

(تفصیلی انقلاب کا نقشہ)

---

[1] حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی حضرت باباشیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے۔

[2] کفر، کافر کو چاہیئے اور اسلام مسلمان کو چاہیئے۔ لیکن عطّار (شیخ فرید الدین عطار) کو درد دل (عشق) کا ایک ذرّہ درکار ہے۔

[3] نہ ہی مجھے رند بننے کا ذوق ہے اور نہ ہی پارسائی کا شوق ہے۔ مجھے تو تُو اپنا دیوانہ ہی بنادے جس طریقے سے تُو چاہے اے محبوبِ حقیقی!

[4] جب اللہ تعالیٰ نے میرا نصیبہ ہی مے کدہ بنایا ہے تو اے زاہد، تُو بتا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔

اس لئے اپنی حقیقت دکھائی عین حقیقت کہلائے گی۔ کیونکہ (لَیْسَ الْخَبَرُ[1] کَالْمُعَایَنَۃِ) "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ"۔

انوکھی طبیعت ہی انوکھی چیز کا انتخاب کرتی ہے

۷۲۔ میری فطرت نہایت آزاد، انوکھی، بے چین، حُسن پسند واقع ہوئی تھی۔ میرے دل میں ہروقت خواہشات اور تمناؤں کا تلاطم رہتا تھا۔ اِسی تلاطم نے مجھے گھر سے باہر بارہ سال بن باس[2] دیا۔ گاہ مجھے لاہور، دلی کی پروفیسری کا خیال ستاتا تھا اور گاہ مجھے آکسفورڈ[3] یونیورسٹی کے شعبہ مشرقیہ کی طالب علمانہ جدوجہد تکلیف دہ ہوتی تھی۔ جب کبھی خوبصورتی میری نگاہ میں آتی تھی۔ تو گھنٹوں اسی خیال میں محو تماشا رہتا۔ اور جب کبھی تعلیم معاش میں آکر اُس سے محروم رہتا۔ رات بھر آنکھ اس تجلی حسن کے لئے بیتاب رہتی۔ اس پر سکولوں اور کالجوں کی معاشرت اور تمدّن نے اسے کئی گنا زیادہ تقویت دے دی۔ فلسفہ اور منطق نے اِن خیالات کو اور ٹھوس کر دیا۔ ہر چیز پر فلسفی نظر تھی۔ صرف بیوی کی تلاش میں سات آٹھ سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ کیونکہ حُسن کا خیالی تصور مجھے کسی جگہ بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اور ناتمام حسن کی شکایت ہمیشہ دل آنکھوں سے کرتا تھا۔ اور آنکھیں اپنی تلاش میں ہمیشہ ناصبور رہتی تھیں۔ حُسن کو میرے دل سے ازلی مناسبت تھی۔ لباس خوبصورت۔ مکان خوبصورت۔ جانور خوبصورت۔ درخت خوبصورت۔ غرض خوبصورت اور انوکھی چیز پر ہمیشہ آنکھ جا بیٹھتی تھی۔ بازاروں سے گذرتے ہوئے نگاہِ انتخاب[4] اُسی چیز پر جا جمتی تھی۔ جو اپنے حسن میں بے مثل ہوتی۔

آزاد طبیعت تقلیدی طور پر کسی کا دامن نہیں پکڑتی۔

۷۳۔ اسی طبیعت حُسن نواز کا نتیجہ تھا کہ سالوں مرشد طلبی کا داعیہ سینے میں دبائے پھرتا۔ لیکن آنکھ کسی پر نہ گرتی تھی۔ بزرگ ہزاروں تھے۔ اولیاء سینکڑوں تھے۔ لیکن چوٹی کے بزرگ اور اولیاء اللہ کے لئے دل بیتاب تھا اور کسی دوسرے کا دامن خیالی عقیدہ سے اختیار کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

۱؎ اطلاع میں اور مشاہدہ میں فرق ہوتا ہے۔

۲؎ یہاں مراد مسافرت کی زندگی ہے حضرت قبلہ عالم اپنی ابتدائے جوانی میں حصولِ تعلیم کے لئے دلی اور لاہور رہے۔ اور مشرقی علوم کے امتحانات پاس کیئے اور انگریزی پڑھی۔

۳؎ حضور کا خیال تھا کہ مشرقی علوم کا کوئی حکومتی وظیفہ لے کر آکسفورڈ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ ڈی کریں گے۔

۴؎ جتنی طبع بلند ہو گی اتنی ہمت بھی بلند ہو گی اور پھر انتخاب بھی اتنا ہی کامل و مکمل ہو گا۔

تقلیدی محبت شرک ہے یعنی

۷۴ - جہاں میری اِس طبیعت نے ہزاروں دکھ دیے۔ مجھے ہر گھڑی بے چین رکھا - وہاں اسی طبیعت کی عنایت کا مَیں شکر گذار ہوں کیونکہ اگر ایسی نہ ہوتی تو اس شاہِ مُراد[1] کے ہاتھ میں ہاتھ نہ آتا۔ اور اپنے دیگر دوستوں کی طرح مَیں بھی خیالی بُت تراشی کر کے اس میں اوصافی رنگ سُنے سُنائے بھرتا رہتا۔ جس کا حشر وہی ہوتا جو ایک بُت تراش اور بُت پرست کا ہؤا کرتا ہے۔ لیکن شکر در شکر کہ جس قدر طبیعت بلند تھی۔ اسی قدر بلند رتبہ مُرشد عالی درجہ بھی ہاتھ آیا۔

انقلاب الحقیقت کا نام انقلاب کیوں رکھا گیا

۷۵ (الف) مُردہ اور افسُردہ طبیعت کو باآرام کرنا اور رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں جو پہلے مُردہ ہے اُس کا کشتہ بنانا کیا قیمت رکھتا ہے ہاں جوہر دار کے جوہر توڑنے کوئی معنے رکھتا ہے۔ سو مَیں نے اوراقِ ہذا کا نام اِسی وجہ سے انقلاب الحقیقت رکھا کہ میری طبیعت جیسی اکھڑ طبیعت اپنے ذاتی اوصاف بدل کر باآرام ہو بیٹھی۔ نہ اب وہ تلاطمِ تمنّا ہے۔ نہ وہ بے چینئ دل۔ نہ وہ ناصبُور آنکھ رہی اور نہ وہ حُسن جُو طبیعت گھنٹوں نہیں پہروں گذر جاتے ہیں۔ لیکن کسی سے واسطہ نہیں احباب کو شکایت ہے۔

کامل کی صحبت اخلاق، عادات غرض سب کچھ تبدیل کر دیتی ہے

۷۵ (ب) کہ بد اخلاق ہو گیا۔ لیکن بخدا مَیں جانتا ہوں کہ بد اخلاق نہیں ہؤا بلکہ بے پرواہ[2] ہو گیا اور لغویات سے دل سرد ہو گیا۔ بد اخلاق کی زبان چُپ نہیں ہؤا کرتی۔ دِل اطمینان سے نہیں بیٹھتا۔ اگر یہی بد اخلاقی میرے احباب کو ناپسند ہے۔ تو الہ العالمین مجھے یہ بد اخلاقی اور زیادہ عنایت فرمائے۔ مجھے با اخلاق ہونے سے کیا واسطہ؛ بد اخلاق ہو کر اُس کا جُنون حاصل ہو جائے تو مجھے اور کیا چاہئے آہ ؎

کافرِ عشقم[3] مسلمانی مرا درکار نیست — ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زُنّار نیست

مَیں تو ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ ایزدی سے التجا کرتا ہوں ؏

مرا دیوانہ[4] خود کُن بہر رنگے کہ مے خواہی

---

[1] اس سے مراد حضرت اعلیٰ اخر فیروزیؒ [2] جب طبیعت کسی حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے تو اسے باقی زندگی کی دلچسپیوں سے دلچسپی نہیں رہتی - اور وہ حادثہ طبیعت کو یکسو کر دیتا ہے۔ اگر کسی طبیعت میں ذاتی جوہر چمک اُٹھیں اور اس کے مشاہدہ باطن کی آنکھ کھل جائے تو یہ یکسوئی ظاہری مادی یکسوئی سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عارضی اور یہ دائمی، وہ وقتی ہوگی اور یہ مستقل، وہ بے مقصد ہوگی اور حسرت سے بھرپور اور یہ مقصود کا دامن ہاتھ میں لیے ہوگی اور مستند کار [3] میں تو محبت کا کافر ہوں (جس مسلمانی میں محبت نہ ہو) وہ مسلمانی مجھے نہیں چاہیے۔ اگر کفر کو جنو کی ضرورت ہے تو اس محبت کے کفر میں میری ہر رگ جنو کی تار بن گئی ہے اس لیے مجھے کسی تار کی ضرورت نہیں ہے [4] مجھے اپنا دیوانہ بنا لے جس طرح تو چاہے۔

انقلاب الحقیقت کے لکھنے کی غرض و غایت

۷۶ - اگرچہ تمام مزاجی اور فطرتی تدریجی تبدیلی بیان نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی چنداں اس موقعہ پر ضرورت تھی۔ لیکن کتاب ہذا سے مقصود صرف پیرو مرشد علیہ الرحمۃ کے رشد و ارشاد کا دکھانا مقصود نہیں بلکہ اُس کے ذریعے طالب کی حالت کا نقشہ دکھانا بھی مدّ نظر ہے۔

وہ اصل ہے اور یہ فرع۔

سالک کو کیسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے

۷۷ - تصوّف کی کتابوں سے مجھے وہی کتابیں پسند آئیں جو اس قسم کے مضامین سے لبریز ہیں۔ جن میں طالب اپنی زبانی اپنے منازل سلوک کے چشم دید کیفیات دکھائے اور سنائے تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے وہ مشعلِ ہدایت اور چراغِ راہ ثابت ہوں۔ ایسی کتابوں سے مَیں نے خود بہت فائدہ اٹھایا۔ اپنی کیفیات اور وجدانیات کا دوسرے کی کیفیات اور وجدانیات سے موازنہ کرنے سے صحت و سُقم کا پتہ چلتا رہتا ہے کہ آیا میری رفتار صحیح منزلِ مقصود کی طرف ہے یا راستہ میں کج رفتاری واقع ہو گئی۔

۷۸ - سو مَیں اپنے دوستوں کو مشورۃً عرض کرتا ہوں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ جس سے اپنی طبیعت کا موازنہ کیا جا سکے۔ اِس غرض کے لئے چند صفحے مجبوراً مَیں بھی لکھتا ہوں۔ ورنہ ذاتی تعلّی سے واسطہ نہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ[1] (اپنے شرِ نفسانی سے پناہ مانگتا ہوں)۔

نفسِ انسانی کا خاصہ اور صحبت و بیعت کا فلسفہ

۷۹ (الف) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ نفسِ انسانی[2] میں اللہ تعالےٰ نے وہ خاصہ عنایت فرمایا۔ کہ کائنات کی کسی دوسری چیز کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کو جس چیز یا جس امر کے ساتھ پیوستہ کیا جائے۔ اُس کے خواص قبول کرنے لگتا ہے۔ جانوروں کے ساتھ اُسے جوت دو۔ تو پورا جانور ہو بیٹھتا ہے۔ اور تمام حرکات و سکنات مویشیانہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر مویشیوں کو چھوڑ کر پرندوں سے اسے پیوستہ کر دیا جائے۔ تو اس کی طیرانی عقل بھی پرندوں کی طرح ہو نکلتی ہے۔ اگر شیطان کے نرغہ میں آجائے

---

[1] میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اپنے نفس کی شرارتوں سے۔

[2] انسان میں کائنات کی تمام قوتیں بھری ہیں۔ یہ اپنی متضاد کیفیات اور مختلف مواد کی وجہ سے تمام مخلوق سے ممتاز ہے۔ اور اسی جامعیت صفات نے اسے خلافت کے مقام پر بٹھایا۔ جس قوت کی تربیت ہو جائے گی وہی آگے بڑھے گی اور اس میں فطری کمال والوں سے بازی لے جائیگی۔

تو اس کا چیلا اور وہی ہُوبہُو دکھائی دیتا ہے۔ لیکن گا ہے اگر فرشتوں کی صف میں جا نکلے۔ تو (۹، ب) فرشتوں سے اسے امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ فرشتوں سے بڑھ کر چار قدم آگے مارتا ہے۔ یہی صفتِ ممتاز اس کو اشرف المخلوقات کے درجہ پر لے گئی۔ ورنہ گوشت و پوست عقل و فراست تمام زندہ ہستیوں میں برابر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی ایک نوع کی کوئی ایک خاص عقل ہوتی ہے دوسری نہیں۔ لیکن یہاں بھی تو انسانی افراد کا حال یہ ہے کہ بعض افراد کی کُلی عقل بعض کے بالکلیہ مخالف ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی عقل کو جس عقل سے مشابہ بنانا چاہیں۔ بنا سکتے ہیں بخلاف دیگر ذی حیات کے۔ فرشتے گو فرشتے ہیں لیکن شیطانی مجلس میں بیٹھ کر بھی فرشتے ہی رہیں گے۔ اور شیطانی اثر قبول کرنے سے آزاد۔

۸۰۔ پھر جس صحبت میں انسانی نفس کو تربیت دی جائے۔ اس میں وہ کمال اُسے نظر آتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو دکھاتا ہے۔ جس سے وہ خود منکر تھا۔ اور جسے وہ بعید از عقل خیال کرتا تھا۔ ایک دیہاتی انسان جب کسی دریا کے کنارے پُل کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ کیا ہے۔ اور کیونکر تیار ہُوا۔ لیکن جب اسے کسی انجینیرنگ فیکٹری (کارخانہ) میں چند سال لگا دیا جائے تو پھر اُسے یہ کام نہایت آسان معلوم ہونے لگتا ہے اور پہلے یہ کام اُسے نہایت مشکل نظر آتے تھے۔ جن میں وہ پہلے مشاق نہ تھا۔ مگر ایک مدّت کے بعد وہ اُس آہنی پُل سے گذرتے ہوئے سینکڑوں غلطیاں پُل کے کاریگر (انجینئر) کی پکڑتے ہُوئے نکلتا ہے۔

۸۱۔ بنائرٓ علیہ جس انسان کو صوفیائے کرام کی صُحبت حاصل نہیں ہوئی وہ ان کے تمام کارناموں کو افسانہ جانتا ہے۔ اور تمام بزرگوں کو بُری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور دھوکہ باز جانتا ہے لیکن اگر وہی شخص چند دن ان کی صحبت[۱] میں رہ کر پھر گلہ آغازی کرے تو اس کا یہ گلہ کچھ نہ کچھ حقیقت رکھے گا۔ لیکن آج تک مَیں نے جتنے دیکھے یا سُنے وہی بزرگانِ تصوّف پر پھبتیاں اُڑاتے ہیں۔ جو خود کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور نہ انہوں نے کبھی اس حقیقت کے سراغ لگانے کے لئے اپنی جدوجہد

---

[۱] ولایت نبوت کی صحیح جانشینی ہے۔ اوصاف ملتے جلتے ہیں۔ کمالات ملتے جلتے ہیں۔ تاثیرات میں یکسانیت ہے اور اس چیز کا ثبوت قرآن کے لفظ لفظ میں ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض ظاہر پرست لوگوں نے اس حقیقتِ عظمیٰ کا انکار کر دیا اور نہایت بارد تاویلیں کیں۔ لیکن منکرین تصوّف میں سے بعض ایسے بھی ہوئے کہ وہ اولیاء اللہ کے قریب آئے جب انہوں نے انسانیت کی اس خرافتِ عظمیٰ کا قریب سے مطالعہ کیا تو نہ صرف قائل ہوئے بلکہ طریقے اور سلسلے میں داخل ہو کر انوارِ ولایت سے مشرف ہُوئے۔ اگرچہ ولی نبی نہیں ہوتا لیکن نبی کے بعد ولی کا درجہ ہے اور ولی اقرب ہی کا ایک درجہ ہے جو قرآنی اصطلاح میں صدیق کہلاتا ہے۔

کی حتیٰ کہ دُور سے ایسے بزرگوں کو دیکھنا بھی حرام جانتے ہیں پھر حیرت ہے کہ ایسے لوگوں کے کہنے ہیں بعض ایسے نفوس بھی دھوکا کھا جاتے ہیں جو اپنے آپ کو فلاسفر، حقیقت شناس اور محقق کہلاتے ہیں۔ خود ہیں نے جب تک یہ راستہ نہ لیا تھا۔ کتبِ تصوّف (مثلاً مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمۃ) کا مطالعہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ کہ مولانا کیا فرماتے ہیں۔

نفسی تعلقات کی اہمیت، قرآنی شہادت اور اس کا مطلب

۸۲۔ کلام الٰہی نے نفسی تعلقات کو نہایت اہم وقعت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ[1]۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ[2]۔ اگر نفسی تعلقات کسی سے قائم نہ ہوں تو صحبت کا کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا۔ طوطی اور کوّے کو ایک پنجرے میں ڈالنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں کے نفسی تعلقات میں سخت تغائر ہے۔ صحبت اسی وقت بار آور ہوگی جب نفسی تعلقات کا پیوند اندرونی قائم ہو۔ ورنہ بے فائدہ جس متعلّم کے تعلّقاتِ نفسی معلّم کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں وہ کبھی بھی اپنی تعلیم میں کامیاب نہ ہوگا۔ اس نفسی تعلّقات کی بابت مجدّد طریقہ (حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ محبت[3] دریں راہ شرط است۔

نفسی تعلقات کے بعد تغیر پیدا ہونا لازمی ہے

۸۳۔ اس "تعلّقات" کے بعد نفسی تغیرات کا پیدا نہ ہونا ناممکن ہے۔ کبھی مرد بھی اپنے آپ کو عورت خیال کر سکتا ہے لیکن جب مجنوں کے تعلّقاتِ نفسی لیلےٰ کے ساتھ نہایت مضبوط ہو گئے تو وہ اپنے آپ کو لیلےٰ جاننے لگا۔ اگر اسی طرح ایک انسان بارگاہِ ایزدی سے تعلّق پختہ کرلے۔ اور وہ اس درجہ راسخ ہو جائے کہ اس کے بغیر کچھ نظر نہ آئے اور وہ اپنی ذات کو بھی سُبْحَانِي[4] مَا أَعْظَمُ شَانِي کا خطاب دے بیٹھے۔ تو کیوں بُرا منایا جائے۔ ہاں! اگر اس تعلّق سے منقطع ہونے کے بعد بھی ایسا کہے گا۔ تو مردُود ہے شیطان ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس کے جذباتی قوٰی بالکلیہ فنا ہو کر سراسر ذات باری عزاسمہ سے متاثر ہو کر بعینہٖ وہی کچھ کہتے ہیں۔ جو منشا آں ذاتِ بابرکات کا ہے۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس وقت وہ اپنی حالت میں بدستور

---

[1] آپ ان لوگوں کے ساتھ مل بیٹھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں [2] تم سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ [3] محبت اس راستے میں شرط راہ ہے۔

[4] سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں اور میری کتنی بڑی شان ہے) بندگوں کے سُکر کی حالت کے بعض کلمات ایسے ہیں۔ دراصل انسانی نفس نہایت ہی بلند تاثر رکھتا ہے اور اس کا خیال اس کی روح جب اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہو کر کے ذکر کے انوار سے منوّر ہو جائے تو حقیقت الحقائق کا نور اس میں سما جاتا ہے اور پھر اس کا بولنا اس کا سننا اس کا دیکھنا وغیرہ اس کا نہیں ہوتا حقیقت کبریٰ کا ظہور ہوتا ہے۔

ہے۔ اور اُس کے قویٰ انسانی برابر قائم ہیں۔ ایسی صورت میں جو کچھ وہ بولے گا۔ اپنے قویٰ سے بولے گا۔

تغیرِ عالم کا دار و مدار تغیر نفسی پر ہے! اور اصلاحِ عالم کا راز اصلاحِ نفس کے اندر مضمر ہے۔

۸۴۔ تغیر نفسی کوئی معمولی تغیر نہیں بلکہ یہ تغیر نفسی ہٰ نفسی کائنات کا تتمامہ اور اس کے ماحول کا تغیر کلیہ ہے۔ اور یہ قانون کلیّہ ہے! ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [1]۔ تغیر نفسی درحقیقت تمام کائنات کا تغیر ہے۔ گویا یہ تغیرات کا محور ہے اس کے بغیر کوئی تغیّر دنیا و ما فیہا میں نہیں ہوسکتا۔ آج تمام دُنیا اصلاح اور ترقی کی رٹ لگا رہی ہے۔ لیکن اصلاح اور ترقی تو تبھی ممکن ہے جبکہ نفسی اصلاح اور نفسی ترقی کا پہلے تدارک کیا جائے اصلاحِ رسوم سے پہلے اصلاحِ نفوس کے لئے جدوجہد چاہیے۔ لیکن آہ آج قوم اس حقیقت سے بالکل ناآشنا ہے۔ سو جو بھی قدم اٹھتا ہے غلطیوں سے پُر اُٹھتا ہے۔ بلکہ ایک دو قدم منزلِ مقصود کی طرف بھی نہیں اُٹھتے کہ اٹھانے والا دھڑام سے گر پڑتا ہے۔ کیونکہ اندرونی (نفسی) بنیاد کھوکھلی ہوتی ہے۔ ذرا سا بوجھ آنے سے تمام عمارت بیٹھ جاتی ہے۔

نفس کو ذاتِ باری عزّ اسمہٗ کے ساتھ کس درجہ کا تعلق ہے۔

۸۵۔ نفس کو ذاتِ باری عزّ اسمہٗ کے ساتھ نہایت گہرا تعلّق ہے۔ لیکن دنیا میں آکر اس تعلق کو بھول بیٹھا۔ اور بہت سے حجاب اس کے دیدہ روشن پر دنیاوی علائق سے پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے یہ اصلی تعلق کو بھول بیٹھا اور اس تعلّق کو بھولنا اپنا ذاتی (نفس کا) بھولنا ہے۔ کیونکہ اس کی رہبری اس کی ذات بابرکات کے سوا ناممکن ہے۔ کوئی انسان آنکھوں کے بغیر چل نہیں سکتا اسی طرح ذات عز اسمہٗ اس نفس کے لئے دیدۂ روشن تر سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس کی رہبری کے سوا ایک قدم اٹھانا بھی ناممکن ہے۔ اس فلسفہ کو ذاتِ باری عز اسمہٗ نے اپنے بندوں کو ان آسان اور سہل الفاظ میں بیان فرما کر اس حقیقتِ حقہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ [2] کہ ذاتِ باری عزّ اسمہٗ کا فراموش کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو فراموش کرنا ہے اور جو اپنے نفس کو فراموش کر بیٹھے۔ پھر وہ کس

---

[1] اللہ تعالیٰ کسی قوم میں تغیر و انقلاب پیدا نہیں فرماتا جب تک وہ لوگ اپنے نفسوں میں تغیر پیدا نہ کر لیں۔

[2] ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جائیے جو اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے (جب وہ ایسے ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اُن کے اپنے نفس بھلوا دئے ـــــ یادِ الٰہی کی تاثیر یہ ہے کہ حقیقت نفسِ انسانی اس یاد سے اپنی بلندی دیکھ لیتی ہے اور اپنے اندر وہ بلندی محسوس کرتی ہے کہ فرشتوں کو بھی اس بلندی کا علم نہیں۔ اور جو یاد سے محروم رہا گویا وہ اپنے نفس کے بیش بہا فوائد سے غافل رہا۔!

قابل! نہ دین کا نہ دنیا کا۔ بلکہ اپنے ہاتھوں سے خود ہلاک ہو کر ذلیل ہوتا ہے۔

۸۶۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی حیوان لاعلم اپنے مالک کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔ یا اس کے حکم کو بھول جاتا ہے۔ تو وہ اپنی ذات پر ہلاکت کے سامان کر رہا ہے۔ گھوڑے کا سوار کے اشارے پر نہ چلنا اپنی قیمت گراتا ہے۔ اس میں سوار کا کیا گھاٹا۔ مالک اسے اپنے اہل نہ سمجھ کر دفعیہ کا تدارک کرے گا۔ اور اس کی جگہ کسی دوسرے سے پُر کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔

تصوف، فقر اور سلوک کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے

۸۷۔ تصوف، فقر یا سلوک اسی تغیر[1] نفسی پیدا کرنے والے علم اور حال کا نام ہے کہ تعلقاتِ قدیم میں جو تغیرات دنیاوی اثرات سے نفس (روح) پر واقع ہو گئے ہیں۔ اُن کو پھر[2] اصلی حالت پر لایا جائے۔ اور موجودہ دنیوی نفس میں ایک ایسا تغیر پیدا کیا جائے۔ جو بالکلیہ اصلی صورت پر اپنے قدیمی تعلقات (محبت الٰہیہ) پر آ جائے۔ اگر اس سلوک سے یہ بات حاصل نہ ہو تو پھر تمام جد وجہد بیکار ہے۔ اور اگر اس تغیر اور محنتِ شاقہ سے یہ دولت نصیب ہو جائے اور نفسانی تمام عیوب نکل جائیں اور محبت الٰہی قائم ہو جائے۔ تو اس سے بڑھ کر خوش نصیب[3] کوئی انسان نہیں۔

۸۸۔ اس نوجوان سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہو سکتا ہے۔ جو اپنے مُربّی، اپنے مالک اور اپنے شاہنشاہ کے تعلقات آبائی و اجدادی کو اپنی لیاقت سے از سرِ نو تازہ کر کے خود سرکار والا جاہ بن کر اپنے اقران اور امثال سے ممتاز ہو بیٹھے اور تمام کائنات کے شاہنشاہ سے نہایت عمدہ اور گہرے تعلقات (محبتِ الٰہیہ) کی وجہ سے تمام کائنات کا سرتاج کہلائے اور تمام کائنات کے افراد اس کے سامنے سرِ تسلیم[4] خم کریں۔

فقر کی مدارج ... درجہ اپنی عظمت رکھتا ہے

۸۹۔ شاہنشاہ کی عنایت اپنی ہمت پر ہوتی ہے۔ تمام ملازمین ایک درجہ نہیں رکھتے۔ پیادہ (چپڑاسی) سے لے کر وائسرائے تک اس کی ملازمت کا فخر رکھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں اسامیوں

---

[1] اللہ تعالیٰ ایک اور قوم لائے گا جس کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اس ذات باری کو دوست رکھیں گے [2] انسان مسجود ملائک ہے۔ اس کی بلندی احسن تقویم میں پوشیدہ ہے اور پستی کے اسباب موجود ہیں جن کی نشان دہی اسفل سافلین سے ہو رہی ہے۔ آسمانی نور پر زمینی پردے اور زمین کی کدورتیں آ جاتی ہیں۔
[3] سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان اپنی مخفی قوتوں کو مجاہداتِ نفسی سے بیدار کر لے اور محبوب قدیم سے تعلقاتِ محبت استوار کر لے۔ اور شقاوت کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان دائمی بلندیوں اور ابدی سعادتوں کی طرف نہ نگاہ اٹھے اور نہ قدم بڑھے [4] یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی عظمت و اطاعت کا اقرار کرے۔

کے مابین سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مناصب اور مدارج ہیں اور اپنے اپنے درجہ کے حکمران۔ لیکن کوئی بھی کسی کو یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ تو سرکاری قلادہ اور طوق غلامی نہیں رکھتا اور کہ تیرا نام فہرست ملازمین میں نہیں۔ اسی طرح صاحب فقر بھی اپنے اپنے مدارج پر ہوتے ہیں۔ ایک گوشہ نشین کس مپرس کو ایک صاحبِ ارشاد مسند نشین طعنہ نہیں دے سکتا کہ میرے جیسا نہ ہونے کی وجہ سے تو فہرستِ ملازمین درگاہ سے ہی خارج ہے۔

۹۰۔ اسی طرح ایک گوشہ نشین صحرا نورد ایک صاحب ارشاد کی ہنسی نہیں اڑا سکتا۔ کہ دنیاوی رنگ، روپ میں اپنے مالک کو بھول بیٹھا۔ ایک بار خواجہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اُن کے مرید حضرت امیر بُرہان بن حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہم حاضر ہوئے۔ تو دل میں خیال کیا کہ حضرت کا ابتدائی وقت کتنی مشغولیت کا تھا۔ اور اب خلائق کے ہجوم سے وہ مشغولیت بحق سبحانہٗ کہاں۔ لیکن جونہی حضرت امیر بُرہانؒ مصافحہ کرنے لگے۔ تو حضرت نے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ کہ کیا کہتے ہو۔ یہ اچھا حال ہے۔ یا وہ اچھا۔ خواجہ صاحبؒ کا گریبان کو پکڑنا تھا کہ حضرت امیر بُرہان کی حالت بدل گئی۔ اور دیر تک حضرت ان کو ہاتھوں سے تھامے رہے۔ جب ہوش آئی توبہ کی۔ قدموں پر گرے۔ معافی چاہی۔ سو یہ باتیں ایسی نہیں کہ اس پہ ہم لوگ گرفت کریں۔ بلکہ وہ جانتے اور اس کے اولیا جانیں۔

۹۱۔ اس تمہید کے بعد یہ معلوم رہے کہ میری طبیعت راہِ سلوک کے لئے پُوری استعداد نہیں رکھتی۔ ورنہ خواص کی طرح اِدھر اُدھر نہ بھٹکتا۔ طبیعت خود اپنی راہ پیدا کر لیتی۔ اور سوز و ساز سے اپنے وجود کی کثافت کو دور کر کے ایک تجلّی کی منتظر رہتی۔ ایک طرف شعاع مرشد پڑتی۔ دوسری طرف خرمنِ صبر جل اُٹھتا۔ لیکن ایک دھیمی طبیعت قدرت سے پائی۔ جہاں تک دیکھا۔ نہ تو یہ نصیب میں لکھا ہے کہ یگانہ ہو سکوں اور نہ یہ مقدّر ہوا کہ بیگانہ رہوں۔ بفضلہ تعالیٰ جس کام میں جس شغل میں طبیعت کو لگایا۔ اسی میں چلنے لگی۔ سعدیؒ نے خوب کہا ؎ اُشتر آہستہ می رود شب و روز

۱؎ بتدی سالکوں کو اور ان کو بھی جو سلوک و تصوف پر اعتراض کرتے ہیں ایک بھاری مغالطہ رہتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سلوک و ولایت کا کوئی خاص مقام ہے۔ مدرسہ کی تعلیم کی انتہا کی طرح اور یہی مقام مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں جس نے اللہ کے راستے پر چلنا شروع کیا وہ سالک بن گیا جتنا وہ قدم بڑھائے گا اتنی منازل طے کریگا اور اس بارگاہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ گویا درجے کا فرق ہے سلوک ہمیشہ سلوک ہی رہے گا ؎ مراد در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم۔ جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا۔
اس او میں مقبولیت کے مدارج کا کوئی شمار نہیں ہے ۲؎ مجاہدے کا وقت اور ہوتا ہے مشاہدے کا وقت اور ہے پہلے وقت کی مشغولیت بحق میں بھی نفس اپنی مصروفیات سے دست کش نہیں لیکن مشاہدے کی حالت میں بظاہر بے شغلی بھی کامل مشغولیت کے ہم پلہ ہے کہ ع 'دل سے تیرا خیال نہ جائے تو کیا کروں' کے مصداق ہے۔

کامل توجہ باطنی سے خود بخود طبیعت ادھر لگتی ہے

۹۲- حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری سے پیشتر یادالٰہی کا خیال دامن گیر تھا۔ اور گاہ اس کے اثر بھی خاصے نظر آتے تھے۔ ایک بار گجرات کے علاقہ میں اپنے اَجدادِ رحمۃ اللہ علیہم کے متوسّلین کے دَورہ پر تھا چونکہ ہر وقت رجوع الی اللہ کی وہاں ضرورت ہوتی تھی اس کے علاوہ اعمال کی بھی پُوری نگہداشت کرنی پڑتی تھی۔ اور تعلّقاتِ خانگی بھی (جو پریشانیُ دل کا باعث ہوتے ہیں) کم ہو گئے تھے۔ تو طبیعت کا رجحان ہر وقت ہر گھڑی اس کی ذاتِ بابرکات کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ طبیعت اچھی خاصی ہو گئی اور اثر پذیری کے ساتھ اثر ریزی[۲] شروع ہو گئی جو اس کے اولیا کا خاصہ ہے۔

مقام حیرت کا نظارہ

۹۳- اِس سفر کی واپسی پر میری یہ حالت ہو گئی کہ دنیا بتمامہ ایک کھلونا نظر آنے لگی ایک اسٹیشن پر جب مجھے دو تین گھنٹے گاڑی کے انتظار میں اکیلا مسافرخانے میں بیٹھنا پڑا۔ تو سوائے حیرت کے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ آنکھیں دیکھتی تھیں۔ کان سنتے تھے۔ لیکن اندر کچھ نہیں جاتا تھا۔ نہ خوشی نہ غم۔ نہ اپنی خبر نہ کسی کی خبر۔

حیرت کی حقیقت اور اس کے آثار

۹۴- اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی حالت میں دیوانگی آ جاتی ہے اور صاحبِ حال کام کاج سے رہ جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں برابر اپنے کاموں میں مشغولی رہتی ہے۔ لیکن دل میں بےشغلی ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کا چہرہ صاف پہچانا جاتا ہے۔ حیرت کے آثار واضح دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ اس کے افعال وحرکات میں ایک خاص اثر آ جاتا ہے۔ گو کہ اُسے خود معلوم کچھ نہیں ہوتا تا اینکہ یہ نشہ دور نہیں ہو لیتا۔ مگر تاڑنے والے حقیقت شناس اُسے پہلی نظر میں تاڑ جاتے ہیں۔

تمام سلوک کی بنیاد ذکر اللہ ہے

۹۵ (الف) اِس مشغولی کی بُنیاد ذکر اسمِ ذات اَللہ اَللہ تھا۔ جو اپنے خاندان نقشبندیہ کا معمول تھا۔ اور یہ اثر اسی کا تھا گو اس کے ساتھ کچھ اور عوارض مل گئے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ امداد میری اسی توجہ باطنی کی تھی جو مجھے اپنے اسلاف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ کی طرف روحانی

---

[۱] بزرگوں کی نسبت کی مقبولیت کے بعض مخفی اسباب ہوتے ہیں وہ برقی لہروں سے زیادہ لطیف ہوتی ہے۔ حضرت اعلیٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں بہت زیادہ تھی اور آج تک وہی اثرات کام کر رہے ہیں۔

[۲] ظاہری حواس اور قوٰی ہی اثر پیدا نہیں کرتے بلکہ باطن کے قوٰی نہایت خاموشی سے آفتاب کے نور کی طرح اور بارش کے پانی کی طرح متأثر طبع پر اثر ریز ہوتے ہیں۔

۹۵ب-

تصور کی حقیقت اور اس کے فوائد

رہا کرتی تھی۔ بلکہ تصوّرِ شیخ کا مسئلہ مجھے اُسی وقت حل ہوُا تھا۔ بلا تصوّر۔ بلا تخیّل۔ مجھے اکثر یہ معلوم بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ ایک کندھے[1] پر میرے جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور دوسرے کندھے کی طرف حضرت والدم مرحوم و مغفور، یا برخوردار بشیر کی والدہ۔ بلکہ یہ تصوّر تصوّر نہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صاف چہرے موجود ہیں۔ ایسی حالت کے بعد جو خیال آتا تھا۔ وہ نہایت صحیح ہوتا تھا۔ جو ارادہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ ظہور پاتا تھا۔ خوابیں[2] نہایت صاف اور پُر از صداقت۔ چنانچہ خواب آیا کہ حضرت قبلہ جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے صحنچہ میں بیٹھا ہوں۔ اور حضرت قبلہ موصوف بحالتِ حیات اپنی نشستگاہ پر مسند آرائے ولایت ہیں۔ اور حضرت والدم بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اپنی نشستگاہ پر زیب دہِ مصلّٰے عبادت ہیں۔ اور خلقت کا ہجوم ہے۔ اور میں تعویذ لکھ کر خیر پوال تحصیل پھالیہ کے باشندوں کو دے رہا ہوں۔ آخر کاغذ ختم ہو گیا۔ تو والدم مرحوم سے تین تختے اور منگوائے۔ اِس خواب کے تیسرے دِن جمعہ تھا۔ اور میرا مقام موضع دھنی تھا۔ خیر پوال کے تقریباً چالیس آدمی اکٹھے آ گئے۔ اور ہندو دوکانداروں تک اُن کے ہمراہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ سے خلقتِ کثیر جمع ہو گئی۔ تعویذات اِسی طرح لکھے دے رہا تھا۔ جس طرح کہ خواب میں دیکھا اور یہ خواب میں نے احباب کو پہلے دن ہی بتلا دیا تھا۔ اسی جمعہ سے بیشتر خواب آیا تھا، کہ بیر بل میں حضرت قبلہ کی حیات میں جمعہ ادا ہو رہا ہے۔ اور خلقت کثیر ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ قاضی صاحب شاہ پوری اعلان کرتے ہیں۔ کہ اگر کھانا کم ہو گیا تو کیا مضائقہ! یہ دعوت (روٹی) کوئی حضرت صاحب کی نہ تھی۔ لیکن ایسا ہی عملی ظہور ہوُا۔ کہ ہم لوگ اپنا کھانا اور اپنا لنگر رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن چوہدری قمر الدین نے نہایت خواہش کی کہ رات کا کھانا میرا منظور کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے رات کو کھانا دیا۔ لیکن آخر کو کھانا کم ہو گیا۔

---

[1] روحانیت جب اپنا مقام حاصل کرتی ہے تو لطیف اشیا مجسم ہو کر سامنے آتی ہیں اور واح اپنے جہان میں لطیف نورانی جسم رکھتے ہیں لیکن جب صاحبِ نسبت کے سامنے آئیں گے تو مطلق نور نہیں بلکہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں دکھلائی دیں گے۔

[2] سچی خوابیں: پاکیزہ خیالات اور بیداری کے انکشافات واقعات شدنی کا انعکاس اور نسبت کے باقی محسوس اور غیر محسوس کمالات اپنے وقت پر بعض اوقات سلوک کی ابتداء میں بعض اوقات فقر کی کسی درجے کی پختگی میں سالک کی طبع کے مطابق ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

۹۵ ج - اِس کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو باعث طوالت ہیں۔ ورنہ اس رُوحانی تعلّق کا پتہ بے انتہا ان سے چلتا ہے۔ مثلاً جب کسی کا ہاتھ بعیت کے لئے پکڑ کر اپنے سلف کی طرف توجہ بڑھتی۔ تو طالب پسینہ سے پانی پانی ہو جاتا اور کہ اُس کے اندام لرزنے لگتے وغیرہ وغیرہ۔

۹۵ د - لیکن یہ قلبی حالت اتنے تک ہی رہی۔ جب تک گھر نہ پہنچا۔ گھر آتے ہی سب نشے کافور ہو گئے۔ اور مَیں جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ گیا۔ لیکن یہ معلوم ہو گیا۔ کہ اپنے بزرگ توجہ باطنی اور روحانی سے غافل نہیں ہوتے۔ ہاں زندوں کی توجہ اپنے اسلاف پر نہیں ہوتی۔ اِس کے علاوہ تصورِ شیخ کی بابت یہ راز کُھل گیا۔ کہ توجہ رُوحانی[1] کی وجہ سے

۹۵ ہ - خود بخود "صورتِ پیر" سامنے آجاتی ہے نہ یہ کہ جیسا بعض لوگ اپنے اندر تصوّر پیدا کرتے ہیں۔ اور عمریں پیر کی صُورت بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ ایسے تصوّر سے نہ تو کچھ فائدہ ہے نہ یہ محمُود۔ صاحبِ شریعت بھی اسی تصوّر کے بارے احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔ بخلاف اصلی تصوّر کے۔ کہ وہ اکتسابی نہیں، اضطراری ہے، اور اس پر کسی کو کوئی حق نہیں کہ اسے مذموم کہے۔ اگر یہ اضطراری پیدا ہو جائے تو پھر کسی ذکر

۹۵ و - اذکار کی خاص ضرورت نہیں رہتی۔ خود بخود کمالاتِ پیر اسی تصوّر کے ذریعہ طبیعت میں جمنے اور بیٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فنا فی الشیخ[2] ہو کر پیر کی ہُو بہُو صورت طالب ہو بیٹھتا ہے۔

۹۶ الف - کچھ تو طبیعت ہی شوخ واقع ہوئی تھی۔ کچھ مہربانوں کی مہربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدنام ہو نکلے۔ ایسے وقت اِنسان کو وحدت زیادہ پسند آتی ہے اور خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ گاؤں میں پہلے بھی اپنے زیادہ تعلّقات نہ تھے۔ اس آزمائش میں اور بھی کم ہو گئے۔ اکثر اکیلا کمرے میں بند بیٹھا رہتا تھا اور جاڑے کی وجہ سے آگ انگیٹھی

---

[1] ذکر جب پختہ ہو جائے تو اس کی تاثیرات فکر کو پختہ کرنا شروع کر دیتی ہیں تصوّر چونکہ فکر کا ایک حصّہ ہے اس لیے اس کے کمالات لاانتہا ہیں۔ مذکور اپنی نورانی تاثیرات کے ساتھ سامنے ہوتا ہے اور اس کے کمالات عکس ریز۔

[2] فنا فی الشیخ: تصوّف کی اصطلاح ہے جب سالک اپنے شیخ کی باطنی تاثیرات سے متاثر ہوتا ہے تو شیخ کے انوار شیخ کے کمالات شیخ کے علوم و رموز اس کے باطن میں آہستہ آہستہ آنا شروع ہو جاتے ہیں تا آنکہ کچھ وقت کے بعد اس کے اپنے احساسات اپنے جذبات کی تاثیرات اتنی دب جاتی ہیں کہ یہ خود گویا کچھ نہیں اگر محبت شیخ کی دولت بھی ہو تو اس فنا کے حصول میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ فنا مشکل ہے لیکن اس کے بعد باقی فنائیں فنا فی رسول اور فنا فی اللہ مشکل نہیں رہتیں۔

میں روشن رکھتا تھا۔ دِل میں اکثر ذکر کا خیال تھا۔ تھوڑے دنوں میں ہی ان امور نے وہ یکسوئی پیدا کی کہ دنیا و ما فیہا ہیچ نظر آنے لگے۔ اور فنا ہر وقت تیغ براں کی طرح سر پر دکھائی دینے لگی۔ ساٹھ سالہ عمر کا انجام بھی مجھے وہی نظر آتا تھا جو تیس سالہ کا تھا۔ قبر میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ تا اینکہ ایک مخلص دوست آئے۔

تعلقات اور اختلاط یکسوئی کو ختم کر دیتے ہیں

۹۶ ب۔ اور مجھے اپنے ہمراہ علاقہ گجرات میں مجبوراً لے گئے۔ لیکن جوں جوں اختلاط کی ہوا لگتی گئی۔ حالت متغیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہی پہلا رنگ دنیاوی آگیا۔ اور سب کچھ بھول بیٹھا۔

تمام اوراد و اذکار اپنا اپنا خصوصی رنگ اور اثر رکھتے ہیں

۹۷۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر مختلف اوراد اور اذکار شروع رکھے گاہے سبحان اللہ وبحمدہٖ، وغیرہ تہلیل و تحمید۔ گاہے کلمہ تمجید۔ گاہے آیۃ الکرسی اور گاہے الحمد شریف۔ لیکن عجیب تر یہ ہے کہ ہر ایک کا باطنی رنگ الگ پایا۔ سر سے لے کر قدم تک یہ اوراد و اذکار اپنا اپنا امتیازی رنگ اور خاصہ ایسا دکھاتے ہیں جیسا کہ ایک انسان دُوسرے انسان کو بے شبہ دیکھتا ہے۔

مختلف اذکار کے مختلف کیفیات ہوتے ہیں

۹۸۔ آیۃ الکرسی میں مراقبات اپنے عروج پر پہنچتے دکھائی دیئے۔ اور تسبیح و تہلیل سے عظمت اور جلال الٰہیہ کے سرادقات سامنے آ گئے۔ اور کلمہ تمجید سے اپنی فنا اور اس کی بقا کا پتہ چل گیا۔ سب سے لطیف تشہد نماز ہے کہ اس کے حضور میں دو زانو بیٹھے تحیات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور سید البشر لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ[1] کے سر مبارک پر حضور ربی میں صلوات کے موتی نثار کئے جا رہے ہیں۔ اس موقعہ پر معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت محمدیہ کو کتنا تقرب بارگاہِ الٰہی سے ہے۔

۹۹۔ کیا ہی لطف انگیز پیشکش اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ[2] کے ہیں۔ اور کیا ہی طرب انگیز خطاب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ[3]

---

[1] اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (حدیث قدسی)

[2] زبان کی تمام عبادتیں، بدن کی ساری بندگیاں اور پاک مال کی تمام قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

[3] آپ (کی ذات مقدس) پر سلام ہو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں۔

ہے۔

۱۰۰۔ میری یہ حالت ہوتی۔ کہ کئی کئی بار ایک ایک لفظ ایک ایک کلمہ کی تکرار کرتا۔ اور مکرّر سہ کرّر اسی طرح دہراتا رہتا۔ یہاں تک کہ دعائے رَبِّ اجْعَلْنِیْ پر پہنچتا۔ اور رَبِّ[1] اغْفِرْلِیْ۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ پورے عجز سے کہتا۔ کہ قصوروار حضورؐ میں کھڑا اپنے قصور کی معافی طلب کرتا ہے۔ سبحان اللہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جو دیکھتا ہے وُہی ان کی حلاوت کو جانتا ہے۔

کیفیات کا اندازہ خود صاحب کیفیت ہی کر سکتا ہے

۱۰۱۔ غرض یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ سب کچھ دیکھتا تھا۔ لیکن طبیعت میں استقامت، بے تعلقی اور حضوری پیدا نہ ہوتی تھی۔ اور آناً فاناً حالت بدلتی رہتی تھی۔ ایک حال آیا اور گیا۔ پھر وہی اپنی بھونڈی صُورت۔

استقامت پیدا نہ ہو تو احوال و کیفیات کی چنداں اہمیت نہیں۔

۱۰۲۔ حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شرف یابی پر ایک زمانہ غیبت[2] رہی۔ لیکن عرصہ تک حاضر نہ ہونے کی وجہ سے غیبت کم ہوتی گئی۔ گو اپنی طرف سے بہتیری کوشش کرتا تھا کہ پھر پہلی حالت پیدا ہو۔ لیکن ؏

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

آخر دل نے فیصلہ کیا کہ حاضری کے سوا چارہ نہیں۔ گو آپ ناراض ہوں گے لیکن اس کے سوا علاج بھی تو نہیں۔ حاضر ہوا بھی تو پہلے سے زیادہ پریشانی۔ ذکر و اذکار پر توجہ غائب۔

پیر و مرشد کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔ عدم صحبت و حاضری کے نقصان کی تلافی کرتی ہے

۱۰۳۔ بلکہ ایک گھڑی یکسوئی مُشکل ہو گئی۔ ذکر کرنے سے دردِ[3] دل پیدا ہو جاتا۔ یہ حالت کوئی سال بھر برابر رہی۔ گاہ گاہ مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت دامن نہ چھوڑتی تھی۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے خیال آجاتا تھا کہ زیارت بھی غنیمت ہے۔ تصفیہ قلب نہ سہی۔ بلکہ جیسا کہ تحریر کیا گیا۔ خود حضرت مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے بیساختہ الفاظ

ذکر جب تک اپنا پورا اثر نہیں کرتا وجودی قالب کو ذکر سے تکلیف ہوتی ہے

---

[1] الٰہی مجھے بخش دے۔

[2] غیبت سے مُراد حواسِ ظاہر کی تاثیرات کا فقدان یا کمی۔

[3] جسم اور نفسِ حیوانی کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل اجنبی ہیں اور کبھی ذکر اذکار سے ان کو موانست نہیں ہو سکتی۔ بس مجاہدہ سے رُوح کو بیدار کرنا ضروری ہے اس سلسلے میں مرشد کی نظر اور صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ پھر جب رُوحی تاثیرات جسمانیت پر غالب آتی ہیں تو ذکر فکر اور انوار سے انس و موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

میری مایوسی کا باعث زیادہ ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی تسلّی آمیز ملفوظات محنت و مجاہدہ کی طرف راغب بھی کرتے تھے۔

۱۰۴ الف۔ پہلے دو سال گو شب و روز میرا خیال ہمہ حال و ہمہ وقت اپنے خیال کی تلاش میں تھا۔ لیکن سرگرداں، بے اطمینانی نصیب رہی۔ کبھی دو چار دن اچھی حالت ہو جاتی تو پھر پہلے سے بدتر حالت ہو نکلتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ

۱۰۴ ب۔ اپنے جدّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میری یہ حالت ہو گئی۔ کہ اسمِ ذات[1] اپنے پورے نُور میں قلب کے اندر اتنا روشن ہو گیا جیسا کہ آفتاب۔ طبیعت پر از حد ذوق غالب۔ یاد بھی ایسی، کہ جہاں فراموشی کا گذر نہ ہو۔ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے سُورج کی طرح قلب پُر از شعاع۔ گاڑی میں سوار ہُوا۔ تو وہی حالت۔ لاہور جا اُترا تو وہی رنگ۔ بازار[2] میں قدم رکھا۔ تو اپنا حال غائب ہو گیا۔ شب باشی کے لئے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک

۱۰۴ ج۔ پر گیا۔ مگر خیال ایک قدم نہیں اٹھاتا۔ مزار کی طرف متوجہ ہُوا تو بے فائدہ۔ بیکلی اتنی کہ الٰہی توبہ! کئی دفعہ فاتحہ کہا۔ کئی

بازار میں داخل ہونے کا نقصان۔ بازار سب سے بری جگہ ہے

۱۰۴ د۔ بار مراقب ہُوا۔ لیکن ذرّہ بھر بھی حضور قائم نہ ہُوا۔

طبیعت میں قبض پیدا ہو جائے تو پھر آسانی سے بسط پیدا نہیں ہوتا

۱۰۵۔ خیال تھا کہ شرقپور شریف پہنچ کر حالت بدل جائے گی۔ لیکن نہیں۔ بدستور پریشانی آپ سے نیاز بھی حاصل کیا۔ مگر کچھ فرق نہیں۔ بلکہ مسجد میں آکر جی نہ چاہے کہ کچھ کروں۔ یا حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تین دن اِسی طرح گذر گئے۔ چوتھے دن بعد نماز صبح اورادِ فتحیہ[3] پڑھنے کے بعد نہایت پریشانی میں مسجد کی چھت پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے بعد جو اٹھا تو حالت بدلی پائی۔ الحمد کہا۔ دل نے کہا۔ آج چوتھا دن ہو گیا۔ ابھی تک حاضر نہیں ہُوا۔ حاضر ہونا چاہیئے تھا۔ نیچے آیا۔ تو حاجی صاحب

ذکر جلدی جلدی نہیں ہوتا

نورِ قلب کی کیفیت اور مثال

قبض حال کا نقشہ

---

[1] اسمِ ذات (اللہ) جب قلبِ سالک میں اپنی جگہ لیتا ہے اور ظہور فرماتا ہے تو نُور ہی نُور کا ظہور ہوتا ہے۔

[2] بازار میں خیال کی پراگندگی ہی پراگندگی کا وَرد وَرود ہوتا ہے۔ اسی لئے یکسوئی جب گئی تو انوار و تجلیات بھی اپنا ظہور چھوڑ بیٹھے۔

[3] یہ اوراد حضرت علی ہمدانی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اور سلسلہ شرقپوری میں بطور وظیفہ ان کو پڑھا جاتا ہے۔ کشمیر میں بعد نماز صبح نمازی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ بڑا لطف آتا ہے۔ اور بے انتہا فوائد ظاہری و باطنی ان مبارک اوراد کے اندر موجود ہیں۔

کی زبانی معلوم ہُوا کہ آپ نے یاد فرمایا تھا۔

۱۰۶۔ اکثر لوگ کہتے ہیں۔ کہ پیرو مرشد کی توجہ کی کیا ضرورت ہے انسان خود بہت کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن مَیں نے تو دیکھا ہے کہ جس طرح تمام امور میں انسان ذات باری عز اسمہٗ کی عنایت کا دست نگر ہے۔ اسی طرح فیوضاتِ باطنی میں سالک اپنے پیرو مُرشد کی توجہ کا محتاج ہے اس کے بغیر ایک قدم[1] اُٹھ نہیں سکتا۔ میں نے واقعہ مذکور میں تمام جتن کئے تھے۔ لیکن توجہ پیرو مرشد کے بغیر سب بیکار ثابت ہُوئے۔

۱۰۷ الف ۔ ابتدا میں مجھے خیال تھا کہ انسان مجاہدہ سے کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن اخیر میں معلوم ہوُا کہ جو کچھ ہے فضل[2] ہی فضل ہے۔

۱۰۷ ۔ ب ۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔ ہاں اپنی طرف سے مجاہدہ چاہیے تاکہ اس کے فضل کا منشا یہ ہو سکے۔

۱۰۸۔ گیند کا لے جانا فضل الٰہی پر موقوف ہے۔ لیکن کھلاڑیوں کے سوا کوئی دوسرا یہ فضل حاصل نہیں کرسکتا۔ اکثر مجاہد، با ریاضت پہلے قدم پر ہی لڑکھڑاتے دیکھے۔ اور بہت سے خوش نصیب میدان ریاضت میں اُترنے بھی نہ پائے۔

۱۰۹ الف ۔ پہلے دو سال ہیں ذکر سے طبیعت ماندہ رہتی تھی۔ اور اکثر خیال آتا تھا کہ کیونکہ ذکر قلب کی غذا ہو جاتا ہے بلکہ گھنٹہ دو گھنٹہ خیال کرنے سے تمام وجود کو تکلیف ہوتی اور دل کو خاص قسم کا درد ہوتا تھا۔ لیکن متواتر خیال سے آخر میں حالت بدلتی گئی اور ذکر نے دل کو گھیر لیا۔ بلکہ جب کبھی توجہ کی جاتی قلب اپنے کام میں برابر شاغل نظر آتا۔ وُہ تکلیف اور وُہ درد جو

۱۰۹ ب ۔ پہلے ہُوا کرتا تھا۔ اب وہ نہ رہا۔ بلکہ کسی وقت اگر توجہ قائم نہ ہوتی تو پریشانی پیدا ہو جاتی۔ بسا اوقات جب خیالات، معاملات سے تنگی اور پژمُردگی لاحق حال ہو جاتی، تو دل کی طرف توجہ کرتے سے تمام تکان اور پژمُردگی دُور ہو جاتی۔ بلکہ طبیعت[3] میں بشاشت آرام

---

[1] مرشد کے انوارِ باطن مرید کا راستہ کھولنے کے لیے اکسیرِ اعظم ہیں ذاتی محنتیں سب پیچھے ہیں اور اس کے بغیر سالک کی کشائشِ قلبی بے حد مشکل۔ اس شریف ترین فن اور مقصودِ اعلیٰ حیات کے اسباب بھی ہیں اور مراحل و منازل بھی۔ اللہ کی معرفت کے اسباب ہیں کامل پیر کی توجہ سالک کی ریاضت کے لیے غبر پر کی حیثیت رکھتی ہے۔

[2] اور توجہ مرشد بھی ذات باری ہی کی عنایت خاصہ کے نتیجہ میں ہوتی ہے ورنہ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مرشد کی توجہ خاص ہوتی ہی نہیں۔

[3] ذکر کی ابتدا مجاہدہ ہے اور اس کی انتہا مشاہدہ۔ مجاہدہ نفس پر بھاری ہے اور مجاہدہ جان کا مقصود اور روح کی راحت۔

اور سکون پیدا ہو جاتا تھا۔ اس پر معلوم ہوا کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1] کا صحیح مفہوم بھی ہے۔ جو اس وقت حاصل ہے۔ گو اس دو سال کے عرصہ میں بڑی تبدیلی ہوئی اور حالت اِتنی بدلی۔ لیکن اِس کے تحت میں کئی حالتیں اور کیفیتیں دیکھنے میں آئیں۔

خفی ذکر کی حقیقت

۱۱۰ الف۔ اکثر خاموش ذکر[2] کو قلبی ذکر خیال کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں، بلکہ پہلے پہلے حلق کے اندر دم کے آنے جانے میں ذکر گردش کرتا رہتا ہے! اور اس درجہ کے بعد قلبی حرکت، قلبی ذکر تصوّر ہونے لگتا ہے۔ مگر اس کے بعد قلبی ذکر کا آغاز ہوتا ہے۔

قلبی ذکر کے شروع کے بعد کیفیات پیدا ہونی لازم ہیں

۱۱۰ ب۔ جو نقطہ سیاہ کے اندر ہی اندر محصور رہتا ہے۔ جب اِس درجہ میں ذکر آتا ہے تو پھر کیفیات تو قلموں وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

کیفیت کا نقشہ اور تجلّی خاص

۱۱۰ ج۔ چنانچہ پہلے پہلے یہ کیفیت طاری ہو گئی کہ اسمِ ذات[3] دِل کی حقیقت ہے! اور خود ذات باری عزّ اسمہٗ اِسی قلب کے اندر اپنے اسمِ ذات میں جلوہ گر ہے اُس کی ذاتِ بابرکات کوئی الگ چیز نہیں ہے جتنے دل کے حجاب دُور کئے جائیں گے۔ اتنی ہی حقیقت جامعہ روشن تر ہوتی جائے گی۔ یہ کیفیت کئی ماہ طاری رہی۔ اسمِ ذات کے خاکہ پر جب نظر پڑتی تھی، تو

تصورِ اسم ذات کا راز

۱۱۰ د۔ آنکھیں پُرنم ہو کر برس پڑتی تھیں۔ قلب پر جب توجّہ کی جاتی تو اسمِ ذات کا خاکہ روشن اور جلی حروف میں نظر آتا تھا۔ لیکن ایک وہ وقت تھا۔ جب اِس تصوّر اور خیال کرنے میں گھنٹے[4] صرف ہو جاتے تھے مگر صحیح خاکہ ایک آن بھی دِل کے اندر دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ ؎

دِل کے آئینہ میں ہے تصویر یار ‏ ‏ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

تجلّی عام کا نقشہ اور مثال

۱۱۱ الف۔ اِس کے بعد یہ تجلّی مخصوص نہ رہی۔ بلکہ ہر چیز میں ذات باری عزّ اسمہٗ کا نور دکھائی دینے لگا۔ یہاں آکر حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام کا ستارے کو ھٰذَا رَبِّیْ کہنے کا راز کھل گیا۔ یہ ستارہ پرستی نہ تھی بلکہ یہ عین حقیقت پرستی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام

---

[1] خبردار! اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

[2] ذکر کے درجات: پہلے حلق میں نہایت خفیف آواز کے ساتھ۔ پھر قلب کی حرکت اس کے بعد دل کی یاد کا مرتبہ آتا ہے جو تمام درجات پر حاوی ہے اور عجائبات ظاہری و باطنی ذکر سے پیدا ہوتے ہیں۔

[3] دل کے حجابات تزکیۂ نفس سے اور ذکر کی کثرت سے جب دُور ہو جائیں تو خود ذاتِ الٰہی کا جلوہ اپنے آئینۂ دِل میں نظر آتا ہے۔

[4] تصوّر کے لئے محنت کا ایک نقشہ۔

کی نظر اُس چمک پر تھی - جو اُس ذاتِ بابرکات کے نُور سے شعشانِ[1] اور لرزاں تھی - اور جب وہ روشنی آنکھوں سے دُور ہو گئی - تو اُس سے منہ موڑ لیا - اور دوسری روشنی چاند پر جا لگی تو کہا هٰذَا رَبِّیْ - لیکن پھر جب سُورج نظر آیا - تو اُسے حقیقت جامعہ خیال کر کے هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَکْبَرُ کہہ کر اپنا قبلۂ مقصود خیال کیا - مگر جب وہ بھی غائب ہو گیا - تا اینکہ یہ حقیقت ان ظاہری اشیاء سے بالکلیہ الگ نظر آگئی - تو صاف کہہ دیا - اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ[2] مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ - مُشرک اور

مشرک اور موحد میں فرق کیا ہے؟

۱۱۱ ب - موحد میں اتنا ہی فرق ہے کہ مُشرک اشیائے مادیہ کو ہی ذاتِ ربی کا مظہر جانتا ہے - بخلاف موحد کے کہ وہ اُس کی ہستی کو ان تمام مادیات سے بالاتر دیکھتا ہے - گویہ مظاہر الٰہیہ اُس کی آنکھوں میں موجود ہوتے ہیں اور اُن کو مظاہر الٰہیہ جانتا ہے - مگر مُشرک ذاتِ الٰہیہ کو مادیات سے پیوستہ دیکھ کر سربسجُود ہوتا ہے اور ایک کی بجائے دو کو سجدہ کرتا ہے اور مشرک کہلاتا ہے بخلاف موحد کے کہ وہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ کے سامنے سر خم کرتا ہے - جس میں کوئی آلائش مادی

جبتک بیچونی و بیچگونی خالق کی کیفیت پیدا نہ ہو - موحد نہیں ہوتا

۱۱۱ ج - نہیں ہوتی ورنہ نورِ الٰہی سے زمین اور آسمان معمور ہیں - ارشاد ہے - "اَللّٰهُ نُوْرُ[3] السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اس نور کی کوئی پرستش کرے تو مُشرک کیونکر کہلائے -

اشتیاقِ دیدار کا غلبہ اور کیفیت

۱۱۲ - اس وقت طبیعت میں فراق کی پریشانی اور وصال کی تمنا نے اتنا پریشان کیا کہ جب نظر اُٹھے - اُس کے دیدار کی تلاش میں اُٹھے - اکثر آسمان کی طرف بار بار نظر اُٹھتی تھی کہ شاید وہ حقیقتِ کُبریٰ جلوہ عنایت فرمائے - لیکن مایوس ہو کر نظر آنسو لیے گر پڑتی تھی ؎

تلاشِ یار میں پھرتا ہوں میں برنگِ خیال
اِدھر کو دیکھ اُدھر کو نظر اُٹھاتا ہوں

محبّت قلبی میں جب زیادہ جوش آجاتا تھا تو بے اختیار شمال[4] مغرب کی طرف رُخ پھر جاتا اور بار بار نظر آسمان کی طرف اُٹھتی تھی -

---

[1] حضرت ابراہیمؑ نے جب ستارہ کو هٰذا ربی کہا تو وہ نُور مراد تھی جو نُورِ قلب سے مشابہت رکھتا تھا - پھر چاند کا نُور پھر سُورج کا نُور مظہر عظیم نظر آیا - اس کے بعد ستارہ، چاند، سورج کے مظاہر اوجھل ہونے سے جب کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں ذاتِ الٰہی کی چمک نظر آئی تو مظاہر پرستوں کی ہدایت کے لیے اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کر دیا جو موحد کو ہمیشہ مقصود جان ہونی چاہیے اور سب مجاہدات اور ریاضات اسی کے لیے ہوتے ہیں [2] میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک حقیقت کبریٰ جانتے ہو [3] اللہ کی ذات آسمانوں کا نُور ہے اور زمین کا نُور ہے - ھو اللہ احد (وہ اللہ ایک ہے) [4] یہ ایک عجیب حقیقت ہے - نسبتِ قلبی کے لیے تاثیر کی مقناطیس غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات ہے - جن کی نسبت ادھر مناسبت رکھتی ہے ان کی توجہ خود بخود ادھر مڑ جاتی ہے -

آپ کا ذاتی کمال کہ حالت واردہ سے مطلع کرتے

۱۱۳ الف - حضرت قبلہ مرحوم و مغفور ہمیشہ حالت واردہ کی خبر بعد میں اشارۃً وکنایۃً فرمادیا کرتے تھے - اور یہ آپ کا وہ ذاتی کمال تھا - کہ موجودہ وقت کے مشائخ میں بہت ہی کم نظر آتا ہے - آپ ہمیشہ حالتِ گذشتہ اور حالتِ آیندہ کی بابت نہایت سادہ لفظوں میں ارشاد فرمادیتے تھے -

کامل شیخ وہی ہے جو حالتِ واردہ سے باخبر رہ کر سائل کو منزلِ مقصود کی طرف رہبری کرے

۱۱۳ ب - اور سالک عاقل اپنے ماجرٰی[1] اور اپنے مستقبل کے نشان قائم کر لیتا تھا - حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ زبانی بہت کم پوچھتے تھے بلکہ اپنی نسبت سے طالب کی نسبت کا پتہ لے کر رُخ بدلتے تھے - کھڑا کرتے اور چلاتے -

جب تک تمام طبعی انقلاب پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک اطمینان نصیب نہیں ہوتا

۱۱۴ - گو اس منزل میں اپنی طرف سے پوری مشغولی رکھی جاتی تھی - لیکن دل میں وہی شوخی، وہی آزادی وہی محبّتِ ماسوا کا جذبہ تھا - اور اکثر خیالات پریشان[2] اوقات مخصوصہ کو پریشان کر دیتے تھے - بلکہ شرقپور شریف کی جامع مسجد میں بھی اطمینان نصیب نہ تھا - حضرت رح سے گو اب محبّت تھی - لیکن خوف بھی آپ سے آیا کرتا تھا -

خواب اور اس کی تعبیر - رویا اس منزل میں سالک کی حالت کا صحیح معیار دکھاتی ہیں

۱۱۵ - آخر میں نے شرقپور شریف میں ہی خواب دیکھا تھا - کہ "جوئیں سر سے نکال کر مار رہا ہوں" بیدار ہوا - تو شکر ادا کیا - کہ شاید افعال ذمیمہ اب دُور ہوں گے - چنانچہ اس کے بعد طبیعت بدلنی شروع ہو گئی اور جمال ظاہری کی طرف سے دل نے سردی دکھائی -

تجلی اللہ الصمد کی کیفیت

۱۱۶ - یہاں پہنچ کر اَللّٰہُ اَلصَّمَد[3] کی حقیقت نے چہرہ کشائی فرمائی کہ کس طرح اس کی طرف ہر ایک چیز جا رہی ہے اور کس طرح ھُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اور کیوں کر وہ ہادی اور مضل بیک وقت ہو سکتا ہے - یہ کوئی علمی مُوشگافی نہیں - جو میں اس کو احباب کے سامنے بیان کروں بلکہ یہ ایک نفسی کیفیّت ہے جو خود بخود سالک پر وارد ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت خود بخود روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے -

---

[1] ماجرٰی : ماضی - (جو کچھ گزرا)

[2] بعض بے ہمّت لوگ راستے کی دُوری و درازی کا خیال نہیں کرتے اور وساوس سے گھبرا اُٹھتے ہیں - حالانکہ سالک کے راستے میں ان رکاوٹوں کا آنا ضروری ہے - باہمّت سالک وہی ہے جو پورے انقلاب طبعی کی تمنّا اور انتظار میں رہے -

[3] اللہ بے نیاز ہے - اس کی بے نیازی ایک کیفیت کی صورت بن کر اندر آتی ہے -

لم یلد و لم یولد کی حقیقت سوائے کیفیت کے حل نہیں ہو سکتی

۱۱۷ - مجھے ہمیشہ یہ وہم رہا کرتا تھا - کہ جب ہم پیدا کسی چیز سے ہوتے ہیں - اور تمام عالم کون و فساد اپنے اپنے مخارج سے نکلتا ہے - تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کیونکر بذاتہٖ قائم ہو سکتی ہے اِس لیے ہزاروں فلسفیانہ دلائل پیش کیے جاتے تھے - لیکن دل کو تسلّی نہ ہوتی تا اینکہ اپنی بے انتہا عنایت سے یہ راز کیفیت کی صورت میں مجھ پر وارد کیا گیا - اب میں حیران ہوں کہ وہ سوال کیونکر پیدا ہوتا تھا - اور کہ نور[۲] کی پیدائش کا خیال کسی دوسری چیز سے کیونکر کیا جائے - لاکھ فلسفے سوچو - لاکھ دلائل مطالعہ کرو - لیکن لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ[۱] کی حقیقت کا عین مشاہدہ سوائے کیفیت باطنی کے دیکھ نہیں سکتے -

کیفیت لا الٰہ الا انت سبحانک (الآیۃ) کا ظہور

۱۱۸ - ایک طرف بیتابیٔ وصال تھی - دوسری طرف اُس نور کی حقیقت دیکھ چکا تھا - اپنی ظلمت اور اُس کی نورانیت - اس پر وصال کی بے تابی نے میری زبان پر جاری کر دیا - لَآ اِلٰہَ اِلَّآ[۳] اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ - تیرا میرا وصال کیونکر ہو - تو پاک میں پلید - تو نُور، میں خاک سیاہ - تو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ خدا میں ماں باپ جایا بندہ - ہاں تیری رحمت ہو - تیری عنایت ہو - ورنہ تو کہاں اور میں کہاں -

۱۱۹ - اس آیت کی تلاوت کا اسی کیفیت میں پتہ چلا کہ یُونس علیہ السّلام نے کیوں اس کا وِرد کیا - میرے آنسو گرتے تھے اور دل و زبان پر یہی جاری تھا - لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ÷

۱۲۰ - یہاں پہنچ کر مقام خوف مقام محبّت سے بدل گیا - پیر و مرشد علیہ الرّحمۃ کی ذاتِ بابرکات سے جو خوف اُٹھتا تھا - وہ بالکل نہ رہا - بلکہ یہ حالت یہاں تک بدلی - کہ یہ معلوم بھی نہ ہو - کہ حضرت میں صفتِ جلالیت بھی ہے - جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب کے ہمراہ تیرہ دن کی ملازمت باسعادت

سالک جب سلوک کے منازل اور مراحل میں طیرانی کرنے لگ جاتا ہے اور طبیعت بلندی اختیار کرتی ہے - تو خوف کی جگہ محبّت لے لیتی ہے (اتحاد پیر کامل خوف اُڑا دیتا ہے)

---

۱ - اُس نے کسی کو جنا نہیں اور وہ کسی سے جنا نہیں گیا -

۲ - سُبحان اللہ کیفیت تو کیا ہوگی الفاظ میں بھی اطمینان بھرا ہے - کہ پیدائش کا سلسلہ تو مادیات میں ہوتا ہے - رُوح کی ایک مثالی شکل نُور کا تصوّر ہے - اور نورؔ میں مادیت کے تصورات سب ختم ہو جاتے ہیں -

۳ - معبود تیرے سوا کوئی اور نہیں اور تیری ذات پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے ہوں -

کے بعد جب رخصت ملی۔ تو ایک طرف آپ کی محبت میرے سر و چشم کو بوسے دے رہی تھی۔ اور دوسری طرف میری نیاز آپ کے قدموں پر دیدہ فرسائی کر رہی تھی۔ آنسو جاری تھے۔ گاہے آپ مصافحہ کر کے رخصت فرماتے اور گاہے آپ از سرِ نو مصافحہ کر کے محبت آمیز نصائح فرماتے۔ معلوم نہیں۔ کتنا وقت اسی کشاکش محبت میں گذر گیا۔ آنحضور کی نگاہِ التفات مجھ پر وار کر جاتی۔ اور میری نگاہ نیاز آپ کے قدموں کا سہارا جا ڈھونڈتی۔

۱۲۰ ب۔ لیکن آنسو ہیں کہ برابر جاری۔ نہ اپنا خیال ہے نہ اپنے غیر کا خیال۔ حاجی صاحب ہمراہ ہوئے۔ تو دردِ دلت پر پھر از سرِ نو سلام کیا۔ آنکھیں تشنہ تھیں اور دل ناصبور تھا۔ بازار سے گذر مسجد میں اور مسجد سے اڈے پر۔ اور اڈے سے لاہور آئے لیکن آنکھیں ہیں کہ برابر موسلا دھار بارش برسا رہی ہیں۔ عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ نامعلوم وجہ سے اتنے آنسو گرے۔

(پیر و مرید کی محبت کا نقشہ)

۱۲۱۔ گھر میں آیا۔ تو بھی وہی حالت۔ دنیا و ما فیہا[۱] سے حضور قبلہ کی ذات بابرکات بہتر نظر آئی۔ گھنٹوں نہیں بلکہ پہروں گذر جاتے۔ لیکن دل آپ کے خیال سے سیر نہ ہوتا تھا۔

۱۲۲۔ گو میں شاعر نہیں ہوں اور نہ طبیعت شاعرانہ پائی۔ لیکن جب ایک رات مجھ کو بخار ہوا۔ تو محبت و اشتیاق نے اتنا زور کیا کہ چند ناموزوں سے اشعار کہہ کر دل کی سوزش دور کی۔

(شعر و اشعار کو محبت سے خاص تعلق ہے)

۱۲۳۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی متاثر[۲] ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ نے بھی کئی احباب سے بیربل کے راستہ کا پتہ لیا۔ کئی بار فرمایا۔ کہ دل چاہتا ہے کہ ایک بار حضرت صاحب کے مزار کی زیارت کر آؤں یہ کون کون سے راستے جاتے ہیں۔ کتنا وقت خرچ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جہاں دل چاہے وہاں اللہ تعالےٰ پہنچا دیتا ہے۔" (ملفوظ) اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام علاقہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ فلاں تاریخ بیربل آنے والے ہیں علاقے کے لوگ جوق در جوق آنے لگے اور دریافت کرنے لگے۔ بلکہ میں نے سٹیشن پر آدمی اسی افواہ کی وجہ سے دو دن روانہ کیے۔

(حضرت قبلہ و احباب کی حالت سے بہت متاثر ہوتے تھے)

---

[۱] ؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ! عجب چیز ہے لذتِ آشنائی (اقبالؒ)
محبت اور عقیدت جب مل جاتے ہیں تو ایک عجیب نقشہ ہوتا ہے۔ محبت قرب کی ضامن ہے اور عقیدت روح میں بلندی پیدا کرتی ہے۔ اور سالک کی پرواز وہاں تک ہوتی ہے جہاں کوئی جا نہیں سکتا۔

[۲] محبت کی مبارک تاثیریں دو طرفہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ محب کی محبت کی تاثیریں بے قرار ہوتی ہیں اور محبوب کی تاثیریں مطمئن۔ تاہم کسی کسی وقت بیقرار تاثیریں ادھر بھی اٹھتی ہیں۔

۱۲۴ - یہ ایک عجیب امر ہے - کہ اللہ تعالےٰ کے اولیا جس طرح کا ارادہ کرتے ہیں - پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کے لیے اپنی مخلوقات کو تعظیم و تکریم کے لیے تیار کر دیتا ہے - اور خلق اللہ اس کثرت سے اُن کی طرف رجوع کرتی ہے کہ بادشاہوں تک اس نقشہ کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں -

ولی کا ارادہ کائنات کی بنیاد ہے

۱۲۵ الف - یہ مقامِ محبت تقریباً ایک سال رہا - اس کے بعد میری توجہ اُس نقطۂ محبت شیخ سے ہٹ کر نقطۂ محبتِ رسالت[1] پر جا گری - چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے حضور علیہ التحیتہ والسلام کی ذات بابرکات کی رحمتٌ للعٰلمین پر ہو گئی اور لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[2] کی حقیقت روشن ہوئی جو چیز نظر آتی - اس میں آپؐ کا نور نظر آتا ؏

محبتِ شیخ سے محبتِ رسالت کا پیدا ہونا لازمی ہے

محبتِ رسول کی صحیح کیفیت

ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

تمام کائنات کی حسنات کے شجرہ کی جڑ آپؐ کی ذات بابرکات تھی - موسوی شاخ اور علیسوی شاخ بھی اسی گل سرسبذ کی ابتدائی کلیاں تھیں - بے اختیار حالی درودِ دل[3] سے اُٹھتا اور آپؐ کی ذات اقدس پر پہنچتا - گاہے زبان بھی اُس کا ساتھ دیتی - لیکن یہ درود نہ عربی میں تھا نہ ہندی میں اور نہ کسی دوسری انسانی زبان میں - بلکہ یہ وہ زبان تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کے الفاظ کوئی نہیں سمجھ سکتا - لیکن آہ یہ حالت چند دن ہی رہی اور ۱۲۵ ج - پھر کسی دوسرے عالم میں چلا گیا -

کیفیت کی زبان میں الفاظ نہیں

۱۲۶ - حضرت مرشدم رحمتہ اللہ علیہ اکثر (وقوف قلبی اور) دل کی طرف متوجہ ہونے کا احباب کو ارشاد فرماتے تھے - مجھے بھی اکثر اسی کا ارشاد ہوتا - لیکن طبیعت اکثر کہتی - کہ دل پر متوجہ ہو کر ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے - بلکہ لطیفۂ نفس پر ذکر کرنا اولیٰ تر ہے - اور طبیعت بھی دل کی توجہ سے اُکتا جاتی تھی - لیکن آگے چل کر معلوم ہوا کہ تمام سلوک کی بنیاد صرف وقوفِ قلبی ہی ہے اور بس - گو کہ طرق[4] اور سلاسل الگ الگ ہیں - لیکن تمام سلاسل میں قلبی توجہ کا پایہ بہت

تمام سلوک کی بنیاد وقوفِ قلبی پر ہے

---

[1] سالک کامل استعداد رکھتا ہو تو وہ محبت اور معرفت دونوں میں ترقی کرے گا اور پیر و مرشد کے آگے منزل رسالتماب ہے اور اس محبت پر پہنچنا ضروری، اس کے بعد ذاتِ الٰہی کی محبت اپنی اصلی شکل میں نمودار ہونی لازم ہے -

[2] اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (حدیث قدسی)

[3] دل سے درود شریف کی کیفیت اٹھتی -

[4] [illegible] تصوف کے کئی طریقے اور کئی سلسلے ہیں ہمارے ہاں مشہور سلسلے ذیل ہیں، نقشبندی - قادری چشتی - سہروردی -

بلند ہے۔

وقوفِ قلبی کے بعد کی کیفیات کا اجمالی خاکہ اور مراحل سلوک کی ترتیب کا فلسفہ اور فنا اور فناء الفنا کی حقیقت

۱۲۷۔ حالات بالا پر جب طبیعت پہنچی تو وقوفِ قلبی نے کئی رنگ دکھلائے جس کی تفصیل محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان بانفس ناطقہ[1] میں اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ایک فعلی[2] اور دوسری انفعالی۔ یہ دونوں قوتیں اکثر مساوی نہیں ہوتیں بلکہ عموماً کم و بیش کا توازن دکھائی دیتا ہے۔

مجذوب کی حقیقت فطرتی

۱۲۸۔ بعض میں مادہ فعلی زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں مادہ انفعالی۔ فعلی قوت زیادہ ہو۔ تو اثر پذیری کم ہونے کی وجہ سے انسانی تعلق ذاتِ ربی سے کم ہوتا ہے۔ اور انفعالی قوت زیادہ ہو تو مجذوب ہو کر رہ جاتا ہے[3]۔ اور خدائی کھلونے کے سوا اُسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جو کچھ اس میں عکس ریزی ہوتی ہے۔ اس کی وہ جلوہ نمائی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجذوب لوگ اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ قوت فعلیہ کے تمام احکام (شرعیہ) اُن سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور قوتِ انفعالی کا مرکز ہو کر سرچشمۂ کرامات ہو بیٹھتے ہیں۔

کامل ترین انسان کون ہوتا ہے

۱۲۹ الف۔ کامل ترین انسان وہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ دونوں قوتیں مساوی ہوں۔ ایک طرف سے تو اس کی قوت انفعالی جذب اثر کرے۔ اور دوسری طرف قوت فعلی سے اپنے اثر کو دوسروں پر پہنچائے۔ اور یہ سلسلہ فیضان الٰہی ہر دم ہر گھڑی آبِ رواں کی طرح چلتا نظر آئے۔ لیکن ابتدائی منازل میں قوّتِ فعلی[4] بالکلیہ بیکار کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اُسے قوتِ فعلی سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ اور یہ قوّت زور پکڑتی جاتی ہے اور قوتِ انفعالی بہت کمزور رہ جاتی ہے اس لیے قوتِ فعلی فوراً روک دی جاتی ہے۔ اور اگر روکی نہ جائے تو ایسے طریقہ پر چلائی جائے جو قوّت انفعالی کے لیے ممد ہو۔ کیونکہ یکدم قوتِ فعلی کا روکنا محال ہے۔ اِس لیے پہلے ذکر پر توجّہ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد وقوف قلبی کی طرف، تاکہ قوّتِ فعلی میں یکسوئی

---

[1] رُوحِ انسانی۔

[2] فعل کام کرنا۔ انفعال اثر قبول کرنا۔

[3] جلوۂ الٰہی دیکھا اور عکس اتنا قبول کیا کہ خود عکس ہو بیٹھا۔ اب ظہور و اظہار اس کا نہیں اصل کا ہے یہ بیچارا تو عکس ہے۔

[4] قوتِ فعلیہ کے بیکار کر دینے کا نام ہی فنا ہے۔ کامل پیر کی نظرِ اکسیر کے اثر سے، ذکر کی کثرت سے اور مراقبہ کی کثرت سے قوتِ فعلی بیکار ہو جاتی ہے۔

پیدا ہو۔ جب یہ یک سُوئی کامل ہو جاتی ہے۔ تو قوتِ فعلی ایک خاص نقطۂ دل میں محصور اور محدود ہو جاتی ہے اور یہ یکسُوئی قوتِ انفعالی کی بنیاد قرار دے کر قوتِ فعلی کو

مراقبہ کی حقیقت

۱۲۹ ب۔ بالکلیہ روک دیا جاتا ہے اور قوتِ انفعالی کا آئینہ (قلب) قوتِ فعلی کے خطرات سے آئینہ وار صاف کر کے عکس پذیری کے لیے آفتابِ حقیقت (ذاتِ محبّت) کے سامنے کیا جاتا ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مراقبہ[1] کہتے ہیں۔

دُوئی کا احتمال کس طرح اور کب اُٹھتا ہے اور کہ تجلّی کا آئینہ مراقبہ ہے

۱۳۰۔ مراقبہ میں قوّتِ انفعالی طاقت پکڑنے لگتی ہے۔ اور قوتِ فعلی یعنی خطرات نابود ہونے لگتے ہیں۔ جوں جوں قوتِ انفعالی میں طاقت آتی جائے گی۔ اثر پذیری زیادہ ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ کوئی گھڑی تجلّی کے بغیر نہ گذرے گی۔ آخر کار قوتِ[2] انفعالی اس درجہ پر اثر پذیر ہو گی کہ دُوئی کا احتمال اُٹھ جائے گا۔ بلکہ انفعالی نسبت کا وہم بھی نہ رہے گا۔

فنا اور فنا الفنار کسے کہتے ہیں

۱۳۱۔ پہلی قوتِ فعلی کے فنا ہونے کا نام فنا ہے۔ اور دوسری قوتِ انفعالی کے گم ہونے کا نام فناء الفناء[3] ہے۔

۱۳۲۔ قلب کے اندر نہ فعل رہتا ہے نہ انفعال۔ بلکہ فعل اور انفعال بلا واسطہ آپس میں جکڑے جاتے ہیں۔ اور نفس ناطقہ کا واسطہ درمیان سے اُٹھ جاتا ہے۔ صاحب مثنوی فرماتے ہیں[4]

تو مباش اصلا کمال ایں[5] است وبس ۔ یہ قوتِ فعلی کے گم ہونے کا بیان ہے۔
اور رَو در وگم شو وصال این است وبس اور یہ قوتِ انفعالی کے معدوم ہونے کا بیان ہے۔

انسانی تکمیل سب سے بڑی یعنی سلوک کی انتہا کا مقام

۱۳۳ ا۔ جب یہ دونوں قوتیں احاطۂ قلب سے باہر ہو جاتی ہیں۔ تو انسانی تکمیل ہو جاتی ہے۔ دنیا و مافیہا سے الگ۔ نہ خوشی۔ نہ غم۔ نہ قوتِ فعلی کی رکاوٹ سے پریشانی ہوتی ہے۔ نہ قوتِ انفعالی کی اثر پذیری کی وجہ سے غم۔ ارشادِ باری عزّ اسمہٗ اسی تکمیل کے بارے میں وارد ہے۔

خوشی غم کا پاک ہونا انسانی تکمیل کا بلند درجہ ہے۔

۱۳۳ ب۔ مَآ اَصَابَکُمْ[5] مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ

---

[1] مراقبہ: نگاہ بانی۔ یہاں دل کی نگاہ بانی سے مُراد ہے کہ دل متوجہ اور منتظر ہو کر مخزن انوار سے کیا نازل ہوتا ہے۔ اور محبت کے جہان سے کیا ملتا ہے۔
[2] اثر پذیری میں اتنی قوت آجائے گی کہ سالک پر انوار چھا جائیں گے اور کسی طرح محسوس نہ ہو گا۔ کہ ع۔ تُو اور ہے میں اور ہوں
[3] فنا اور فنا ر الفنا کی کیا خوبصورت اور جامع تشریح ہے کہ تُو خود بالکل نہ رہ یہی کمال ہے۔ جا اور اُس (محبوب) میں گم ہو جا یہی وصال ہے۔
[5] جو مصیبت اور جو حادثہ زمین میں پہنچا یا خود تمہارے اندر جو کیفیت آئی یہ سب ایک کتاب میں ہے پیدائش سے پہلے اور یہ اللہ کے سامنے آسان ہے۔ تاکہ تم اپنے نقصان پر افسوس نہ کرو اور جو چیز تمہیں حاصل ہوئی ہے اس سے خوش نہ ہو۔

اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ۔ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ؕ

۱۳۴۔ مصائب صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک آفاقی اور دوسرے نفسی۔ لیکن اللہ کے بندوں کو ان دونوں مصائب سے تکلیف نہیں ہوتی۔ نہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم کھاتے ہیں! اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یقینِ کامل ہو چکتا ہے کہ ذاتِ ربّی نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔

ولی اللہ دنیاوی خوشی و غم سے پاک ہوتے ہیں

۱۳۵۔ پیغمبر اور رسول اپنے قوائے مذکورہ میں نہایت طاقتور ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلّق اور پیوند نہایت جامع اور مضبوط ہوتا ہے۔ اِس لئے اُنہیں متاثر اور مؤثر ہونے میں دقت نہیں ہوتی ہے گویا دونوں قوتوں کا جوڑ نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ متاثر ہونا ہی درحقیقت فعل تاثیر پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔

نبی اور رسول الٰہی اثر میں بہ نسبت ولی کے زیادہ فعلی و انفعالی بہت زیادہ طاقتور ہوتے ہیں

۱۳۶۔ اِس لئے حکم ہوتا ہے " وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی[1]۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی "۔ یہ قوّتِ ارادی کے ظہور کا حکم تھا کہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وحی الٰہی سے۔ اور فعلی ظہور پر ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ[2] اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (ترجمہ) آپؐ نے نہیں پھینکا جبکہ تم نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا ؕ

۱۳۷۔ اولیائے کاملین کا بھی اکثر یہی حال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آپ کی ہر حرکت، ہر فعل اُس اثر پذیری کا نتیجہ ہوتا تھا جو ملاءِ[3] اعلےٰ سے وارد ہوتا تھا۔ اور اس میں بہت کم خطائیں ہوتی تھیں۔ اُلٹے سیدھے ہاتھ کارگر ہوتے چلے جاتے تھے ؕ

اولیائے کاملین کے حالات کی مثالیں یہی ہیں۔

۱۳۸۔ ہاں قوّتِ[4] فعلی کو روک لیا جائے۔ تو پھر قوّتِ انفعالی کی تہ میں اِتنی قوّتِ فعلی پیدا ہو جاتی ہے کہ سنبھالنی مشکل ہو جاتی ہے اور جب کبھی بضرورت یا بلاضرورت ایک ذراسا

کرامت کا فلسفہ اور حقیقت۔

---

[1] اور وہ (نبی کریمؐ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو وحی ہی ہوتی ہے جو ان کو کی جاتی ہے۔

[2] اور جب آپؐ نے (کنکریاں) پھینکیں تو وہ اللہ نے پھینکیں۔

[3] ملأ اعلیٰ : فرشتوں اور ارواح کا جہان۔

[4] جب قوتِ ارادی کو روک لیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو قضائے الٰہی کو ماننے کا خوگر بنایا جاتا ہے تو جب کبھی ارادہ کسی وجہ سے اُٹھتا ہے قضائے الٰہی بن کر اُٹھتا ہے اور ارادۂ ذات کی طرح عمل کرتا ہے۔ یہی کرامت ہے یا تصرف اولیاء اللہ۔

سوراخ پا جاتی ہے تو ایک گھڑی میں عالمِ کون و فساد میں تلاطم پیدا کر دیتی ہے یعنی سنت اللہ کے خلاف (خرقِ عادت) عمل پذیر ہو کر وہ قوت باعثِ کرامت ہو جاتی ہے۔

۱۳۹۔ اسی وجہ سے جو اولیائے کرام اپنی قوتِ[1] فعلی و انفعالی کو سمیٹے ہوئے خلوت نشیں رہتے ہیں۔ وہ اپنے میں وہ قوت پاتے ہیں کہ چاہیں تو اُڑیں۔ چاہیں غوطہ کھا جائیں۔ چاہیں تو خشک پاؤں دریاؤں سے پار نکل جائیں۔

۱۴۰۔ بخلاف اُن اولیاء کے کہ جلوت میں آ کر اپنی قوتِ فعلی کو کسی خاص مصرفِ شرعی میں صرف کر کے خلق اللہ کے مُادائے اکمل بنتے ہیں۔ اور شریعتِ غرّا[2] کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس صورت میں اُن کی قوتِ فعلی کا انعکاس اور صَرف ہر گھڑی اور ہر آن ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ گروہ زیادہ کرامات اور عجائبات کا چشمہ نہیں رہتا۔ اس لئے شیخ الطریقہ حضرت مولانا و مُرشدنا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ "ہماری یہ کیا کم کرامت ہے کہ ایسے عالی مضامینِ قدسیہ ہمارے نوکِ قلم سے نکلتے ہیں۔ جو سراسر میزانِ سنت کے برابر ہو کر اترتے ہیں۔"

۱۴۱۔ ذکر کے تمام مراتب[3] لسانی۔ قلبی۔ خفی۔ اخفی۔ سلطان الاذکار قوتِ فعلی کے اندر ہیں اور مراقبات کے تمام مدارج (مثلاً دوائر ــــ کمالات اور حقائق) قوتِ انفعالی کے زیرِ سایہ ہیں۔ اس لئے جو لوگ مراقبات میں بھی قوت فعلی سے کام لیتے ہیں وہ غلط طریقے پر کاربند ہیں۔ بلکہ طبیعت کو اثر پذیری (اور متوجہ ہونے) کے لئے مطلق چھوڑ دیا جائے تاکہ طبیعت خود بخود اپنے مؤثر سے بدل کر اپنے کیفیات ظاہر کرے۔ نہ یہ کہ وہمی خیالات سے ایک وہمی تصویر سالک کے سامنے کر دی جائے اور اس کے مطابق وہ اپنے خیالات کو اور توہمات کو چلا کر ایک خیالی کیفیت پیدا کر لے۔ ایسی وہمی اور خیالی کیفیت سے بجز زیانِ وقت اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

---

[1] دنیا سے لاتعلق ہونے والے اولیاء اللہ میں کرامات کا ظہور کثرت سے ہوتا ہے۔

[2] شریعت غرّا کی پیروی اور اس مقصد کے لئے دعوت دینا چونکہ ایک عظیم حصہ ہے کمالاتِ بشری کا، اسلئے جن کو یہ دولت ملتی ہے اُن کی قوتِ فعلی اور قوتِ انفعالی کو چونکہ اپنے صرف کے لئے ایک وسیع میدانِ عمل مہیا ہوتا ہے۔ اس لئے خرقِ عادات کی گنجائش نہیں رہتی۔

[3] ذکر کے مراتب اور طریقوں کی تفصیل۔

موجودہ وقت کے صوفیوں کی حالت

۱۴۲- موجودہ وقت میں بہت سے صوفی ہیں بلکہ متصوّف جو سلوک کے تمام منازل طے کر کے وہی رہتے ہیں۔ جو پہلے دن وہ سلوک کی الف۔ بے کے شروع کرنے میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ دستارِ خلافت کا بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے خلق اللہ کی ہدایت کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن طبیعت میں اتنی افتاد بھی نہیں ہوتی کہ اپنی نامرادی پر تاسّف کرتے ہوئے اتنا بھی منہ سے نکال کر اپنی تسلّی کر بیٹھیں ؎

دَورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت[1]
دائماً یکساں نماند دَورِ گردوں غم مخور

مراقبات سرچشمہ اسرار و کیفیات ہیں اور ذکر منبع و مخزن انوار الٰہی ہیں

۱۴۳- یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح قوت انفعالی سرچشمہ کیفیات ہے۔ اسی طرح قوتِ فعلی منبع اور مخزن انوار الٰہیہ ہے۔ ذکر کے تمام مراتب قلب کے اندر اور بشرے (چہرے) پر وُہ انوار پیدا کر دیتے ہیں کہ دیکھنے والا محو حیرت ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ذکر میں زیادہ توغّل رکھتے ہیں اور اس میں اپنا پُورا انہماک رکھتے ہیں اور کمال دکھاتے ہیں۔ ان کے چہرے کی شعاع اور قلب کی حرارت سے دنیا مشتعل ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مسحورِ نگاہِ ناز ہو کر گر پڑتا ہے[2]۔ بخلاف قوت انفعالی کے کہ وہ محویت اور حیرت میں ڈالتی ہے۔ اور حرارت اندرونی کو اندر ہی اندر جذب کر کے نسیانِ ماسواء کا آئینہ بنتی ہے۔ ظاہر بین نہیں دیکھ سکتا کہ صاحب کیفیت کس کیفیت میں جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مراقبات میں اپنے وجود کو درجہ استہلاک[3] تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے چہرے اور بُشرے اتنے روشن پُر از انوار نہیں ہوتے۔ ہاں چہرے میں صفائی اتنی ہو جاتی ہے۔ کہ دوئی کا زنگ اٹھ جاتا ہے وَاِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ[4] (جب ان کو دیکھو تو اللہ یاد آجاتا ہے) کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

کیفیات کی ...

۱۴۴ الف- اس تفصیل کے بعد میں اپنے حالات اور کیفیات میں جاتا ہوں کہ جب قوت انفعالی[5] کا آغاز ہو گیا۔ تو محبت جو لازمہ انفعال ہے میرے حال پر وارد ہو گئی۔ اور جو حال اور کیفیت

---

[1] زمانے کی گردش اگر چند دن ہماری مراد پر نہ چلی تو کوئی غم نہیں ہے۔ زمانے کی گردش ہمیشہ یکساں نہ رہے گی۔

[2] نگاہِ ناز کا جادو دکھا جاتا ہے۔

[3] استہلاک۔ فنا کر دینا۔ (لفظی معنی ختم ہونے کی خواہش)

[4] جب اُن کو دیکھا جاتا ہے اللہ کریم یاد آتا ہے (یادِ الٰہی شروع ہو جاتی ہے)

(بقیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

۱۴۴ ب ۔ پیرو مرشد علیہ الرحمۃ مجھ پر وارد کرنا چاہتے ۔ وہ فوراً آپ کے خیال اور آپ کی توجہ سے وارد ہو جاتی تھی ۔ اور ذرا سی جنبش بھی اس وقت دِل کی ٹھوکر کا باعث بن جاتی تھی ۔ کوئی معمولی ذکر بھی چھڑ جائے ۔ آنکھیں پُرنم ہونے لگتی تھیں ۔ یہاں تک کہ گاہے پیرو مرشد کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی تھی اور گاہے آپ کا سینۂ مبارک میرے سینے کے مقابل دکھائی دیتا تھا ۔ کبھی درود شریف کو پڑھتے ہوئے ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینۂ بے کینہ مقابل ہوتا ۔ اور فیوضات اور انوار چشمہ آفتاب کی طرح میرے سینہ اور قلب پر گرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے ۔

مرشد کا اثر اور توجہ کس وقت زیادہ وارد آور ہوتی ہے ۔

۱۴۵ الف ۔ نماز ادا کرتے ہوئے قبلہ کعبہ (بیت اللہ شریف) گو اپنے سامنے ہوتا تھا اُس کے انوار اور اس کی حقیقت جامعہ بلا حجاب نظر آتی ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ خیال کرنا ، کہ ایک خیالی تصویر کوٹھے دیواروں کی آنکھوں کے سامنے آجاتی تھی ۔ نہیں ، ہرگز نہیں ۔ نہ دیوار ہے نہ چھت ہے ۔ کچھ اور ہے جسے اللہ تعالے نے كعبة الله فرمایا ۔ گاہے گاہے سجدے میں گرتے ہوئے حقیقت جامعہ کلیہ (ذاتِ بحت[1]) نظر آجاتی تھی ۔ یہ ظاہری آنکھیں بند تھیں ۔ وہ دوسری آنکھ ہے جو اُسے دیکھتی ہے یہ وہ دیکھنا نہیں ۔ جو دِل دیکھتا ہے اس میں خیال کو گنجائش نہیں ۔ وہم کو تعلق نہیں بلکہ یہ وہ ظہور ہے جس کے بارے میں خود اس ذاتِ باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے ۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ[2] لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق عز اسمہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ ظہور ہے غیبی ہے ۔ قلبی ہے یا بصارتی ہے ۔

حقیقت جامعہ کلیہ یعنی ذاتِ بحت کا ظہور

۱۴۶ الف ۔ اگرچہ پہلے ذات بابرکات کی بابت بہت سے شکوک پیدا ہونے تھے ۔ لیکن اس تبیّن ظہور کے بعد کوئی شک نہیں رہا ۔ جس طرح ایک انسان اپنے مشاہدات کے لئے کسی دلیل کو پیش کرنا نہیں چاہتا ۔ اسی طرح اس تبیّن کے بعد کسی دلیل کسی حجت کی ضرورت اسے مولا کریم کی ذاتِ بابرکات کے لئے نہیں رہتی بلکہ اس کا ظہور اُس کے وجود بلکہ اُس کی

ظہور حق کے بعد شکوک نہیں رہا کرتے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۳۵)

۵ جب ذکر اذکار اپنا کام کر چکتے ہیں اور طبیعت یکسو ہو جاتی ہے تو روحانی اثرات اور کیفیات مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں ۔

[1] ذات بحت ۔ حقیقت جامعہ (ذاتِ الٰہی)

[2] یہاں تک کہ اُن پر یہ واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے ۔

حقیقت پر خود شاہد ہو جاتا ہے لیکن اس شغل میں میری قلبی توجہ ہر وقت ہر آن اُس کی طرف رہا کرتی تھی۔ بلکہ یوں سمجھیں کہ میری نظر فکری ہر وقت ماہیت قلب پر تھی اور قلب کی آنکھ اُس کے دیدارِ فیض آثار کی منتظر۔ اکثر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حقیقتِ قلب سے ایک رشتہ نکل کر اس کی ذات کی طرف جاتا ہے لیکن دوسرے سرے کا پیوند نظر نہیں آتا۔ بعد میں ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ حقیقت جامعہ[1] انسانی (قلب) آئینہ وار ہر وقت اس کی شعاع پذیری کے لئے مقابل رکھا گیا ہے۔ اور ہر گھڑی فیوضات حاصل کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر الہام[2] کی حقیقت روشن ہو گئی کہ خیال وہم اور

۱۴۶ ب۔ الہام میں کیا فرق ہے جس طرح خود ذاتِ باری عزّ اسمہ کا ظہور دیکھنے کے بعد شک نہیں رہتا۔ اسی طرح اس تناجی (الہام) کا بالکلیہ شک نہیں ہوتا۔ ہاں بعض احباب کو ضرور دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ الہام اور[3] اوہام میں فرق نہیں کر سکتے کیونکہ وہ توازن حقیقی کو بھول جاتے ہیں۔ اور اپنی خودی[4] میں آجاتے ہیں۔ اُن کے پاس نہ ظہورِ حق کی جلوہ نمائی ہوتی ہے نہ الہام کا رشتہ درست ہوتا ہے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہیں۔ اور توازن کرنے والے کم ہیں۔ اس لئے مجددِ طریقہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو الہام میزانِ شریعت میں پورا نہ اُترے وہ مردود ہے۔

۱۴۷ الف۔ اسی موقعہ پر سیر نظری ہوئی کہ نہ وجود کا پتہ ہے نہ خیال کا پتہ ہے۔ نہ وہم کا گمان ہے بلکہ معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے کہ اُڑتی ہوئی تیز از نظر جا رہی ہے۔ یہاں نہ فوق ہے نہ تحت نہ جنوب نہ شمال۔ تاہم طیران برابر جاری ہے انتہا نہیں کہ ٹھہر جائے۔ اس موقعہ پر یہ راز کھل جاتا ہے۔ کہ سرورِ کائنات مفخرِ موجودات جب شب معراج میں براق پر سوار ہو کر شش جہت سے نکل گئے۔ تو کس سمت آپ کی سیر ہوئی۔ اور کہ ذاتِ بحت بلا سمت ہے۔ پھر کیونکر سیر براقی ہوئی۔

۱۴۷ ب۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ محدود کے اندر بلا جہت چلنا مشکل ہے لیکن جہاں حد نہیں جہت نہیں۔ وہاں سمت پر چلنا کیسا؟ جیسا کہ ہمارے تصوّر میں کسی فضائے[5] غیر محدود کا تصوّر مشکل ہے۔ اسی طرح غیر محدود فضا میں بلا جہت بلا سمت سیر محال معلوم ہوتی ہے لیکن جیسا کہ

خیال وہم اور الہام میں کیا فرق ہے اور کسے دھوکا نہیں لگتا۔

کیفیت سیر نظری کا ذکر

معراج پر شش جہت سے باہر بلا سمت جہت کی حقیقت

---

[1] حقیقت جامعہ انسانی۔ انسان کا قلب، یہ حقیقت ایک آئینہ ہے جو انوارِ الٰہی کا عکس قبول کرتا ہے [2] الہام آسمانی فیصلے دل پر منعکس ہونا۔

[3] الہام اور قوتِ واہمہ کے تخیل میں کارفرمائی کا فرق یہی ہے کہ الہام کی صحت کے لئے شریعت کا پیمانہ موجود ہے اور وہم کے لئے کوئی ترازو نہیں۔

[4] الہام بے خودی کا ایک ثمر ہوتا ہے اور چونکہ بے خودی کی بات کا یقین مشکل ہے، اس لئے شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا کھرا پن دیکھ لینا چاہیئے۔

[5] ہماری عقل ہماری بصیرت لوازمات کی قید میں ہے خود الفاظ معانی کے لئے ایک قید ہیں۔ غیر محدود کا خیال ہمارے وہم کی گرفت سے بالاتر ہے اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ کیفیات کے عالم میں الفاظ کی محصوریت ایک ایسی تنگی ہے جو معانی کو برداشت نہیں کر سکتی۔

دنیاوی انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا

۱۴۷ج۔ مکین کے لئے لامکاں کا تصوّر میں لانا محالات سے ہے اسی طرح محدُود کو غیر محدُود پر کسی کلّیہ کا قائم کرنا محالات سے ہے۔ اور قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے یہ دنیاوی[۱] انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی حکم صحیح یا غلط قائم نہیں کر سکتا۔

سالک جب محدود سے غیر محدود میں جا پہنچتا ہے تو ناممکن، ممکن ہو جاتا ہے

۱۴۸۔ ہاں یہ امور اس وقت کھلتے ہیں کہ جب سالک محدُود دنیا کے دائرہ سے نکل کر طیران کرتا ہے تو یہ تمام ناممکنات ممکنات کی صورت میں عیاں نظر آتے ہیں۔

طبیعت کی وسعت اور اس کے نتائج یعنی سالک ایک آئینہ بن جاتا ہے

۱۴۹۔ اس وقت طبیعت میں اتنی وسعت ہو گئی کہ اپنے رگ و ریشہ میں بھی نظر دوڑتی پھرتی ہے سینہ کا تمام باطنی پہلو آنکھوں کے سامنے رکھا ہے۔ سینہ اتنا صاف ہے کہ ذرا بھی شکن (خیال) نہیں۔ جو چیز سامنے آجاتی ہے۔ اس کی حقیقی تصویر سینہ کے اندر بلا تفکّر داخل ہو جاتی ہے۔ نہ مراقبہ کی ضرورت ہے نہ آنکھیں بند کرنے کی۔ بلکہ بلا اختیار بالمقابل (متشخص) چیز یا نفس کے اثرات تمام وجود پر طاری ہو کر اس کی حقیقت کا نمونہ خود اپنی ذات ہو بیٹھتی ہے۔ اپنے اندر کچھ نہیں محبت ہے تو عکس غیر۔ غصہ ہے تو اثر غیر۔ کلمات فحش زبان پر آجاتے ہیں، تو بلا اختیار۔ اور ذکر اغیار زبان سے نکلتا ہے تو بلا ارادہ۔

مجذوب کی گالیوں کی وجہ

۱۵۰۔ اکثر دوست کہتے ہیں کہ مجذُوب[۲] لوگ گالیاں زیادہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے۔ کہ اس میں ان کا کیا دخل۔ جیسے لوگ ان کے سامنے جا دیں گے۔ ویسا ہی وُہ کُلیں گے۔ ایک متّقی یا ولی کے سامنے اُن کی کیا مجال کہ ایک لفظ بھی غیر شرع منہ سے نکال جائیں۔

غلط کشف اور اس کی حقیقت

۱۵۱۔ یہاں پر یہ بھی سمجھ میں آگیا ہو گا۔ کہ کشف کیا چیز ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے اور کیونکر صاحبِ حال یا صاحبِ کشف باطنی امور سے باتیں کرتا ہے۔ مجھے ایک زمانہ یہ معمہ گردش دیتا رہا۔ لیکن جب یہ حقیقت عیاں ہوئی تو ان مُغیبات[۳] پر حکم لگانے والوں کو بھی اس ذات بحت

۱۔ جب سالک کی پرواز بلند ہوتی ہے تو سفلی عالم کی تمام قیود سے اس کی رُوح آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ہر کیفیت عالمِ بالا کی کیفیت کا درجہ رکھتی ہے یہ حقیقت سمجھنے کے قابل ہے۔ سمجھانے کے قابل نہیں۔

۲۔ مجاذیب کا وجود ایک آئینہ بن جاتا ہے۔ جو چیز مدِّ مقابل آئے اس کی تصویر اُتار لے۔ مجاذیب کے سامنے جیسے آدمی آئیں گے ان کا قلب ان ہی کی کیفیات قبول کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۹ پر)

عزّ اسمہٗ و برہانہٗ کے سامنے ایسا پایا۔ جیساکہ دُوسرے عوام کو۔ وہ ایک دُوربینی شیشہ ہے کہ جس پر دُور کے خاکے قریب تر ہو کر دکھائی دیتے ہیں! اور تصویر صاف ہو جاتی ہے۔ ورنہ دراصل چیز اس سے بھی اتنی ہی دُور ہے جتنی اس کے پاس بیٹھنے والوں سے یا ایک آئینہ ہے کہ جس سمت کو مقابل کیا جاتا ہے۔ اس سمت کا عکس بعینہٖ اس میں آجاتا ہے! اور دیکھنے والے کو بالکل ہر ایک چیز قریب نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت صاحب نظر کو حقیقی دیدہ نمائی اتنی ہی مشکل ہے جتنی کہ ایک دُوسرے آئینہ میں نظر نہ ڈالنے والے کو۔

۱۵۲۔ اس حالت میں جو آدمی میرے ملنے کے لئے میرے پاس آتے تھے۔ میں ان کا رنگ قبول کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار میں لاہور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک میرے مکرّم مفرّح صاحب کی ملاقات ہو گئی۔ لیکن ملنا ہی تھا کہ خاموش زبان چلنے لگی۔ اور ایسی بے تکی کہ الامان! وہ غائب بھی ہو گئے لیکن یہ اثر لاہور تک جاری رہا۔ حالانکہ میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری مرض کی عیادت کے لئے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے غم لاحق حال تھا۔

۱۵۳۔ اس پر یہ سوال پیدا نہ ہو کہ گاڑی میں اور لوگ بھی تھے۔ اُن کا اثر کیوں طبیعت نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ جس کی طرف طبیعت متوجّہ نہ ہو اس کا اثر بالکلیہ خود بخود وارد حال نہیں ہوتا۔ بلکہ جس وقت طبیعت متوجّہ ہوتی ہے اور متوجّہ الیہ کا تمام عکس طبیعت پر منعکس اور منطبع ہو جاتا ہے اور بس۔

۱۵۴۔ ایک بار حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ضلع گجرات کے رہنے والے ایک دوست کا خیال ستانے لگا۔ ہرچند ایسے خیالات وہاں بے ادبی تھی۔ میں اس کے دفعیہ کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن متواتر تین دن وہ خیال مجھ سے دور نہ ہو سکا۔ آخر سوچنے کے بعد خیال آیا۔ کہ اس کے خیال کا عکس یہ خیال ہے۔ جب وہ خیال (یادگیری) سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸)

۳؎ یہاں کس خوبی سے نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی لطیف تفسیر بیان ہو گئی ہے۔ کہ ذاتِ بحت کا قرب بعد اپنے ہی اندر ہے۔ عوام کا احساس بیدار نہیں خواص اور مقربین کا احساس بیدار ہے۔ اسی احساس کی بیداری سے قرب محسوس ہو رہا ہے ورنہ وہ ذات رحیم مطلق تو اپنی رعنائیوں کے ساتھ ہر کہیں موجود ہے۔ اور اُس کے انوار ہر ذرہ سے قریب۔

نہ ہٹے گا۔ یہ خیال مجھ سے دُور نہ ہو گا۔

۱۵۵۔ آخر دنیاوی گردشوں کی وجہ سے جب اُس کے خیال نے پلٹا کھایا۔ تو جب سے مجھے بھی اس کے خیال نے آکر کبھی نہیں ستایا۔ سوائے اس کے کہ مَیں اس کی حقیقت عیاں کروں۔

۱۵۶۔ اگر مُرشد کامل[1] و مکمل ہو۔ تو اس حال پر پہنچ کر سالک نہایت جلدی اور زودی سے اپنے منازل کے طے کرنے میں ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ پیر و مرشد کے خیال سے ہی یہ سالک پہاڑ جیسی بلند چوٹیوں پر جا چڑھتا ہے اور دریا جیسی گہرائیوں میں غوطے مارنے لگتا ہے۔ اور تھوڑے دنوں میں گوہرِ مقصود کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۵۷۔ لیکن بدقسمتی سے اگر پیر و مرشد کملائے[2] جہان سے نہیں۔ تو پھر سالک کا نام کیا کرایا اکارت جاتا ہے۔ کبھی کشفِ قبور میں پڑ گئے۔ اور کبھی کشفِ عیانی میں۔ اور نہ اس بیچارے کو خود معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اب کیا کرنا ہے اور اب میں کیا ہُوں۔ جو دوست پہلے گرداب وہمیات سے بچے تھے۔ اب اُن کا بچنا نہایت مشکل ہے۔ ہاں اِس وَرطۂ مظلمہ سے نکل گئے تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔

۱۵۸۔ اس حالت میں حالتِ شہود[3] پیدا ہو گئی۔ ہر گھڑی ہر آن بلا تفکر بلا تخیل اُسی ذاتِ حق کی جلوہ نمائی ہے۔ اور وہ راز کھل گیا۔ جو کہ ارشاد کی صورت میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ فرمایا تھا۔ کہ "حضرت صاحب بیربل والا نے تو کبھی نہاتے وقت بھی ٹوپی نہ اتاری تھی"۔ (ملفوظ) یعنی کیفیت شہود اس درجہ پر تھی۔ کہ کوئی امر خلافِ شہود سرزد نہ ہوتا تھا۔ بلکہ جب آپ کی آنکھ نیند میں گم ہو جاتی تھی۔ تو بیداری پر اس خوابِ اضطراری کو گناہِ عظیم جان کر بایں الفاظ استغفار فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی[4] بِاِسْمِکَ وَاِسْمِ حَبِیْبِکَ

یا اللہ اپنے نام کی طفیل اور اپنے حبیب کے نام کی طفیل میرے گناہ بخش دے۔

---

[1] طبع کی صفائی اور مرشد کامل یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو معرفت کے کمال کی ضمانت ہیں ذہانت کامل اور اُستاد مکمل ہو تو پھر تعلیمی دشواریاں کتنی آسان ہو جاتی ہیں۔

[2] کملاءُ جمع کامل ۔ اگر سالک محنت کرے بھی لیکن شیخ کا کمال اس کی طبع کی بلندی کا ساتھ نہ دے تو پھر مُرید بیچارا کشف وغیرہ کے کھلونوں میں پھنس جاتا ہے۔

[3] شہود۔ حضوری ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کے تصور میں پختگی آجانا۔

[4] الٰہی مجھے معاف فرما دے اپنے نام پاک کے صدقے اور اپنے حبیب پاکؐ کے اسم کے صدقے۔

(حضرت قبلہ میاں صاحب کا شہود)

۱۵۹۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہود بھی اِس درجہ تھا کہ ہمیشہ دوزانو، ہمیشہ خائف، ہمیشہ مؤدّبانہ لباس میں۔ کبھی بھی آپ کی چوٹی ننگی نہ ہوتی۔ یہی حالت آنحضرت قدوۃ السالکین حضرت جدِ امجد علیہ الرحمۃ کی تھی۔

(راقم کا شہود)

۱۶۰۔ اس حالت میں آکر میری اپنی یہی حالت ہوگئی۔ جب کبھی غفلت وارد ہوجاتی تو زائل ہونے پر فوراً قبلہ رُخ دوزانو ہوجاتا تھا۔ سر سے ننگا ہونا اتنا برا معلوم ہوتا جتنا ستر کے بغیر ہونا۔ یہی وہ مقام ہے کہ ارشادِ باری عزّ اسمہٗ ہے۔ اَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ[1]

۱۶۱۔ "ظہورِ حق[2]" میں عام جلوہ نمائی تھی۔ اب خاص ہے۔ وہاں بُعد تھا۔ یہاں قرب ہے وہاں حقیقتِ حقانیت کا ظہور ہے۔ یہاں حقیقتِ ربُوبیت کا شہود ہے۔ ان دونوں مراتب میں بہت بعیدہ مسافت ہے اور لاکھوں تفاوت۔

(شہود بطور مقام کسی کو نصیب ہوتا ہے ...)

۱۶۲۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر سالک کا گذر اِس مقام سے ہوتا ہے لیکن شہود بطور مقام کسی صاحبِ قسمت کے حصّہ میں آتا ہے۔ ہر ایک کو یہ درجہ نصیب کہاں؟ کہ ہمیشہ کا شہود اسے حاصل ہو اور ہر وقت حضورِ ربّی کے جلوے برملا دیکھے۔

۱۶۳۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درجہ منازلِ عروج کا مقام ہے اور جب تک نزول بعد العروج نہ ہو۔ سالک اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا۔ لیکن نزول میں یہ درجہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ غلط ہے۔ بلکہ شہود اگر دائمی ہوجائے تو یہ تمام منازل سے بلند مقام ہے اور یہ اس شہود سے الگ ہے جو کہ منازلِ عروج کے اندر سالک کو پیش آیا تھا۔ اس لئے تفصیل کسی دوسرے مقام پر کی جائے گی۔

(حالتِ قرار ...)

۱۶۴۔ اس حالت میں جب حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے ایک دو بار توجہ فرمائی۔ حالت نے فوراً اپنا قدم چوٹی پر جا رکھا۔ اب کیا ہے۔ نہ

---

[1] تجھے اپنے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔

[2] یہاں ظہورِ حق سے مراد حتیٰ یتبین انہ الحق کے ظہور کا بیان ہے اور علٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ کا مقابلہ ہے۔ کہ وہ ظہورِ حقانیت کا ظہور تھا جو یقین کی جان ہے اور یہاں ربوبیت کا ظہور ہے کہ جسم و جان ہر لحہ و ہر آن اُس کے فیض سے مستفیض ہے اور اس عقیدے کے یقین اور اس عمل کے یقین میں فرق ہے۔ ربوبیتِ مطلقہ تو ذرے ذرے میں کار فرما نظر آتی ہے۔

جوش ہے۔ نہ کیف ہے نہ خیال ہے نہ وہم ہے نہ ذکر ہے نہ فکر۔ گھنٹے نہیں دو گھنٹے نہیں۔ پہروں بلکہ دنوں گذر جاتے ہیں۔ لیکن باوجود ہوش کے یہ معلوم نہیں کہ میں کس حال میں ہوں۔ کئی بار جھنجھلا کر ذکر و فکر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ لیکن بے سود۔ صبح سے دوپہر ہوتی ہے۔ اور دوپہر سے شام۔ لیکن یہ حالت بدستور قائم ہے۔ افعال کے سوا باطن بالکل کورا۔ نہ فعل ہے نہ انفعال۔ قلب ان تمام صفات سے معرّا اور پاک ہے۔ اب یہ انجذاب اس درجہ پر پہنچ گیا ع

تو درو گم شو وصال این است و بس[1]

اِس حال میں آ کر شہودی کیفیت بھی گم ہو گئی۔ نہ ذکر ہے نہ ذاکر۔ نہ مذکور کا علم (بلکہ مذکور ہی مذکور رہ گیا۔)

۱۶۵۔ تاہم پریشانی تھی۔ کہ یہ کیا ہو گیا اور کیوں ہوا؟ آخری توجہ فرمائی گئی تو پھر سینہ کے اندر ٹھنڈک ہی ٹھنڈک دکھائی دیتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کا سینۂ بے کینہ پاک و صاف میرے سینہ کا غلاف ہے اور میرا سینہ اٹھا لیا گیا۔

حالتِ شہود کے بعد مقامِ وصل و کمال

۱۶۶۔ پہلے تو مجھے خوف ہوتا تھا کہ ذکر کے سوا خیال نہ آئے۔ لیکن ہزاروں خیالات جمِ غفیر کی شکل میں آتے جاتے تھے۔ اور حضرتِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حسبِ کیفیات اشارہ فرما کر ہدایت فرماتے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لیکن اب آبِ عمیق کی طرح تمام سینہ صاف ہے۔ اور نام تک کو تموّج[2] نہیں۔ آپ گھنٹوں مراقب رہے لیکن میری حالت میں کوئی تغیّر نہیں۔ نہ جوش ہے نہ بے آرامی۔ بلکہ خیال کی جنبش تک نہیں۔ آپ نے سر اٹھایا تو خوش اور کچھ خلافِ معمول نہ فرمایا۔

کیفیت وصال میں دوئی کا خیال اٹھ جاتا ہے۔

۱۶۷۔ یہ وہ حالت ہے کہ جس کے بارے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہود کی جلوہ نمائی سے جو شک پیدا ہو گیا کہ وصال ناممکن ہے۔ نہیں بلکہ

---

[1] تو اس ذات میں گم ہو جا بس یہی وصال ہے۔

[2] وصال کا اور کمال کا ایک نقشہ کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھنٹوں متوجہ رہے لیکن پہلی ہی حالت ہے کوئی تموج جسم و خیال میں نہیں۔

اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ[1]۔ اب سالک اس کی ذات میں محاط ہو گیا۔ اور اس کی ذات احاطہ کنندہ (محیط) یہاں آکر دُوئی اُٹھ گئی۔ شہود[2] میں دُوئی تھی۔ اب دوئی کا علم نہیں رہا۔ گو کہ درحقیقت دُوئی ہے یا نہیں عَلٰی خِلَافِ الْقَوْلَیْنِ[3]۔

کیفیت وصل کا نقشہ

۱۶۸۔ غرض قوتِ انفعالیہ بھی گم ہو گئی۔ اور اُسی کی ذات وحدہٗ لاشریک رہ گئی۔ اس حالت میں آکر گذشتہ کیفیات معدوم ہو گئیں۔ اب خیالات آتے ہیں تو آئندہ وقوع پذیر ہونے والے امور۔ بلا تخیّل۔ بلا تفکّر۔ جو خیال بھی آتا ہے وہ ہو کر گذرتا ہے۔ اگر دعا اٹھتی ہے تو بلا سبب۔ اور بد دعا نکلتی ہے تو بلا وجہ۔ نہ سائل موجود ہے نہ مسؤل۔ خود بخود خیال آتا ہے۔ یہ کام ہو جائے۔ اور یہ نہ ہووے۔ لیکن اس کے فائدہ مند اور غیر مفید ہونے سے تعلق نہیں۔ دنیا سے بے تعلّقی کمال درجہ پر ہو گئی۔ لیکن پھر تعلق بھی ہے کسی سے بات چیت کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن اندر ہی اندر تعلّقی خلش بھی ہے۔

وصل کے حال میں سالک کا خیال کائنات کا بیج ہوتا ہے یعنے تغیر نفسی کے ساتھ تغیر عالم وابستہ ہو جاتا ہے

۱۶۹۔ اس وقت جس امر کے لئے اضطرار پیدا ہوا وہ ہو کر رہا۔ اور جس امر کے لئے توجہ نہ اٹھی، وہ اُدھورا ہی رہا۔ خواہ اپنے ہاتھ پاؤں کام میں مشغول بھی ہیں۔ اپنے نفع و نقصان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب چند مثالیں اس کیفیت کے ظاہر کرنے کے لئے لکھتا ہوں۔

کیفیت وصل میں خطرات و خیال کا ماورا رفتہ وقوع اور اس کے عکس بیان۔ اسکی مثالیں اور کیفیت [illegible]

۱۷۰۔ تقریباً چھ ماہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے پیشتر حضور کا خیال آئے اور دل چاہے کہ عریضہ خدمتِ عالیہ میں لکھوں جس کا عنوان یہ ہو ؎

تنت[4] بنازِ طبیباں نیاز مند مباد	وجودِ نازکت آزردہ گزند مباد
سلامتِ ہمہ آفاق در سلامتِ تست	بہ ہیچ عارضہ شخصِ تو دردمند مباد

پھر کہوں کیسا باؤلہ ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہیں۔ اور تو یہ لکھنا چاہتا ہے۔ لیکن آخر وہی ہوا جو دل نہ چاہتا تھا۔ اور تمام دنیا کی سلامتی جاتی رہی۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔ کہ اس وقت

---

[1] خبردار بیشک وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

[2] مقامِ شہود میں شاہد اور مشہود دو ہیں لیکن مقامِ وصل میں محبوبِ حقیقی کی ذات کا جسم و روح پر احاطہ ہے اور من تو شدم تو من شدی کا نقشہ۔

[3] دوئی کے متعلق بزرگوں کے دو قول ہیں۔

[4] تیرا جسم خدا کرے طبیبوں کے ناز نہ اٹھائے۔ اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ تمام جہان کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے۔ خدا کرے تیرا وجود کسی عارضے سے بیمار نہ ہو۔

میاں کرم دین اور مہر نواب خان لنگر کی خدمت کرتے ہیں۔ ایک جانی اور دوسرا مالی۔ جب نہ ہوں تو گذران کیونکر ہوگی۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے اندر مہر نواب خان مرحوم انتقال کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گویا یہ خیال ایک آئندہ آنے والے واقعہ کی دھندلی تصویر تھی۔ مرحوم عابد[1] کی وفات سے پیشتر ان کے بعد الموت کے مشکلات میرے سامنے اکثر آ جاتے تھے۔ ہر چند اس خیال کو دور کرتا تھا۔ لیکن دل سے نہ جاتے تھے۔ آخر وہی ہوا جو نظر آتا تھا۔

۱۷۱۔ حضرت قبلہ مرشدم روحی فداہ جب بیمار ہوئے صحت کا کبھی خیال نہ آیا۔ ہر چند احباب کو امید تھی۔ کہ آپ صحت یاب ہوں گے۔ لیکن میرے دل نے کبھی اطمینان ظاہر نہ کیا۔ بلکہ یہی خیال دامنگیر رہا۔ کہ مرکزِ خلافت کا کام کیونکر چلے گا۔ اور دل نے کبھی بھی اضطرار ظاہر نہ کیا۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی مصیبت نہ تھی ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ[2] مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

۱۷۲۔ ہمارے حجام کا معصوم لڑکا جل گیا۔ جماعتِ نماز قائم ہونے کو تھی کہ اس سے کسی نے حالت پوچھی۔ دل میں خیال آیا۔ کہ اگر مرغ کا گوشت طلبہ کو کھلا دے تو اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ کمیاب چیز کسی غریب مفلس کو ملے۔ تو خوش ہو کر دلی دعا دیتا ہے۔ چنانچہ اسے کہا گیا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ قدرتِ خدا۔ لڑکے کی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اور چند دن کے اندر صحت یاب ہو گیا۔

۱۷۳۔ ایک دوسرے جوان کی بیماری کسی اجنبی نے بیان کی۔ نماز پڑھتے وقت خیال آیا۔ کہ اچھا جوان تھا۔ اچھا ہو جاتا تو اچھا تھا۔ حالانکہ وہ حالتِ یاس پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن خیال آتے ہی دل نے یہ بھی فیصلہ سنا دیا۔ کہ یہ اب مرتا نہیں۔ خیالِ صحت

---

[1] حضرت محمد عابد، قبلۂ عالم (مصنف) دام ظلہٗ کے جان نثار بھائی۔

[2] مجھ پر ایسے مصائب آئے اگر وہ روزِ روشن پر آتے تو وہ شب تار بن جاتا۔

اس کی صحت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حالت بدلنی شروع ہو گئی اور چند دن میں بالکل شفایاب ہو گیا۔

۱۷۴۔ ان واقعات سے احباب کو پتہ لگ گیا ہو گا۔ کہ اجابت کیا چیز ہے۔ کشف کیا چیز ہے اور سالک یا عارف کا تعلق اِن امور پر کتنا ہے اور کہ ذاتِ ربّی سے اُسے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔

۱۷۵۔ سالک باوجودیکہ جانتا ہے کہ میرا ارادہ[۱] ازلی ہے۔ میرا خیال اُس کی ذات کا عکس ہے میرا فعل اُس کا فعل ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ مَیں ہیچ ہوں۔ میرے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔ میری بیکسی عوام سے بڑھ کر مولائے کریم کے سامنے ہے۔ جو چڑیا اندر بول رہی ہے۔ وہ کچھ اور ہے۔ میرے کہنے اور سمجھنے کی بات نہیں بلکہ عوام سے بڑھ کر وہ اپنے قادرِ ذوالجلال سے ڈرتا ہے۔ جہاں یہ معلوم ہُوا ہے کہ میرا کہنا رد نہیں کیا جاتا۔ وہاں اُسے یہ بھی یقین ہے کہ میری حقیقت اُس کے دربار میں ہیچ سے بھی کم ہے۔

کیفیت حاصل میں سالک اپنے اندر کیا محسوس کرتا ہے

فَتَدَبَّرُوْا فِیْ[۲] هٰذِهِ الْاَسْرَارِ

۱۷۶۔ سو نسبت کا انتہائی اِتصال اُس وقت ظاہر ہُوا۔ جس وقت حضور قبلہ روحی فداہ کا وصال ہو گیا[۳]۔ تعجب یہ ہے کہ جب مرض الموت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ تو طبیعت بہت گر گئی۔ بلکہ نماز کی حالت اتنی پست ہو گئی کہ عوام کا درجہ بھی اس سے زیادہ بلند ہو گا لیکن جُوں ہی آپ کا وصال ہُوا تو نسبت اِتنی بلند ہو گئی۔ کہ تمام مقامِ بلند بھی پست رہ گئے۔ اب نہ فکرِ امروزہ ہے نہ غمِ فردا۔ اسی دوست مہر نواب خاں کے جنازہ پر جا رہا ہوں لیکن ذرہ بھر بھی احساس طبیعت پر نہیں۔ کیونکہ ہستی و نیستی کا تلازم دل کے اندر پیوستہ ہے بے تعلقی ہے تو اتنی کہ یگانے بھی بیگانے دکھائی دینے لگے۔ طبیعت بلند کہ دنیا زیرِ نظر آئے جو کچھ زبان پر آتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو کچھ دِل ناپسند کرتا ہے وہی ناتمام رہتا ہے۔ عزیز کے لئے ذِلت۔ اور ذلیل کے لئے عزّت دی جا رہی ہے۔ گاہے دشنام پر خلعت ہے۔

حدیث قدسی فبی یسمع وبی یبصر کی حقیقت

۱۔ کامل عارف کا عرفان متضاد کیفیات رکھتا ہے۔ کہ ارادہ ہے قدرت اور طاقت ہے لیکن اُس کے باوجود اپنا کچھ نہیں نہ اختیار نہ طاقت نہ اُس کا استعمال۔ جو کچھ ہے اُسی ذاتِ اقدس کے اختیار میں ہے۔

۲۔ ان اسرار و رموز میں غور کیجئے۔

۳۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ بندہ جب مقامِ قرب میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے سُنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

اور گاہے سلام پر رنجش۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ کی طاقت ایک گداگر کے اندر اس وقت موجزن ہوتی ہے ؏

گدا[1] بادشاہ است و نامش گدا

کہنے کا پتہ اُس وقت معلوم ہوا۔ دنیا کی کوئی مہیب سے مہیب چیز اُسے ڈرا نہیں سکتی اور کوئی خوفناک سے خوفناک شئے اُسے خوف زدہ نہیں کر سکتی۔

سالک مردہ بدست زندہ کی طرح زیر تصرف الٰہیہ ہوتا ہے

۱۷۷۔ اُس وقت فعل اور انفعال سالک کے تصرف سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ دونوں قوتیں حضرت رب العزت کے کامل تصرف میں آ جاتی ہیں۔ جس میں کسی دُوسرے کی شرکت نہیں ہوتی۔ اس حال میں آ کر حدیث قدسی بی[2] یسمع و بی یبصر و بی یبطش کی حقیقت کھلتی ہے۔

۱۷۸ الف۔ پہلے درجہ اتصال میں گو دونوں قوتیں قلب کی ماہیت سے الگ ہو گئی تھیں۔ اب سالک کی ذات سے بالکلیہ معدوم اور ارادہ ازلی کے ساتھ وابستہ ہو گئیں ؎

رشتہ[3] در گردنم افگندہ دوست   مے بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

منتہی کی غفلت مبتدی کی ہوشیاری سے ہزار گنا بہتر کا فلسفہ

۱۷۸ ب۔ اِسی حالت کی غفلت[4] گذشتہ حالت کی ہوشیاری سے ہزار گنا اچھی ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ جائے کہ یاد[5] را بار نیست فراموشی را چہ کار۔ یہاں غفلت کیسی جب بیداری ہی نہیں۔ اور اس کیفیت کے گناہ اگلی کیفیت کی عبادات سے لاکھ گنا بہتر کیونکہ اس وقت فعل کی نسبت ذاتِ سالک سے تھی اور اب فعل کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہے۔ فعل اللہ پر کسی کو کیا اعتراض اور اُس پر کسی کو کیا گنجائش۔

صفائی دل کا آخری درجہ یعنی عالم ارواح کا ظاہری آنکھ سے مشاہدہ

۱۷۹۔ اس حالت میں جب کبھی جوش اور زور آ جاتا ہے تو روح میں اتنی صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ مردہ بزرگوں کی رُوحیں عالم بیداری میں سامنے آ جاتی ہیں۔ سالک ایک قبر پر کھڑا ہوتا ہے۔ تو رُوح اپنی دنیاوی صورت میں آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سالک جانتا

---

[1] گداگر (در اصل بادشاہ ہے) اور اس کا نام گدا ہے۔

[2] مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

[3] میری گردن میں یار کی رسّی ہے، جدھر وہ چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے۔

[4] منتہی کی غفلت مبتدی کی ہوشیاری سے اس لئے بہتر ہے کہ اب فعل کی نسبت بندے کی طرف نہیں ذاتِ الٰہی کی طرف ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں۔

[5] جہاں یاد کو کوئی دخل نہیں ہے وہاں بھول جانے کا کیا کام ہے۔ یعنی یاد اور فراموشی دونوں بیکار ہیں۔

ہے کہ مُردہ ہے۔ روح ہے۔ لیکن ایک ایک خط وخال دیکھ رہا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حالتِ مراقبہ اور آنکھیں بند ہونے کی صورت میں یہ سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ عین ہُشیاری میں بیداری میں اپنے اقربا کی صورت دیکھ کر اشکِ محبت آنکھوں میں بھر کر آجاتے ہیں۔ پہلے مقام میں تو کہا گیا تھا ؎

چشم[1] بند وگوش بند ولب ببند گر نہ بینی سرِّ حق بر ما بخند

یہ وہ منزل نہیں بلکہ ان کے بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ درگاہ لم یزلی سے بند ہو چکے اور کثافتی حجاب دُور ہو چکے۔ اب جو کچھ دکھائی دیتا ہے حقیقت ہے۔ اور جو کچھ زبان پر آتا ہے اصلیت ہے۔

۱۸۰ ۱۔ ذٰلِكَ[2] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ مجاہدہ کا ثمرہ نہیں۔ یہ ریاضت کا پھل نہیں۔ یہ صرف عنایت قدسی ہے۔ یہ محض لطفِ ربی ہے۔ یہ اس عنایت سابقہ سے بڑھ کر ہے۔ جس کے ذریعے نیستی سے ہستی میں آئے۔ وہ نیستی[3] وہستی فانی تھی، یہ نیستی وہستی باقی ہے۔ اس ہستی کو فنا نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ فنا وبقا دونوں اس سے الگ اور یہ الگ۔ یہاں پہنچ کر سالک بے خود مستانہ وار یہ گانے لگتا ہے ؎

چہ تدبیر[4] اے مسلماناں کہ من خود را نمیدانم
نہ ترسا ویہودی ام نہ گبرم نے مسلمانم

۱۸۰ ب۔ یہ تمام اوصاف اور قیود سالک کی ذات سے الگ ہو جاتے ہیں اور ذاتِ بحت کے امواج میں تھپیڑے کھا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فی الخارج بھی ایسا ہو بیٹھتا ہے۔ جب دنیاوی علائق کی طرف رُخ کرتا ہے۔ تو پھر وہ تمام اوصاف ازسرِ نو پہن لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح پکا صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوتا ہے۔ ذات میں وہ الگ ہے۔ اور صفات میں وہ تمام سے متحد۔

۱۸۱۔ عوام کا مقولہ ہے۔ ولی را ولی مے شناسد۔ اسی مقام پر یہ راز کھلتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی

کیفیات اور تجلیات محض مجاہدہ کا ثمرہ نہیں بلکہ فضل الٰہی اور عنایت قدسی ہوتی ہے

سالک ذات میں الگ اور صفات میں متحد ہوتا ہے
یعنی ذات میں غیر سے پاک اور صفات میں غیروں میں شامل ہوتا ہے

---

[1] آنکھیں بند کرلے کان بند کرلے اور زبان بھی بند کرلے۔ اس پر بھی تُو اللہ کا بھید نہ پاسکے تو ہم پر ہنس دینا۔

[2] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل وکرم والا ہے۔

[3] مقصد پیدائش کائنات یہ ہے کہ انسان خلافتِ الٰہی کا مقام حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا وصال حاصل کرے۔ وصال میں اپنی ہستی گم ہو گئی بیشک یہ نیستی ہے لیکن جس ذات کے ساتھ قائم ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کی فنا بھی فی الحقیقت بقا ہے۔

[4] اے مسلمانو کوئی تدبیر بتلاؤ میں تو اپنے آپ کو بھول گیا ہوں۔ نہ عیسائی ہوں اور نہ یہودی ہوں۔ نہ آتش پرست ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوں۔

ہے۔ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ[1]۔ اگرچہ ابتدا میں یہ صحیح اندازہ نہیں کرسکتا کہ کس درجہ کا ولی ہے لیکن شناسائی ایسی تیز ہوتی ہے۔ جیسے کوئی اپنے باپ بھائی کو دیکھنے پر فوراً پہچان لیتا ہے۔ کسی تامّل کی ضرورت نہیں۔

کیفیت وصل کو زیادہ واضح کرنے کا باعث صرف سالکین کو دھوکا کھانے سے بچانا ہے

۱۸۲۔ میں نے اِس مقام کو زیادہ واضح صرف اس غرض سے کیا کہ بہت سے لوگوں کو اِس مقام کا دھوکا لگ جاتا ہے۔ اور کسی پہلے مقام پر پہنچ کر اپنے آپ کو منتہی خیال کرکے اپنی ریاضت[2] چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اس پھل سے بھی بدمزہ ہوکر خلق اللہ کی نفرت کا باعث ہوتے ہیں۔ جو نصف خام حالت میں اپنے مربّی درخت سے الگ ہوکر بازار میں بکنے جاتا ہے۔ اور بچوں کے سوا اس کا کوئی خریدار نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بھی چکھنے کے بعد تھوک دیتے ہیں۔ یا اس خیال سے کہ خرید لیا ہے بدمزگی سے کھالیتے ہیں۔ لیکن پیٹ میں جاکر پھر اپنا بد اثر شروع کر دیتا ہے۔ جس پر ایک زبردست مسہل کی ضرورت ہے۔

کیفیات شہود و وصل کوئی بلند مقام نہیں بلکہ ولایت کا پہلا زینہ ہے اور بس

۱۸۲۔ حالانکہ جس مقام کے عوارض میں نے لکھے یہ کوئی بلند مقام نہیں بلکہ اولیاء اللہ کا پہلا قدم[3] بھی نہیں۔ یہ صرف ایک استعداد ہے۔ جو اس منصب عالی کے حصول کے لئے ضروری تھی۔ کوئی آدمی تحصیلداری کے امتحان سے کامیاب امیدوار کو تحصیلدار نہیں کہتا۔ جب تک کہ وہ اپنی لیاقت سے اپنی کارگذاری سے، حکومت اور اس کے ارکان کو خوش کرکے منصب تحصیلداری حاصل نہیں کرتا۔ اُس وقت تک وہ تحصیلدار نہیں کہلاتا۔

کیفیات و مشاہدات سلوک کے حاصل ہو جانے سے کوئی ولی اللہ نہیں کہلاتا

۱۸۳۔ سلوک مروجہ کے تمام ہونے پر کوئی ولی اللہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس اُمیدوار کی طرح جو اپنے ایک منصب کی ذمّہ داری کی قابلیت اور استعداد پیدا کرکے امیدوار کہلاتا ہے۔ اور پھر کبھی رفاہ عام یا حکّام وقت یا خدمتِ حکومت کے ذریعہ کسی منصب کے زمرہ امیدواران میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک کے تمام کرنے کے بعد خلق اللہ کی خدمت۔ اولیاء اللہ کی مہربانی (پیر و مرشد کی عنایت) یا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کی عبادتِ بے ریا کی

---

[1] حدیث یہ ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ۔ مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

[2] بعض لوگ ہمہ اوست کی مشقیں کرکر کے اور بعض سالک صحیح طریقہ پر چل کر مقام وصل میں عبادات فرض سے بھی الگ ہو بیٹھتے ہیں جس سے بشریت کے لباس میں بھیجے جانے کا تقاضا ختم ہو جاتا ہے اور منشاء الٰہی اور منشاء رسالتؐ کے خلاف عمل ہوتا ہے اور یہ سراسر نقصان ہے۔

[3] فنا و بقا کے بعد ولایت کو سنبھالنا ہی مقصود اور اصل کام ہے اور منصبِ نبوت کی طرح منصبِ ولایت کو دنیا کے لئے رحمت بنانا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کمال کا درجہ ابھی نہیں پایا۔

بدولت ولی کا منصب عنایت ہوتا ہے۔ لیکن یہ کب۔ اُس وقت جبکہ قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی۔ ورنہ اس امتحان پاس کردہ کی طرح بیکار رہیگا۔ جو اپنی ذاتی قابلیّت کی وجہ سے اپنے گھمنڈ میں آکر نہ حکومت کو خوش کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ نہ افسرانِ حکومت سے میل جول کرتا ہے۔ نہ عام رعایا کی خدمت سے حکومت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ تو یہ اپنا سرٹیفکیٹ، اپنی استعداد اور اپنی قابلیت لئے پھرے۔ اِسے کون جانتا ہے۔

خلعتِ قبولیت سے ولایت کا منصب ہوتا ہے نہ صرف سلوک حاصل کرنے سے۔ سلوک ایک استعداد ولایت ضروری ہے لیکن منصب ولایت نہیں۔

۱۸۴- ولی اللہ کا درجہ ایک بلند درجہ ہے۔ اِس کے نیچے کئی مدارج ہیں۔ سالک کو پہلے پہلے وہ مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کا تقرر بارگاہِ الٰہی سے ہوتا ہے مثلاً اتقا[1]، اتباع، التجا، خدمتِ علم، خدمتِ شریعت، محبت خلق، محبت خالق وغیرہ وغیرہ یہ اسباب منازل قرب کو طے کراتے ہوئے خلعتِ قبولیت سے سرفرازی دلاتے ہیں۔

۱۸۵- اگرچہ تحصیلداری کے امیّدوار کی علمی جد وجہد عملی پیمائش۔ نمام کا تعلّق عمل سے ہے لیکن موجودہ منصب عمل پر آنے کے بعد پہلی تمام علمی و عملی جد وجہد کو علمی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ذمّہ داری منصب نہیں۔ لیکن موجودہ منصب پر کامیاب ہونے پر تمام کارروائی عملی تصوّر ہوگی کیونکہ ذمّہ داری لازم ہے اسی طرح سلوک بتمامہ اگرچہ عملی پہلو لئے ہوا تھا۔ لیکن منصب ولایت کی ذمّہ داری نہ ہونے کی وجہ سے علمی کہلائے گا۔ اور منصب کے بعد جو سلوک کے منازل طے ہوں گے۔ یہ عملی اور تدریجی ترقی منصب کا باعث ہوں گے۔

منشاء کیفیات قبل الولایت وبعد الولایت گو کتنے ملتے جلتے ہوں لیکن بعد المشرقین کا فاصلہ رکھتے ہیں

۱۸۶- یہاں آکر یہ راز بھی کھُل گیا ہوگا کہ پہلے سلوکی مشاہدہ اور اس عملی مشاہدہ میں کتنا فرق ہے۔ اکثر احباب بڑے بڑے اولیا کو منازل سلوک کے طے کرتے وقت اپنے برابر[2] جانتے ہیں حالانکہ یہ ایک صریح غلطی ہے۔ وہ شہود اور یہ شہود اور۔ وہ وصال اور یہ وصال اور۔ دونوں میں بعد المشرقین سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ وہ علمی شہود تھا یہ عملی شہود۔ وہ علمی وصال تھا۔ یہ عملی وصال۔ وہ زائل اور یہ دائم۔

---

[1] ولایت کا مقام مجموعہ ہے اُن نفسی اور عملی قوتوں کے اس اجتماع کا جس کو وحی اور الہام کے ذریعے انسانیت کی فلاح کے لیئے نازل فرمایا گیا۔ مثلاً تقویٰ۔ اخلاص۔ اتباع۔ التجا (تضرع وزاری) خدمتِ علم، خدمتِ شریعت۔ محبت خلق۔ محبت خالق وغیرہ جب یہ مقامات الگ الگ حاصل ہوں تو ولایت کا نُور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور پیر مرشد کی عنایت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

[2] اولیاء اللہ جو مسندارشاد پر بیٹھے اور مقبولیت کی چادر اوڑھی اور فیضِ عام کا سرچشمہ بنے ان کی ولایت کو دوام مِل گیا۔ اگر کوئی سالک طالب کسی مجاہدہ یا مشاہدہ سے اپنے تئیں ان کے برابر سمجھنے لگے تو یہ ایک سخت قسم کا نفسی مغالطہ ہوگا۔

۱۸۷۔ الغرض جس طرح سالک پہلے درجۂ سلوک سے انتہائی سلوک کی طرف فضلِ ربّی اور عنایتِ مخدوم سے ترقی کرتا نکلا تھا۔ اب اسی طرح اس منصبی (عملی) ترقی کے لئے عنایت لم یزلیہ شرط ہے۔ ورنہ سب کچھ بے سود ہ۔

نقشبندی طریقہ میں کشف و بے کیفی اور چشتی طریقہ میں جوش عشق کی وجہ

۱۸۸۔ نقشبندی[1] طریقہ اور سلسلہ میں زیادہ زور اور توجہ قوت انفعال (مراقبہ) پر ہے۔ اس لئے لوازمات انفعال (کشف۔ بے کیفی۔ بیخودی) کو بہت ترقی ہو جاتی ہے۔ بخلاف چشتی اور قادری سلاسل کے کہ ان میں قوتِ فعل (ذکر اذکار) پر زیادہ قوت صرف کی جاتی ہے جس کے اثرات جوش اور عشق ہیں۔ اور قلب میں حرارت پیدا ہو کر اپنے تمام ماحول کو سوز میں لے لیتی ہے۔

رجوع خلقت کا سبب جوش عشق ہوتا ہے نہ کہ بے خودی و بے کیفی

۱۸۹ الف۔ اکثر عوام نقشبندیہ صوفی کہتے سُنے گئے کہ چشتی سلوک تو نہیں جانتے۔ البتہ ایسے اوراد پڑھتے ہیں کہ خلقت کا رجوع زیادہ ہوتا ہے ورنہ تصوّف سے انہیں کوئی واسطہ نہیں مگر یہ غلط ہے جو بھی قوت کو جوش دیگا۔ اسی کا اثر سوز و ساز ہوگا اور جہاں سوز و ساز پیدا ہوگا۔ وہاں خلق[2] خدا کی کیا کمی۔

حضرت قبلہ ع بہت بڑھا چشتی مذاق رکھتے تھے

۱۸۹ ب۔ حضرت قبلہ روحی فداہ کتنے بڑے پایہ کے نقشبندی تھے کہ اُف[3] یا آہ بھی کسی سے سُننا پسند نہ فرماتے چہ جائیکہ ذکر جہر پسند کرتے۔ بلکہ ہمیشہ فرماتے تھے۔ کہ وقوف قلبی (ذکر قلبی) تمام اذکار کا نعم البدل ہے۔ لیکن جوش۔ سوز ساز کتنا رکھتے تھے۔ خلق[4] اللہ کا رجوع کتنا تھا جو کسی چشتی کو فی زمانہ حاصل نہ تھا۔ اس کی وجہ صرف قوتِ فعلی کا جذبہ اندرونی تھا اور ساتھ قوّتِ انفعالی کی طاقت آپ کے مُنہ سے وہ کچھ کہلاتی۔ جو ایک بشر کی طاقت سے باہر ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ چشتیہ خاندانوں میں قوّتِ انفعالی پر وقت کم خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے وہ قوتِ انفعالی کے اثرات (کشف بیہوشی بے کیفی) سے کم متاثر ہوتے ہیں۔

جب تک ذکر و اذکار اور مراقبہ میں یکساں مجاہدات نہ ہوں۔ کامیابی ولایت مشکل ہوتی ہے۔

۱۹۰۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ان قوتوں (فعل و انفعال) کو ہمیشہ برابر کی تربیت دے تاکہ کسی حصہ

---

[1] نقشبندیہ کے کشف و بے خودی کی وجہ قوتِ انفعال کی بیداری ہے۔ اور چشتیہ و قادریہ کے سوز و ساز اور محبت کی وجہ قوتِ فعل کی بیداری۔

[2] بعض نقشبندیہ کا اعتراض چشتیہ حضرات پر صحیح نہیں کہ وہ فقر نہیں جانتے۔ فقر جانتے ہیں لیکن سوز و ساز کی قوت پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے خلقت کا ہجوم ہوتا ہے (کسی اور عمل کی وجہ سے۔

[3] نقشبندیت کا یہ خلاصہ ہے کہ جو کچھ ہو دل میں ہو اظہار کسی صورت میں نہ ہو۔

[4] تربیت خواہ کیسی ہو مذاق طبیعت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ خلق اللہ کا رجوع چشتی سوز و ساز کا نتیجہ ہے اور نقشبندی سلسلے میں سالک کی طبع یہ جوہر دکھلاتی ہے۔

میں کمی نہ آئے اور دو رُخہ ترقی ہو۔

۱۹۱ - یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی ایک قوت کم ہوگی تو کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ اکثر صالحین کو دیکھا ہوگا کہ ذکر و اذکار عبادت و اطاعت میں کمی نہیں رکھتے۔ لیکن دوسرا قدم[1] نہیں اٹھا سکتے۔ اور برکت ولایت سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے اندر قوّت فعل نہ ہو بلکہ سراسر انفعال ہو۔ وہ بھی ولایت کے درجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ کشف عیانی اور وجدانی قبوری اور صدری کے غوّاص کیوں نہ ہوں۔

سالک کے خواب بے معنی نہیں ہوتے بلکہ سلوک کا صحیح اندازہ دکھانے میں کامل معیار ہوتے ہیں

۱۹۲ - اس تفصیل کے بعد پھر میں ذکر میں جاتا ہوں کہ جہاں سلوک کے منازل ظاہر میں ترقی پر ہوتے جاتے ہیں اسی طرح عالم رویا کی حالت بھی سالک کی بدلتی جاتی ہے جو خواب بھی سالک کو آئیں گے، بے معنی نہ ہوں گے بلکہ سلوک میں ترقی کے یہ خواب نشانات کہلائیں گے۔ ایک خواب کا ذکر آیا۔ دو ایک اور نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

عالم رویا میں پیر و مرشد کی زیارت وہی اثر پیدا کرتی ہے جو ظاہری زیارت کرتی ہے

۱۹۳ - اکثر عالم رویا میں پیرو مرشد علیہ الرحمۃ نظر آئے اور جب کبھی عالم رویا میں دکھائی دیتے۔ ایک مُدّت تک لطائف پر بھاری اثر رہتا۔ گاہے گاہے ارشاد بھی کچھ فرماتے جس کا اثر طبیعت پر کافی ہوتا۔ یہ روحانی زیارت جسمانی زیارت سے کچھ ہی کم ہوتی[2] تھی۔

خواب میں کُتّا دیکھنا اپنے نفس کا دیکھنا ہے

۱۹۴ - ایک بار دیکھا کہ کتّے کے منہ میں پیشاب کر رہا ہوں۔ معلوم ہُوا کہ نفس کی ذلّت پر دال ہے۔

جوتے گم دیکھنا بے تعلقی کی دلیل ہے

۱۹۵ الف - کئی بار دیکھا کہ جُوتے گم ہوگئے۔ پاؤں سے ننگا پھرتا ہوں۔ جس کی ابتدا میں تو کچھ اور تعبیر کیا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں بے تعلقی اور طہارت کی تعبیر معلوم ہوئی۔

اور تمام جسم کا برہنہ دیکھنا کامل بے تعلقی ہے

۱۹۵ ب - ایک دو بار یہ بھی دیکھا۔ تمام بدن برہنہ ہے۔ یہ بھی آخری

---

[1] ولایت کے حصول کے لئے ذکر اذکار، عبادات، مجاہدات اور اثر پذیری برابر کی ہو۔ ولایت کے منصب پر وہی فائز ہوں گے جن کی قوتِ فعل (اذکار و اعمال) اور قوتِ انفعال (مراقبات) برابر کے ہوں گے۔

[2] پیر مرشد کی زیارت خواہ ظاہر ہو خواہ باطن میں (رویاء میں) لطائف پر بہت ہی اثر رکھتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۲ پر)

منزل کی خواب ہے اور پوری بے تعلقی کی دلیل ہے ۔

جماعت میں سے امام کا گم پانا اپنے پیشرو کے گم ہونے کا نشان ہے۔

۱۹۵ ج ۔ حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کی بیماری سے پیشتر دیکھا کہ کسی جگہ ایک عمدہ مسجد ویرانہ میں ہے اور خلقت کثیر جمع ہے ۔ لیکن امام ندارد حضرت حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ کسی کو کہو کہ اذان کہے ۔ چنانچہ میں نے ایک چشتی موٴذن کو جو ہمارے ہاں اکثر آیا کرتا تھا ۔ اذان کے لئے کہا لیکن اس نے بلند آواز سے اذان نہ کہی ۔ پھر نماز ادا ہوئی لیکن امام کا پتہ نہیں ۔ یہ گویا آپ کی رحلت کا نشان تھا ۔

ننگے سر دیکھنا اپنا سایۂ عاطفت کھونا ہے

۱۹۵ د ۔ میں نے وفات کے دن دیکھا کہ پگڑی سر پر نہیں ۔ اور ننگے سر بیٹھا ہوں ۔ گویا آپ ہمارے سر کے سایہ تھے جو اٹھائے گئے ۔

مُرشد کو بیماری کی حالت میں دیکھنا اپنی نسبت کا کمزور نقشہ ہوتا ہے۔

۱۹۵ ﮦ ۔ آپ کے وصال کے بعد جب طبیعت مدھم پڑ گئی ۔ تو آپ کو خواب میں دیکھا کہ بیمار ہیں ۔ اور بیربل کی مسجد کے اندر چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں ۔ قیاس کیا کہ یہ نسبت کی کمزوری کی دلیل ہے ۔ ایسے خواب کئی بار آئے ۔ اور یہی تعبیر معلوم ہوئی ۔

تمام شُد ، ذکر نتائج

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۵۱)

۴۳ خواب اور اس کی تعبیر فقر کا ایک حصّہ ہے ۔ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے الگ الگ خواب دریافت فرماتے ۔

سالک کی صفائیٔ قلب اور تعلق باللہ کی وجہ سے اس کی بیداری اور خواب دونوں میں انکشافات ہوتے ہیں اور سالک کے خواب کی تعبیر خواب کے بالکل قریب ہوتی ہے ۔

خلافت

۱۹۶ - سلوک کا اجمالی ذکر تو ہو چکا ہے۔ اور اس سے آگے قدم نکالنا نا جائز نہیں تو مناسب بھی نہیں تاہم اگر کچھ نہ لکھا جائے۔ تو کتاب کا یہ حصہ کمی سے خالی نہ ہو گا۔ اور ناظرین اس مقام پر پہنچ کر حیرت میں ہو جائیں گے۔ اس لئے مختصر کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

خلافت الہام اور مصلحت شیخ پر منحصر ہے

۱۹۷ - پہلے گذر چکا ہے کہ خلافت اور اجازت شیخ کی مصلحت اور القائے الٰہی کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ سالک کی نسبت پر شیخ پوری پوری نظر رکھتے ہوئے اُسے مجاز گردانتا ہے۔ گو اس وقت دیگر سالکین بھی اسی درجہ کی نسبت الٰہیہ رکھتے ہوں۔ لیکن ع

خاص کند بندہ[1] مصلحت عام را، کا معاملہ ہے۔

متقدمین سالک کو قبولیت کے درجہ پر خلافت عنایت فرماتے! اور متاخرین صرف نسبت پر اکتفا کرتے ہیں

۱۹۸ - متقدمین بزرگ اور شیوخ اپنے سالکین کو اُس وقت مُجاز اور خلیفہ گردانتے تھے جبکہ وہ سلوک انتہائی درجہ "نزول[2] بعد العروج" کی حد تک پہنچا کر کئی سال اپنی نسبت خلوت وجلوت میں صفا اور بلند کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ خلعت قبولیت بارگاہ الٰہیہ سے ان کو نصیب ہو جاتی تھی بخلاف متاخرین کے کہ یہ بزرگ زمانے[3] کی رفتار اور طبیعتوں کی زود پسندی اور عمروں کی قلت پر نظر رکھتے ہوئے کوئی سالک اگر کیفیت اور نسبت میں بلند نظر آجاتا ہے۔ تو غنیمت جان کر اُسے منصب خلافت پر سرفرازی بخشتے ہیں ؎

متقدمین بزرگوں کے خلفا کا حال گم نہیں ہوا۔

۱۹۹ - متقدمین بزرگوں میں سے بھی بعض نے صرف ذکر

---

[1] اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کسی ایک خاص بندے کو عمومی مصلحت کے لیئے خاص فرما دیتا ہے۔

[2] فنا کے بعد بقا: یعنی پہلے سالک اپنے آپ کو انفعالی قوتوں کے استعمال سے جلوہ ہائے الٰہی کے قبول کا اہل بنائے پھر مخلوق کے قریب ہو کر ان جلوہ ہائے الٰہی کی عکس ریزی سے لوگوں کو مستفیض کرے۔

[3] آخری زمانہ ہے سعادتمندیاں کم ہو رہی ہیں۔ بلند ہمت لوگوں کی کمی ہے۔ اگر کوئی سعادتمند روح اپنے مولا کے جلوے حاصل کرے تو وہ جتنی نورانیت بھی پھیلائے پھیلائے۔ یہی اس کی تکمیل ہے اور یہی قابلیت کی وہ حد ہے جو خلافت کا اسے مستحق بناتی ہے۔

کے جاری و ساری ہونے پر خلافتیں عنایت فرمائیں۔ لیکن کسی مُجاز کا حال گُم نہیں ہوُا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ان کی نظر انتہا کو دیکھ پاتی۔ اور اپنی نسبت بلند سے دیکھ پاتے کہ انجام بلند ہے اور کہ سالک کی استعداد بلند ہے اور کہ اپنی نسبت بلند ہے۔

کمی و زیادتی خلفا کا نتیجہ

۲۰۰۔ جہاں متقدمین بزرگ مُجاز بہت کم گردانتے تھے۔ متاخرین بہت گردانتے ہیں۔ جتنے کم تھے۔ اُتنے بلند تھے۔ جتنے زیادہ ہوئے اُتنے پست۔ مشہور ہے شبر کا ایک بچّہ ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت کے خلفا دیگر شیوخ کے خلفا سے ممتاز ہیں۔

۲۰۱۔ ہمارے حضرت قبلہ و کعبہؒ کوئی معمولی شیخ نہ تھے بلکہ کامل عارف تھے۔ اور وقت کے تمام اولیا آپ کا سکّہ مان چکے بلکہ ساری دنیا نے اُن کو شہ نشینِ عرفان تسلیم کیا۔ ایسی حالت میں جو کچھ وہ کر گئے یا فرما گئے وہ عینِ القائے الہٰیّہ[1] کی ترجمانی ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کے فضل و کرم سے آپ کے خلفائے نامدار دیگر شیوخ کے خلفا سے بالکلیہ ممتاز ہیں۔ اور اپنی مشغولی میں سرگرم رفتار ہیں۔ اور وہ وقت[2] دور نہیں جبکہ وہ منصب ولایت و عرفان کی بلند مسند پر تشریف فرما ہوں۔

خلفا کے اقسام اور حقیقی خلافت کا تمام مدار شیخ کی مشابہت اور مماثلت پر ہے۔

۲۰۲۔ حقیقی جانشین اور سب سے اعلیٰ مجاز اور صاحب خلافت وہ ہے۔ جو استعداد نسبتی بلند رکھتے ہوئے اپنے شیخ کے جذبات کاملہ سے بھرپور ہو۔ اور ہوبہو اپنے شیخ کی نظیر ہو۔ کیا ظاہراً کیا باطناً۔ دُوسرے درجہ پر پھر وہ بلند استعداد ہے کہ گو ظاہری تشابہ تو کم ہو۔ لیکن باطنی مشابہت میں اپنے شیخ سے زیادہ مماثل[3] ہو۔ اور تیسرے درجہ پر وہ بلند فطرت ہے کہ باطنی تشابہ تو بہت کم ہو۔ لیکن شیخ کی ظاہری متابعت میں سرِ مُو فرق نہ آنے دے۔ بلکہ ظاہراً اپنے شیخ سے یکساں نظر آئے۔ اور اپنے شیخ کی ہر حرکت اور ہر ادا اپنے لئے راہ ہدایت جانے۔

۲۰۳۔ اگر کوئی مجاز بدقسمت ان تینوں اقسام سے نکل جائے۔ تو وہ بدبخت نہ دین کا ہے نہ دنیا کا۔ نہ اُس سے کسی کو فائدہ اور نہ کسی کو اس سے فیض، وہ اپنے اجازت نامہ کو پھاڑ کر اپنی قسمت کو روتا رہے اور بس +

اپنا حال

۲۰۴۔ اپنا حال یہ ہے۔ کبھی تو خیال تھا کہ دنیا کو مسلمان کریں گے۔ اور اب خیال ہے کہ خود مسلمان ہو کر

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہُوا کہ فلاں کو اپنی خلافت کے لئے چن لیں۔

[2] خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقبولیتِ عام نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو حضرت قبلۂ عالم دام ظلہٗ کے قلم و زبان سے نکلی اور دنیا نے دیکھا کہ شرقپوری نسبت نے کیا کیا چمن ہائے فقر و عرفان لگائے۔

[3] مماثل۔ مشابہت رکھنے والا۔

کسی طرح خلاصی پائیں۔ نہ وہ ذوق نہ وہ شوق۔ نہ وہ کیفیات مجہول اور نہ وہ جذباتِ قوی۔ یار لوگ پار نکل گئے۔ اور ہم اسی کنارے بیٹھے رو رہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب ہمارا نقشہ دکھایا ہے۔ ؎

ما و مجنوں[1] ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق

او بہ صحرا رفت، ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

۲۰۵۔ اصل میں سالک اگر سلوک کے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر نزولِ تدریجی کرے اور اپنے کیفیات اور نسبت کو لیتے ہوئے آہستہ نیچے اُترے تو پھر کامیاب ہے لیکن اگر تدریجی نزول کی بجائے رجعت قہقری (الٹے پاؤں پھرنا) ہو جائے اور یکدم نسبت کو گم کرنے والے موانعات پیش آجائیں تو پھر سالک کی ترقی تو کجا پستی سے بھی ایک قدم نیچے جا گرتا ہے! ور بعینہٖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ (پھر ہم نے اُسے سب سے نیچے گرا دیا) کا نمونہ ہو جاتا ہے۔ ؎

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

یہ حالت بعینہٖ میری[2] ہوئی۔ اب فضل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس پر بھی مزید شکر کا مقام ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے صفت توازن سے ممتاز فرمایا اور اُن لوگوں سے نہیں کیا، جو سب کچھ گم کرنے کے بعد بھی اپنی ہستی کو پہلے کی مانند کمالات سے بھرپور دیکھتے ہیں۔

۲۰۶۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتیں) اس کو سمجھا دیں) یہ انسانی معیار ہر ایک آدمی کے اندر لگا دیا گیا ہے تاکہ نیک و بد اور حسن و قبح کی تمیز کر کے یہ اپنا راستہ بنائے۔ لیکن آج لاکھوں سے ایک انسان ایسا نہیں ملتا۔ جو ہر وقت اور ہر گھڑی اپنے معیار کو جانچتا رہے اور صفتِ توازن سے اپنے آپ کو موصوف رکھے۔

۲۰۷۔ سالکین راہ سلوک تو ایک قدم اس کے بغیر چل نہیں سکتے۔ ولی باوجود اپنی ولایت کے تمام تر اپنی نظر اسی معیار پر رکھتے ہیں۔ کہ کس حالت میں چل رہے ہیں اور کس حالت میں کمی بیشی ہو رہی ہے۔

---

[1] ہم اور مجنوں عشق کی کتاب میں ہم سبق تھے وہ تو دیوانگی میں جنگل کو چل دیا اور ہم انہی گلیوں میں پھرتے رہے۔

[2] بلند ہمتی کی بھی کوئی حد ہے۔ سید العارفین قطب زمانہ اور محبوب الٰہی ہدایت مجسم وہ جس کو دیکھ کر کافر کلمہ پڑھیں اپنی کسرِ نفسی سے یہ کہہ رہے ہیں (دراصل تصوّف کا خاکہ بتلاتا ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے)۔

لیکن عجیب یہ ہے کہ موجودہ دَورِ علمی اور عملی میں اِس معیار کی طرف کسی ایک کی بھی نظر نہیں۔ نظریات اور عقلیات کے فلسفے نیک و بد اور حسن و قبح پر قائم کئے جاتے ہیں لیکن افسوس کہ الٰہی[1] اور ذاتی معیار (آئینۂ قلب) پر نظر نہیں کی جاتی۔

نسبت کی حقیقت اور اس کی حفاظت کی ضرورت

۲۰۸۔ نسبت کوئی مادی چیز نہیں کہ جب تک وہ کٹ کر الگ نہ ہو جائے باقی رہتی ہے بلکہ یہ تو صرف نورِ الٰہی کا پرتو اور عکس ہے جب تک رہے۔ رہے۔ اور جب یہ عکس اور پرتو نہ رہے، نہ رہے۔ دیا ہو کہ لمپ۔ گھر میں ہو کہ باہر۔ اُس کو گل کرنے والے کتنے سامان ہیں۔ اور اس کو روشن رکھنے کے لئے کتنی حفاظت اور کتنی ضروریات ہوتی ہیں۔ تمام لمپ بمع تمام سامان کے موجود ہو اور تیل بھی ہو۔ اور صرف ایک بتی نہ ہو تو روشن ہو سکتا ہے؟ یا صرف تیل نہ ہو تو روشن ہو سکتا ہے؟ غرض ذرہ ذرہ چیز پر مدار ہے۔ اور کسی ایک کمی سے روشنی سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہی قیاس ہے نسبت کا۔ اِس کے گل کرنے[2] کے لئے سینکڑوں اشیا اور سامان موجود۔ اور اس کے روشن کرنے کے لئے سینکڑوں ضروریات ضروری ہیں۔ تو ایسی حالت میں جب شیخ کسی کے لمپ کو روشن کر دے اور اس کے حوالہ کر دے تو کیا یہ ضروری ہے کہ اب یہ کبھی گل نہ ہوگا۔ جب تک کہ خود سالک اُس کے ضروری سامان مہیا نہ رکھے اور جب تک کہ خود بارگاہِ الٰہیہ[3] کی عنایت اُس کی ممد نہ ہو۔

موجودہ وقت کے بعض صوفیوں کی گمراہی

۲۰۹۔ لیکن آج صوفی اور مجاز ہیں کہ اس حقیقت کی ذرہ پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اجازت ملنے پر جو حرام تھا وہ بھی حلال ہو گیا۔ حالانکہ سلوک کی منزل میں حلال کو بھی ترک کر بیٹھے تھے ع

ببیں[4] تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (اور کچھ نہیں صرف اُن کے اعمال دل پر چھا گئے ہیں جو کماتے رہے قیامت کے دن بیشک وہ اپنے رب سے اوجھل رکھے جائیں گے)

اگلے بزرگ نسبت کی حفاظت کیونکر کرتے تھے

۲۱۰۔ لکھا ہے کہ حضرت غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اللہ تعالٰی نے ہر چیز کی ایک قیمت رکھی ہے۔ اور ہر آن اس کی قیمت بڑھتی بھی ہے اور گھٹتی بھی ہے۔ قیمت کا بڑھنا گھٹنا اسباب پر ہوتا ہے۔ ایک سالک کے لئے الٰہی معیار تو قرآن کریم اور شریعتِ غرا ہے اور اپنے پیر مرشد کا طریق زندگی اور ذاتی معیار فطرتِ سلیم ہے کہ ہر آن ایک میزان عدل ہاتھ میں رکھتی ہے۔

[2] ہر گناہ سے نسبت کا پرتو چلا جاتا ہے۔ گناہ خواہ جسمانی ہو خواہ رُوحانی اور نفسی۔ ہر سرکشی کی ہوا اس شمع کو بجھانے کے لئے تیار۔ اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا بجاھک و بجاہ حبیبک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بقیہ صفحہ ۲۵۴ پر)

کی خدمت میں ارادت و بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؒ نے دیگر مشیوخ کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت غریب نواز نے عرض کی کہ میری عقیدت آپ سے ہی ہے۔ اس پر آپ نے بیعت فرمایا۔ اور آٹھ پہر کا شغل بھی ارشاد فرمایا۔ حضرت غریب نواز اپنے شغل میں لگ گئے۔ دن بھی گیا اور رات بھی گذری۔ پھر دن بھی ہوا۔ لیکن وہ اپنے شغل میں بدستور مشغول رہے جب وقت معیّنہ ختم ہوا تو پیر و مرشد نے دریافت کیا۔ سب کچھ عرض کیا۔ پیر و مرشد نے فرمایا۔ بس ہمارے طریقہ میں ایک دن اور ایک رات ہی مشکل ہے۔ سو پوری ہو چکی۔ اس سے آگے ہمارے ہاں کوئی مجاہدہ نہیں۔ اپنی انگلیوں کا حلقہ بنا کر آسمان کی طرف کیا۔ اور حضرت غریب نواز کو فرمایا۔ اِس میں سے دیکھو۔ دیکھا تو نظر عرش معلّٰی تک پہنچ گئی۔ پھر فرمایا آنکھ بند کر دو۔ اور پھر اپنی انگلیوں کا حلقہ نیچے زمین کی طرف دکھا کر فرمایا کہ کیا نظر آتا ہے؟ عرض کیا کہ تحت الثریٰ تک نظر دوڑ گئی۔ فرمایا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اور کلاہِ خلافت عنایت کر کے فرمایا۔ خواہ گھر چلے جاؤ۔ خواہ ہمارے ساتھ رہو۔ حضرت غریب نواز نے آپ کے ہمراہ رہنے کی اجازت پاکر بصد شکر عرض کیا کہ آپ کے ہمراہ رہونگا۔ چنانچہ بیس سال کا عرصہ آپ اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ سفر و حضر میں رہے اور اپنی نسبت[۳۴] کو بلند اور صاف فرماتے رہے۔ اِس عرصے میں حضرت قطب الدّین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے۔ اور مجاز بھی۔ لیکن لطف یہ ہے کہ تینوں پیر و مرید اِسی خیال نسبت کے پختہ اور لطیف کرنے کے لئے اکٹھے سینکڑوں میلوں کا سفر کرتے رہے۔ اور کسی نے اپنی نسبت کے اتمام پر اطمینان نہ فرمایا۔ کیا آج اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ اتنی بلند استعداد کے آدمی۔ اتنے مجاہدات اور سفر حصولِ نسبت کے بعد کر سکتے ہیں۔ غرض اگلے لوگ ہی اِس نعمت کی قدر کر جانتے تھے اور اپنی جان تک اس کی حفاظت کے لئے نثار کر دیتے تھے۔ اور اس کے نیز تر روشن اور قوی کرنے میں اپنی تمام عمر صرف فرما دیتے تھے خواہ رشد و ارشاد میں کچھ ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اپنی فکر اسی میں تھی اور اپنا مطمح نظر یہی رہنا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۵۶) [۳۲] سعادتمندی کا ہر سبق شمع نسبت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ نیکی خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی۔ اس شمع کے لیے جان۔ گویا نسبت کے قیام کے لیے تمام مثبت اسباب کی فراہمی ضروری ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے اور تمام منفی اسباب سے نفرت اور دُوری از بس لازم۔ ورنہ یہ شمع قائم نہ رہے گی۔

[۳۳] دیکھو تو راستے کا فرق کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

[۳۴] حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ذات بابرکات کو بھی اپنی نسبت بلند اور صاف کرنے کے لیے اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں رہنے کی ضرورت تھی تو ما و شما کیسے اُس کی اہمیت سے الگ ہو سکتے ہیں۔

رشد و ارشاد کے لئے قوی نسبت کی ضرورت ہے

۲۱۱ - نسبت قوی اور ضعیف کا اندازہ دیا کی لو سے ایک برّاق بجلی کے ایک ہزار بتّی[1] والے لمپ کی روشنی، صفائی اور تیزی سے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک دیا کی لو اور بجلی کی ایک باریک لیکن تیز روشنی سے بھی مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کتنا فرق ضعف اور قوت میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اور کیا دونوں روشنیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اور ان سے ایک جیسا فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہاں ایک دیا جو اپنے گھر کے کونے بھی اندھیرے سے پاک نہیں کرتا۔ اور کہاں بجلی کا ایک ہزار بتی کا فانوس جو کوسوں تک دور اپنی روشنی نہایت صفائی سے پھیلاتا ہے۔ بعینہٖ یہی انداز نسبت کا ہے۔ ایک ہے کہ اپنے گھر کے لئے بھی کافی نہیں اور ایک ہے کہ ہزاروں میل تک دنیا کے ظلماتی نفوس کو روشن کر رہی ہے۔ یہی آخری روشنی اور نسبت ہے جس سے رُشد و ارشاد کا دم تازہ اور جس پر تمام رُشد و ارشاد کا کارخانہ چلتا ہے۔

رشد و ارشاد میں ضبط و انضباط کے سوا کامیابی مشکل ہے

۲۱۲ الف - رشد و ارشاد کا گو تمام مدار اور مرکز نسبت قویہ پر ہے لیکن جب تک صاحب ارشاد کے اندر ضبط و انضباط کامل نہ ہو۔ اُس وقت تک رشد و ارشاد میں پوری کامیابی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک گونہ کارخانہ رُشد و ارشاد چلتا ہی نہیں۔ جو بزرگ مقام وصل[2] میں بلند ہوتے اور مقامِ شہود[3] میں سے کم حظ پاتے ہیں۔ نہ وہ اپنے آپ کو کسی ضابطہ کے ماتحت چلا سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے متوسّلین کو کیونکہ مقام وصل اُن کو بے چون و بے چگون کیفیات سے ہر وقت متلوّن رکھتا ہے اور ایک رنگ کے بعد دوسرا رنگ پیدا ہوتا رہتا ہے بخلاف اُن اولیا کے جو مقام وصل کے بعد مقامِ شہود میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت ضبط و انضباط میں کامل ہوتی ہے اور آداب ظاہریہ و باطنیہ سے پورے آراستہ ہوتے ہیں اور مقام شہود کی تجلّی ان کو دائرہ ضبط[4] میں قائم رکھتی ہے۔ خود اور اپنے منسلکین کو ہمیشہ قواعد و انضباط کے ماتحت رکھتے ہیں۔ اور ایک قدم بھی آدابِ شریعت اور آدابِ طریقت سے باہر کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور اپنے اور اپنے ارادت مندوں کے اوقات مشاغل طریقت اور

---

[1] نسبت وہ بھی ہے جس کو دیئے سے تشبیہ دی گئی اور نسبت وہ بھی ہے جس کو ہزار پاور کے بلب سے تشبیہ دی گئی۔ خواص درگاہ اور بلند مرتبہ حضرات کا فیض عام انکی نسبت کی قوت اور وسعت قلب پر ہوتا ہے۔

[2] مقام وصل وہ کیفیت جو سالک کو تجلیات میں گم کر دے اور اپنی انانیت اور دُوئی کا خیال نہ رہے۔

[3] مقام شہود وہ مقام ہے جہاں حضوری کامل ہے اور احساس دُوئی بھی موجود ہے۔

[4] جب حضوری کا احساس بڑھ جائے تو جسم و جان پابند ہو جاتے ہیں اور حرکت و سکون میں آداب اور رضا کا خیال بیٹھ کر ایک اندرونی بیرونی ضابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اس ضابطے سے سلسلہ تصوف قائم ہو کر رشد و ہدایت پاتا ہے۔ متوسلین آداب شریعت و طریقت کے پابند ہوتے ہیں۔

آداب شریعت سے معمور رکھتے ہیں۔

ہمارے حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کا ضبط

۲۱۲ ب ۔ ہمارے حضرت قبلہ میاں صاحبؒ اسی مقام شہود کے شہسوار تھے۔ گو مقام وصل کی بوقلمونی بھی آپ کے اندر موجزن ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ اور اسی اندرونی کیفیت کی وجہ سے ع

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود[1] کا نمونہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ تاہم ضبط و انضباط کا درجہ وہ کچھ تھا جو اپنے وقت کے کسی ولی کو نصیب نہ ہوا۔ اور جس نے ایک بار بھی شرف نیاز حاصل کیا۔ وہ اس حقیقت سے ناآشنا نہیں اور نہ دیکھنے والے کسی طرح کا اندازہ صحیح نہیں کر سکتے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

مقبولیتِ عامہ اُس صاحب ارشاد کو نصیب ہوتی ہے جس کے اندر نیاز و بے نیازی ہو

۲۱۳ الف ۔ گو قبولیتِ عامہ کو کوئی تعلق رشد و ارشاد سے ظاہراً و باطناً نہیں۔ تاہم محبوبانِ الٰہی کا ایک بلند درجہ یہ ضرور ہے۔ گو فضلِ ربی کے سوا کوئی فطرتی مادہ اس کے لئے دکھایا نہیں جا سکتا۔ تاہم اس وجہ پر اُن حضرات کو کامیابی ہے جن کو بارگاہِ الٰہیہ سے نیاز و بے نیازی[2] کا فطرةً خاصہ نصیب ہوا۔ ہے۔ محبتِ الٰہیہ تام بے نیازی پیدا کرتی ہے۔ اور محبتِ خلق اللہ نیاز کا وصف دکھاتی ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کے اندر صفتِ نیاز اور بے نیازی دونوں خاصے موجود تھے

۲۱۳ ب ۔ یہ بشری خاصہ ہے اور وہ الٰہی خاصہ۔ جب یہ دونوں خاصے ایک وجود میں قائم ہو جاتے ہیں تو وہ وجود اکسیر بن جاتا ہے۔ ہمارے قبلہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ دونوں خاصے موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جو مقبولیت عامہ آپ کو زمانہ حاضرہ میں ہوئی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

---

[1] اس کا فرمان اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔

[2] جب ذاتِ بے نیاز سے تعلق جڑ جائے تو لازم ہے کہ سالک کی طبع میں بے نیازی آ جائے۔ وہی ہے بہتر جو ہو رہا ہے وہ بہترین ہے جو ہو رہے گا۔ اور جب مخلوق کی نیازمندیاں سامنے آئیں تو یہ پر تو قبول کرنا آئینۂ صافی کے لئے ضروری ہے۔ جب یہ دونوں صفات یکجا گھونسلا بنائیں تو قبولیت عامہ اور فیض کا دریا بہتا ہے۔!

منصبِ ولایت

۲۱۴ - تمام کتاب ولایت اور جزئیات ولایت سے پُر ہے اور اس کا ایک ایک حرف ولایت اور اس کی حقیقت دکھانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں صرف دو امُور کو دکھانا ہے۔ اور بس۔ اوّلاً تو جیسے پہلے گذرا کہ "ولی را ولی مے شناسد" (ولی کو ولی ہی جانتا ہے) یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ ولی کے بغیر کوئی بھی ولی کی شناخت نہیں کر سکتا۔ البتہ جو ولی مسندِ قبولیتِ عام پر تشریف فرما ہے۔ اُس کو تو دنیا جان لیتی ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے ولی کی شناخت عوام کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اور اسی ایک لاینحل مسئلہ کے لئے آج تصوّف بدنام ہو رہا ہے۔ کسی ایک کے عقیدہ میں جب کوئی آدمی اچھا بیٹھ گیا۔ تو وہی ولی ہو نکلا۔ لیکن جب کبھی اُس کی خامیاں ظاہر ہوئیں۔ غیر معتقدین تصوّف اور مخالفین نے آوازے کسے۔ اور آج سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز نہیں رہی۔ اگر قرونِ سابقہ کی طرح عوام بے تمیزی اختیار نہ کرتے اور خواص دعوئ[1] ولایت نہ کرتے تو پہلے کی طرح فقر کا دامن آج بھی پاک و صاف نظر آتا۔ اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اِس دَورِ آزادی، دہریت اور فلسفیت میں ایک حرف بھی فقر کے برخلاف کہتا۔ کیونکہ یہ دَور سادہ فطرت نہیں رکھتا۔ بلکہ فطرتیں نہایت تحقیق پسند واقع ہوگئیں۔ گو عمل میں انحطاط کمال ہے لیکن عقلی قویٰ[2] میں کمی نہیں اور نہ علمی سامان میں کمی۔

صاحبِ ارشاد کس وقت درجۂ ولایت کو پہنچتا ہے

۲۱۵ - دُوسرا امر جس کے واضح کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے۔ کہ کوئی مجاز یا صاحبِ ارشاد کِس وقت اپنے آپ کو مرتبۂ ولایت کا اہل یا

---

[1] ولی اللہ ہونا نبی اللہ کے بعد انسانیت کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔ لیکن اس دَورِ آخر میں بعض صالین نے درجہ کی کمی کے باوجود صدیقین کی مسند پر قدم جا ٹکایا اور پھر جب اس آخری درجے میں رہنے والے بلند دعویداروں کی خامیاں نظر آئیں تو عوام نے نہ صرف ان کو بدنام کیا بلکہ ان کے دعولئے ولایت کی وجہ سے خود ولایت بدنام ہوگئی اور دعوے دار اس بدنامی کا سبب بنے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۱ پر)

منصب ولایت کا مالک سمجھ سکتا ہے۔ سو جیسے ہر امر کے لئے دو شہادتوں کی ضرورت ہے اسی طرح یہاں بھی دو گواہِ عادل کی ضرورت ہے۔ اوّل تو اس کی اپنی ذات کہ بار بار اپنی فطرتِ سلیمہ اپنے القا اور الہامات متواترہ، اپنی ولایت کی شہادت دیں۔ اور ساتھ ہی لوازمات ولایت اس کی شہادت کو تقویت دیں۔ مثلاً تاثیر و تاثّر۔ کشف و کرامت۔ اجابت و قبولیت۔ اور تصرّف و نصرت[1]۔ اور دوسری شہادت عامۂ خلائق ہے کہ ادنےٰ و اعلےٰ۔ جاہل و عالم اور عوام و خواص اس کی ولایت کے مُقر ہو جائیں مشہور ہے ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

معرفت نبوت و ولایت و لوازمات ولایت کی ضرورت کا فلسفہ

۲۱۶ - اصل یہ ہے کہ ولایت ظلِّ نبوّت و رسالت ہے۔ اور ظل کو اصل سے وہی تعلّق ہے جو صفات کو اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ یعنی لوازمات اور خواص دونوں کے ایک جیسے ہوتے ہیں گو ذات سے کیفاً و کمّاً[2] کم ہوں۔ نبوّت کے لئے سب سے پہلے نبی سے اپنی شہادت آپ دلوائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اپنی شہادت پر لوازمات شہادت کو پیش کر کے دنیا کو اپنی نبوت کی دعوت دیتا ہے۔ تا اینکہ دوسرے لوگ اس کی شہادت کو اپنا دین و ایمان بنا بیٹھتے ہیں۔ اور یہی ہے کارخانہ نبوّت۔ اور اسی میں اصلاح عالم کا راز مضمر ہے۔

۲۱۷ - کلامِ پاک کے مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دوسرے انبیا علیہم السّلام کو کتنی بار اپنی شہادت کی صداقت پر توجہ دلائی گئی۔ بار بار ارشاد ہوتا ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (حق تیرے پروردگار کی طرف سے ہے۔ تو شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا) صرف یہ ایک آیت ہی نہیں بلکہ اس مضمون کی بیسیوں آیات کلامِ پاک میں ملتی ہیں۔ اور وحی الٰہی ہر وقت اپنی شہادت صادقہ سے نبی کو اپنی شہادت پر راسخ کرتی رہتی ہے۔ تا اینکہ وہ خلق اللہ سے اپنی شہادت کا اقرار لیتا ہے اور اس کے ذریعے توحیدِ الٰہی کا جذبہ پیدا کر کے اُس کی توحید کی شہادت دلاتا ہے جو عین مقصود ہے، آفرینش عالم سے، فرماتے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) [2] اس دور میں بھی محققین کی نظریں ولایت کے خد و خال کو پہچان سکتی ہیں۔

[1] فرمانِ خداوندی ہے: انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا۔
ترجمہ: ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی اس دُنیا میں مدد کرتے ہیں۔

[2] کیفاً: کیفیت میں
کمّاً: مقدار میں

[3] اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

۲۱۸ - رہے لوازماتِ نبوّت سو اگر یہ لوازمات نہ ہوں - تو مادی دنیا کبھی بھی نبی کی نبوّت کو تسلیم نہ کرے - اور جب تک نبی کے اندر کوئی ایسا وصف نہ دیکھ لے جو کہ بشری اوصاف سے بالاتر ہو - دنیا کبھی اُس کے مُقرب الہٰیہ ہونے کا اعتراف نہ کرے معجزاتِ نبوّت کی ضرورت کا یہی فلسفہ ہے - بھلا اپنے جیسے آدمی کے سامنے کون سرِ تسلیم خم کر سکتا ہے اور کون اسے مقرب بارگاہِ الٰہی کہہ سکتا ہے - لیکن موجودہ دَور کے علمی صوفی اس حقیقت ضرور یہ سے منکر ہیں - اور معجزات کی طرح مصدّقات شہادت ولایت کو ضروری نہیں گردانتے - لیکن ہم حیران ہیں کہ جب وہ خود دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت تکمیلِ نبوّت کا ہی سامان پیدا کرتی ہے اور ہر دَور کے لئے چونکہ الگ نبی اور رسُول نہیں ہوتا - اِس لئے ہر دَور اور ہر زمانہ میں بلکہ ہر ایک حلقۂ بشریت میں ایک ولی[1] ہونا ضروری ہے تاکہ رسُول کی رسالت کو موجودہ زمانے میں درجۂ تکمیل تک پہنچائے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ مصدّقات شہادت یا لوازمات ولایت کے سوا یہ تکمیل کیونکر ممکن ہو سکتی ہے -

۲۱۹ - کوئی پیغمبر اور نبی ایسا نہیں گذرا - جس کو اللہ تعالیٰ نے وقت کے مطابق اس کی ذاتی شہادت کے لئے مصدّقات شہادت عنایت نہیں فرمائے - حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر آگ گلزار فرمائی - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا[2] اور عصائے ثعبان[3] دے کر ان کی شہادت کے مصدّقات ان کو عنایت فرمائے - حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شہادت نبوّت کے لئے موتیٰ[4] کو زندہ کیا اور اندھوں کو بینا - نبی آخر الزماں صلّی اللہ علیہ وسلم نے شق القمر[5] سے اپنی شہادت کی تصدیق دلائی - غرض کیا کیا گنا جائے - نمونتہً کچھ لکھ دیا گیا - لیکن نبوّت کے ظلّ یعنی ولایت کے لئے اگر مصدّقات شہادتِ دعویٰ نہ ہوں تو کیونکر دعویٰ ولایت کو سچا گردان سکتے ہیں -

۲۲۰ - ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب ایک جیسے کرامات - تصرّفات اور کشف لے کر آجائیں -

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علماءُ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل (میری امت کے علما یعنی اولیا بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں) - ہم نے اس حدیث سے یہ مفہوم سمجھا ہے کہ جو لوگ اپنے حال وقال اور کمال میں انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں وہی میری امّت میں علما ہیں -

[2] سفید ہاتھ: حضرت موسٰے علیہ السلام کا معجزہ کہ ہاتھ بغل میں دبایا - نکالا تو اس کی شعاعیں آفتاب کی شعاعیں معلوم ہوئیں -

[3] عصائے ثعبان - سونٹی کا سانپ - حضرت موسٰے علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا - یہ حضرت موسٰے علیہ السلام کا معجزہ ہے -

[4] موتیٰ: میّت کی جمع - مرے ہوئے [5] چاند کو ٹکڑے کرنا -

بلکہ اتنا کافی ہے کہ کسی طرح اُن کی شہادت قلبی کی تصدیق ان کو ہو جائے اور دوسری دنیا بھی ان کے مصدّقات ولایت (یا لوازمات) دیکھ کر خود بخود ان کی ولایت کی مقر ہو جائے۔ کیا خوب کہا گیا " رُوئے[1] و آوازِ پیمبر معجزہ است "۔ اسی طرح ولی کا چہرہ بُشرہ اور آواز بھی کرامت ہوتی ہے لیکن خواص کے لئے۔ عوام کو اور عامۃ النّاس کے لئے کسی کھلی کرامت کی ضرورت ہے۔

> اتباعِ شریعت بے شک نشانِ ولایت ہے لیکن اتباعِ کامل کے مصدّقات یا لوازمات بھی ضروری ہیں

۲۲۱- کہا جاتا ہے کہ اتباعِ رسالت و نبوّت خود نشانِ ولایت ہے۔ بےشک ایسا ہی ہے۔ لیکن اتباعِ کامل حقیقی کے مصدّقات بھی تو ضروری ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اتباع ظاہراً و باطناً کامل اور حقیقی ہے۔ خود سوچئے کہ جب جوہر اتباع کامل پیدا ہو جائے۔ تو تابع کے اندر کیونکر متبوُع کے اوصاف پیدا نہ ہو جائیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ تمام مصدّقات یکدم پیدا ہو جائیں۔ یا سب کے سب مصدّقات ایک صاحب ولایت کے اندر موجود ہوں بلکہ جتنا اتباع کامل ظاہراً و باطناً پیدا ہوگا۔ اتنے ہی لوازماتِ اتّباع بھی پیدا ہوں گے۔

۲۲۲- ظاہری اتّباع گو مشکل ہے لیکن باطنی اتّباع سوائے جذباتِ کاملہ کے نصیب نہیں ہوتا۔ اور جذبات[2] کو کسبیّت سے تعلق نہیں بلکہ یہ وہبی عنایت فطریہ ہے۔ ایسی حالت میں اتباع کامل اور حقیقی کا دعوٰے کرنا نہایت اہم امر ہے اور ہماری سمجھ سے باہر۔

۲۲۳- ہاں اپنی اپنی فطرت ہے اور فطرت بلند کا اتباع بھی بلند ہے اور اتباع بلند کے لوازمات و کیفیات بھی بلند۔ اور پست فطرت کا اتباع بھی پست اور لوازمات و مصدّقات بھی پست۔

۲۲۴- حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ[3] و الغفران سے کسی نے عرض کیا۔ کہ حضرت! اب لوگوں میں کرامات کم ہیں۔ فرمایا۔ یہ تھوڑی کرامت ہے کہ مُردہ[4] دِلوں کو زندہ کر دکھاتے ہیں۔ واقعی دوسری کرامات اور اعجوبات سے یہ زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم یہ زندگی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہی ہے

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک خود ایک معجزہ ہے۔

[2] جذبات فطرت میں ودلیعت ہوتے ہیں حُسن کی طرح، کہ یہ کسی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ جذبات کا کمال یہ خاص بخششِ الٰہی ہے۔

[3] آپ پر رحمت اور مغفرتِ الٰہی ہو۔

[4] سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر انقلابِ الحقیقت دیکھ لیں اور اسلام اور روحانیت سے برگشتہ قلوب ادھر مائل ہو جائیں۔

جیسے ہم مصدّقات ولایت کے اندر شمار کر آئے ہیں۔ اسی طرح نصرتِ الٰہیہ (تائیدِ ایزدی) یہ بھی بذاتِ خود کرامت ہے۔ ہاں عوام کے نزدیک کرامت صرف وہی ہے۔ جو مادی چیز سے تعلق رکھتی ہو۔ مثلاً قلعی کا چاندی بنانا۔ ہوا پر اڑنا یا پانی پر چلنا۔

حضرت قبلہ میاں صاحب اتباعِ سنت میں چونکہ کامل تھے اس لئے لوازمات اتباع و مصدقات ولایت بھی آپ کے کامل تھے

۲۲۵۔ حضرت قبلہ مُرشدم رحمۃ اللہ علیہ کو جس نے دیکھا وہ اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کس قدر متبع سنّت تھے اور کس قدر اتّباع سنّت کے عاشق۔ کہ ایک حرکت بھی اتباعِ سنّت کے سوا اپنی تو کجا کسی دوسرے مسلمان کی دیکھنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اپنے منوسّلین سے ہی نہیں۔ بلکہ عامۃ المسلمین کو اسی رسُولی رنگ میں دیکھنا اپنا دین وایمان جانتے تھے۔ لیکن جہاں یہ اتباع حقیقی تھی۔ وہاں مصدقاتِ اتباع بھی کامل ششگانہ[1] یا پنجگانہ موجود تھے۔ تاثیر و تأثر کا یہ حال تھا کہ تمام حاضرین متأثر نظر آتے تھے۔ اور ہر ایک کا چہرہ و بشرہ کیفیت تاثیر سے پُر نظر آتا تھا۔ اور آج بھی آپ کے دیکھنے والے اس صفت میں ممتاز نظر آتے ہیں جیسے اوراق کتاب ہذا میں بیان ہو چکا کشف و کرامت کا یہ اندازہ کہ ہر آنے جانے والا مُقر ہے اور ہر ایک کو بالذّات و بالاصالت[2] اس کی تصدیق ہوگئی۔ تصرّف و نصرت کا یہ حال تھا کہ مشرق سے مغرب تک آپ کے فیوضات کی دھوم مچ گئی۔ اور ملک کے اطراف میں اتباعِ سُنّت کے عاشق پیدا ہو گئے۔ یہ تھی اتّباع کامل جس کے لوازمات بھی کامل پیدا ہو گئے تھے۔ اور جس کی حقیقت کے نشانات ہر کہ ومہ۔ ادنیٰ و اعلےٰ۔ جاہل و فاضل نے اپنی آنکھوں دیکھ لئے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ[3] يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

افعال جذبات کے سوا کچھ اثر نہیں رکھتے اور کہ تکمیل فقر جذبات قویہ کے سوا ناممکن ہے

۲۲۶۔ افعال و حرکات جذبات[4] کے تابع ہیں۔ اور جب کوئی فعل یا حرکت جذبہ قوی یا ضعیف سے بر نہیں ہوتی تو وہ فعل یا حرکت بے جان رہ جاتی ہے۔ اور اس کے اندر جذباتی اثر نہیں ہوتا بلکہ ایک

---

[1] مصدقات ششگانہ: تأثر۔ تاثیر۔ کشف۔ کرامت۔ نصرت۔ تصرف۔

[2] بالاصالت: بلا واسطہ۔ ذاتی طور پر

[3] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے عنایت فرما دے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے جس کو چاہے وہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

[4] جذبہ کوئی ہو، غم ہو خوشی ہو، محبت ہو نفرت ہو جب تک کامل نہ ہو گا تاثیر سے محروم۔ اتباعِ رسالت کا جذبہ محبت سے اُبھرتا ہے۔ جب محبت نہ ہو اتباع کیسے اور اتباع نہ ہو تو صرف باتوں سے تاثیرات کہاں سے آئیں گی۔

طرح کی بے رونقی یا بے تاثیری اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔اور دیکھنے والے پر اس فعل و حرکت کا کوئی نیک یا بد اثر نہیں بیٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج باوجودیکہ لاکھوں علمائے ظاہر و فقرائے ظاہر موجود ہیں اور ہر ایک دعوئے اتباع میں اپنا سارا زور لگا رہا ہے۔اور اپنے افعال و حرکات کو شاہراہ سنّت کے مطابق دکھا رہا ہے۔اس پر اپنی شیریں کلامی سے اتباع سنّت کی دعوت عامہ (وعظ) پر اپنا تمام زور خرچ کرتا ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ کسی ایک کو بھی اثر نہیں ہوتا کوئی ایک اپنے آپ کو اُن کے حوالے اِتبّاع کے لئے نہیں کرتا۔بسا اوقات ان کا وعظ صرف خوشی طبع اور نکاتِ علمیہ کے لئے سُنا جاتا ہے۔اور ان کے حرکات اور افعال پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔آخر ایسا کیوں ہے؛ اِس لئے کہ اس اِتبّاع میں صحیح جذبۂ قوی موجود نہیں۔اور یہ اتّباع اندر سے کھوکھلی ہے۔صحیح اتّباع تمام نقصانات کی تلافی کی ذمّہ دار ہے۔بلکہ نقصان تو کجا صحیح معنوں میں تمام اوصاف کی یکدم پیدا کرنے والی ہے۔غرض فقر کی تکمیل جذبات قویہ (محبّت الٰہیہ) کے سوا ناممکن ہے۔

نبوّت کا تعلق اصالتاً شہود سے اور ولایت کا تعلق وصل سے ہے

۲۲۷- آخری بات اِس باب میں یہ جتا دینا ضروری ہے کہ نبوّت کو اصالتاً مقام شہود سے تعلّق ہے۔اور ولایت کا تعلّق اصالتاً مقامِ وصل سے ہے۔وصل میں ترک دعویٰ ہے۔اور شہود میں دعویٰ لازم، کیونکہ شہود میں دُوئی ہے اور وصل میں یگانگت۔دعوتِ نبوّت کا منکر کافر ہے۔ ولایت کا مدعی خود جھوٹا ہے۔یہ الہامی درجہ رکھتا ہے جس کی شہادت اپنے لئے کافی ہے مگر غیر کے لئے کافی نہیں۔اور نبوّت وحی کی صداقت سے معمور ہوتی ہے اِس لئے غیر کے لئے اس کی شہادت ضروری ہے۔اور نہ ماننے والا کافر ہے۔

صاحبِ شہود کبھی تجلی وصل میں آجاتا ہے اور صاحبِ وصل کبھی مقامِ شہود پر جا نکلتا ہے

مجذوب و سالک

۲۲۸- مقامِ وصل پر جو ولی رہ جائے۔وہ مجذوب ہوتا ہے۔جو اس سے ترقی کر کے مقامِ شہود پر پہنچے۔وہ سالک۔ بعض وقت مجذوب تجلّی شہودی میں آجاتے ہیں۔تو استغفار پڑھنے لگتے ہیں۔اور بعض وقت

لہ یعنی نبی اللہ تعالیٰ کی حاضری میں ہوتا ہے اور اپنی ذات کے الگ ہونے کا تصوّر موجود ہوتا ہے۔

لیکن ولی اللہ وصل کے مقام میں ہوتا ہے اور وصل میں یگانگت غالب ہوتی ہے اور دوئی کا خیال و تصوّر اُٹھ جاتا ہے۔

سالک مقامِ وصل کی تجلّی میں گرفتار ہو جاتا ہے تو سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ[1] اور اَنَا الْحَق[2] کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب واپس اپنے مقام میں آتا ہے تو بار بار کہتا ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی[3]۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم[4]

مقامِ شہود و دوئی میں اَیک سلوک کی ابتدا اور دوسرا نبوت کی ابتدا

۲۲۹۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقامِ شہود وہ مقام نہیں جو سالک کو سلوک کے اندر پیش آیا تھا۔ وہ مقام وصل سے پہلے تھا اور یہ مقام وصل کے بعد۔ وہ مقام ولایت کی ابتدا تھی۔ اور یہ مقامِ نبوّت کی ابتدا۔ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ ہم بھی مقامِ شہود پر ہیں کیونکہ ہم میں بھی دوئی ہے۔ یہ دوئی نہیں بلکہ صرف خودی ہے۔ خودی خود خودی ہے۔ اِس کے اندر دوئی کا کیا واسطہ۔ خودی اٹھے گی تو وحدت پیدا ہو گی۔ لیکن جب وحدت اور خودی اکھٹی ہو گی۔ تو دوئی پیدا ہو گی۔ یہ دوئی مقامِ نبوّت کی ابتدا ہے۔ نبی باوجودیکہ تجلّی وصل میں آجائے[5] لیکن پھر بھی اپنے مقامِ شہود سے باہر نہیں نکلتا۔ جب نبی کریمؐ معراج پر تشریف لے گئے اور عرشِ معلّٰی پر مقامِ وصل کی آخری سرحد پر تشریف فرما ہوئے تو دیکھئے وہاں بھی مقامِ شہود سے ایک قدم باہر نہ اٹھایا۔ اور عبودیت و معبودیت گو قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی[6] تک پہنچ گئیں۔ لیکن ایک حرف بھی تجلّی وصل کا اپنے منہ سے نہ نکلا۔ یہ تھا کمال جو صرف آپ کی ذات کو ازل سے عنایت ہوا کہ باوجود اتنے تقرّب کے اپنی عبودیت کے معترف رہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ زیادہ اس باب میں کچھ دیکھنا ہو تو میرا مضمون "حال و قال" "خزینۂ معرفت" کے مقدمہ میں دیکھ لینا چاہیے

---

[1] میں پاک ہوں اور میری شان کتنی بلند ہے۔ [2] میں حق ہوں۔

[3] پاک ہے میرا رب جو اعلٰے ہے۔

[4] پاک ہے میرا رب جو عظمت والا ہے

[5] وصل میں دوئی نہیں لیکن یہ مقامِ ولایت ہے۔ نبی تجلّی وصل میں بھی اپنے مقامِ شہود سے نہیں نکلتا۔

[6] پس (دونوں میں) دو کمان کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔

سجادہ نشینی

(سجادہ نشینوں کی اقسام)

۲۳۰۔ عُرف عام میں سجادہ نشین صاحب ولایت کے جانشین کو کہتے ہیں۔ بعض وقت اس درجہ پر صاحبِ خلافت اور صاحبِ ارشاد بلکہ تمام یارانِ طریقت کے سرتاج کو اس منصب پر خود صاحبِ ولایت اپنی جانشینی کے لئے تجویز کر جاتا ہے اور بعض وقت اپنے خلفا میں سے کسی ایک کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے سرفرازی بخشی جاتی ہے۔ گو نسبت میں برابر ہوں یا درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بعض وقت ایسے آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ گو باطنی رشتہ تو کامل نہیں لیکن ظاہری رشتہ میں اتنی محبت ہوتی ہے کہ باطنی رشتہ پر غالب آجاتی ہے اور شیخ اپنے کامل تصرف سے اس پر اپنی نسبت القائیہ[۱] اس درجہ ڈالتا ہے کہ یکدم اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد وہ ہُوبہُو اپنے شیخ کی تصویر ہو بیٹھتا ہے۔ حضرت قبلہ اللہ بخش[۲] تونسوی رحمتہ اللہ علیہ اسی درجہ کے سجادہ نشین تھے چنانچہ خلفا کے اصرار پر جب حضرت قبلۂ عالم محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آپ پیش کئے گئے تو آپ نے گلے لگا کر فرمایا نَفَخْتُ[۳] مِنْ رُوْحِيْ فِيْكَ ایک طرف آپ نے انتقال فرمایا۔ دُوسری طرف حضرت صاحبزادہ صاحب نے عیش و عشرت چھوڑ کر یکدم لباسِ فقر کو زینت دی۔ یہانتک کہ دُنیا آپ سے فیضیاب ہُوئی۔ ایک طرف وہ صاحبزادہ صاحب تھے اور دُوسری طرف شیخ کامل۔

(حضرت میاں غلام اللہ صاحب کی سجادہ نشینی اور حضرت قبلہ میاں صاحب کی نسبت کا ظہور)

۲۳۱۔ بعض وقت تو یکدم حالت نہیں بدلتی۔ لیکن نسبت تدریجاً اپنا اثر ظاہر کرتی ہے میرے قبلہ میاں غلام اللہ[۴] صاحب مدظلہ العالی اسی طرح کے سجادہ نشین حضرت قبلہ عالم میاں صاحب رحمتہ اللہ کے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ مرض الموت میں جب آں قبلۂ اربابِ عشق و ذوق کے آخری ایامِ وصال آگئے۔ تو آپ نے میاں صاحب کو بلا کر فرمایا۔ کہ جمعہ پڑھانا مسجد کا انتظام رکھنا اور کوئی آجائے تو اس کا اہتمام لازم رکھنا۔ غرض اس قسم کے الفاظ فرمائے جس سے خانقاہِ معلّٰی

۱۔ نسبت القائیہ: وہ نسبت جو ولی اللہ کسی خاص وقت میں اپنے خاص تصرف سے کسی خوش قسمت اور سعادتمند دل میں ڈال دے اس نسبت سے فوری تبدیلی عمل میں آجاتی ہے۔ اور اگر نسبت حاصل کرنے والا صاحبِ استعداد کامل ہو تو ولایت کا کمال اسی ایک القا سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء۔

۲۔ حضرت غریب نواز خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے۔ ابتدا میں شاہانہ زندگی تھی۔ حضرت نے وصال کے وقت نسبت القائیہ سے نوازا اور ولی کامل بنا دیا اور اس گدی کو حضور نے وہ رونق دی جو خود خواجہ سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کے وقت تھی۔

۳۔ میں نے اپنی رُوح تجھ میں پھونک دی۔

۴۔ حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ غوث الوریٰ میاں صاحب شرقپوری کے چھوٹے بھائی اور حضور کے سجادہ نشین تھے۔

کی تولیّت مقصود تھی۔ گو بعض احباب اس وقت حیران تھے لیکن جیسے مشہور ہے فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ[1]۔ عارف کا کوئی لفظ ضائع نہیں جاتا۔ جب ایک طرف آپ نے انتقال فرمایا۔ اور دوسری طرف میاں صاحب نے خانقاہ معلّٰے کا انتظام ہاتھ میں لیا۔ تو یہ خیال کسی کے دل میں بھی نہیں سماتا تھا کہ آپ اس بھاری ذمّہ داری کے اہل ہیں یا کسی وقت اسے بھی سنبھال لیں گے۔ لیکن آج جاکر کوئی دیکھے کہ کس طرح آپنے اپنی ذمّہ داری اٹھائی اور کس طرح نسبت کا ظہور ہو رہا ہے۔ آپ کے تمام حالات، تمام اخلاق، تمام عادات اگر بالکلیہ بدل نہیں گئے تو بہت کچھ بدل چکے ہیں اور بارگاہ الٰہیہ سے قوی امید ہے کہ آپ اپنے شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ کے کامل ظلّ ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ +

سجادہ نشینی میں بعض دفعہ رشتۂ ظاہری رشتۂ باطنی پر کیوں غالب آ جاتا ہے

۲۳۲۔ بعض ارباب علم کو شاید یہ خیال پیدا ہو کہ صاحب ولایت پر کیونکر رشتۂ باطنی پر رشتۂ ظاہری غالب آسکتا ہے لیکن جن لوگوں کو فطرت انسانی کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ انسان کو رشتۂ ظاہری کے ساتھ کس درجہ محبت دی گئی ہے بلکہ تمام کارخانۂ دُنیا کا نظام اسی پر منحصر ہے۔ تمام مصائب و تکالیف اسی کے لئے اٹھاتے ہیں اور تمام سرور اور خوشی اسی کے اندر مضمر خیال کی جاتی ہے سنّت اللہ اسی طرح جاری ہے سلسلہ ابراہیمی کو ملاحظہ کیجئے۔ یہ اسی رشتۂ ظاہریہ کا ایک عکس ہے۔ بھلا جس نے عہد نبوّت میں حسنین[2] کو جھولتے دیکھا یا سُنا۔ کیا وہ فطرتی میلان سے انکار کرسکتا ہے ؟ آخر ارباب ولایت دربار رسالت سے زیادہ تو قدم نہیں رکھتے بلکہ کئی قدم پیچھے چلنا بھی ان کو نصیب ہو جائے تو یہ بھی فخر ہے۔

سجادہ نشین کے تصرفات درحقیقت صاحب ولایت کے تصرفات ہوتے ہیں

۲۳۳۔ بسا اوقات صاحب ولایت خود تو کسی کے حق میں اشارۃً و کنایۃً کچھ فیصلہ نہیں دیتا لیکن یاران طریقت کسی ایک کو اپنی جماعت کے لئے چُن لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات بلا انتخاب کوئی تمام پر

---

[1] حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

[2] حسنین، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا مخفف ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں نواسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو جاتے تھے۔ سُبحان اللہ کیا شان ہے۔

غالب آ کر تولیتِ خانقاہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ایسے وقت میں نسبت خاصۂ ولایت بہت کم نمایاں ہوتی ہے تاہم صاحبِ ولایت سے لطیفہ کی طرف ایسے ایسے تصرّفات ظاہر ہوتے ہیں کہ خانقاہ کے متوسّلین اپنے سجادہ نشین کو[1] عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ سجادہ نشین کی ذات کو ایسے تصرّفات میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

تصرفاتِ شیخ

۲۳۴۔ عموماً ایسے تصرفات خواب یعنی رویا کے واسطے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً خواب۔ سجادہ نشین کے ذریعے کسی آئندہ امر کے وقوع کی خبر یا کسی مقدمہ کی فتح یا بیماری کی آمد کی خبر یا سجادہ نشین کے خواب میں آنے سے صحت یا سجادہ نشین کے آنے سے پہلے خود شیخ کا گھر میں خواب میں آنا وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق سجادہ نشین کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ شیخ کامل کے تصرفات ہوتے ہیں۔ حقیقی تصرّفات صرف متوسلین تک محدود نہیں رہتے۔ بلکہ متوسّلین سے بڑھ کر غیروں کے لئے تصرّفات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

سجادہ نشین کے ساتھ صاحبِ ولایت کی روح کو خاص تعلق ہوتا ہے

۲۳۵۔ خواہ کسی درجہ کا بھی سجادہ نشین ہو۔ صاحبِ ولایت کی روح پاک کو اس سے خاص تعلق ہوتا ہے اور جن کو ذوقِ سلیم عنایت ہوا اور جن پر کشفی حالات کی عنایت ہے اُن سے یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ہمارے قبلہ مرشدم حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت ایشاں[2] رحؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور مراقب ہو بیٹھے۔ تو فرمایا گیا۔ پہلے سجادہ نشین کے پاس جاؤ۔ پھر یہاں آؤ۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سجادہ نشین سے مل کر پھر آئے تو فیوضات کی وہ بارش ہوئی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔

سجادہ نشین کے برکات اکثر ظاہر پر وارد ہوتے ہیں اور صاحبِ ولایت کے باطن پر

۲۳۶۔ شاید بعض حضرات میری تحریر کو پیر پرستی پر محمول کریں لیکن یہ حقیقت پرستی ہے۔ بلکہ جو بات متواترات تک پہنچ جائے اور جس کا مشاہدہ انسان خود بھی کر بیٹھے۔ اس سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ شاید تین چار بار موجودہ سجادہ نشین صاحب سلمہ اللہ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] یعنی سالکین و متوسلین خانقاہ کو باطنی فائدہ سجادہ نشین سے نہ بھی ہو۔ تاہم متوسلین صاحبِ سجادہ کی عزت کرتے ہیں۔ اور یہ صاحبِ ولایت کا تصرّف ہوتا ہے۔

[2] حضرتِ ایشاں رحؒ۔ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ ہوئے ہیں۔ روضۂ مبارک باغبانپورہ کے مغرب میں ہے۔ اور آپؒ کا مزار مبارک مجرّب التاثیر اور مرجع خلائق ہے۔

بیربل تشریف لائے۔ گذشتہ سال پہلی تشریف آوریوں کے برخلاف میں نے ہر طرح کے آداب[1] مرشدانہ کی نگہداشت رکھی۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ میرے مرشد ہیں بلکہ حضرت قبلہ رح کے بھائی اور ان کے سجادہ نشین ہیں۔ لیکن اُن کی خوشنودیٔ مزاج سے ظاہری فوائد مثلاً صحت۔ فتوح وغیرہ میں تو بہت کچھ ترقی ہوگئی اور باطنی کیفیت میں کسی قدر اضافہ طمانیت قلبی ہوگیا۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ اگر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوتی تو ظاہری فوائد تو ہوتے یا نہ ہوتے۔ لیکن باطنی کیفیت کئی ہزار درجہ ترقی کر جاتی۔ بے شک سجادہ نشین کا تصرّف ظاہر پر ہوتا ہے اور شیخ کا تصرّف باطن پر زیادہ۔

تمّت بالخیر

محمد عُمر عفی عنہ

---

[1] سجادہ نشین صاحبِ ولایت کے فیض یافتگان کا مرشد تو نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ خانقاہ سے ظاہری نسبت سب سے بلند رکھتا ہے۔ اِس لئے اس کے تمام آداب مرشدانہ کئے جاتے ہیں۔

بارگاہِ ربوبیت میں

دمبدم تیرا تصوّر ہی رہے اور جستجو
ذکر تیرے سے رہے معمور میری گفتگو

کر محبت ذاتِ اقدس کی مجھے یارب عطا
تا کہ میں سب بھول جاؤں جو کہ ہے تیرے سوا

نیک و بد اغیار کی اُٹھ جائے بھی مجھ سے تمیز
اور تیرے ماسوا ہرگز نہ ہو مجھ کو عزیز

یا الٰہی میں تیری حمد و ثنا کرتا رہوں
شکر تیری نعمتوں کا میں ادا کرتا رہوں

آنکھ میری بند ہو اور قلب ہو میرا کھُلا
پھر تجلّیِ طُور کی قائم رہے اس پر صدا

موت سے پہلے ہی مرنا مجھکو ہو جائے نصیب
تا فنائے قلب سے لذّت اٹھاؤں اِک عجیب

خوف تیرے سے ہمیشہ چشم میری تر رہے
جسم پر لرزہ رہے اور دل میں تیرا ڈر رہے

ساتھ ہی دعوئے محبت کا رہے با عزّ و ناز
بے نیازی تیری کا کھٹکا رہے اے بے نیاز

مطلع الانوار سینہ میرا ہو جائے تمام
میں مٹوں سارے کا سارا اور مٹ جائے یہ نام

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ کی ہو جھلک پرتو فگن
کچھ نہ ہو کھٹکا کہ میرا کوئی ہے فرزند و زن

وصل تیرا ہو میسّر بے تکیف دبے قیاس
لیک ظاہر میں رہے تیری شریعت کا لباس

سنّت خیر الورےٰ کی بھی ملے مجھ کو لِوا
ہر نفس پر میں کہوں یا مصطفےٰ یا مجتبےٰ

آنکھ میری دیکھ لے پھر نور اس محبوب کے
اور حجاب اٹھ جائے سارا چہرہ مطلوب سے

یہ حقیقت دیکھ کر پھر ہو حقیقت کل عیاں
جس کے کہنے سے لرز جائے زبانِ ناتواں

موت گر آجائے آسانی سے ہو میرا گذر
جیسے کوئی پل سے گذرے یا کہ راہِ بے خطر
ہاں مسلماں ہو کے جاؤں اس جہاں سے اے خدا
بندگانِ خاص میں پھر رکھیو مجھ کو سدا اے شہا

عصمت و عفّت تری کی بھی ملے مجھکو بُؔوا
کیونکہ یہ بد کار اب تو ہے بہت رُسوا ہوا

نفسِ امّارہ پہ قابو دے تو اَے قادرِ کریم
تیری رحمت کے سوا چارہ نہیں اب تو رحیم

اک گھڑی یا اس سے کم بھی مجھکو اپنے پر نہ چھوڑ
یا الٰہی بحرِ عصیاں میں مری کشتی نہ توڑ

ماں سے بڑھ کر تو ہو اور باپ سے بڑھ کر بھی تو
یار و مُونس میرا تو ہو اور سب کچھ تو ہی تو

رات دن تیرا تخیل ہی رہے مجھکو مدام
ایک ساعت بھی نہ ہو تیرے سوا مجھ کو آرام

تو بھی میرا ہو رہے اور مَیں بھی تیرا ہو رہوں
تیری وحدت ذات میں ہو محو مَیں جیوں مروں

تیرے کانوں سے سنوں گر مَیں سُنوں اَے کردگار
تیری ہی آنکھوں سے دیکھوں گر مَیں دیکھوں بار بار

کچھ ارادہ ہو نہ میرا اگر ارادہ مَیں کروں!
جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ مَیں کروں!